خواتین کا دینی، علمی اور اصلاحی رسال

ماہنامہ

حیا

کراچی

آئینہ

آئینہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرمانِ الٰہی

خدا تعالیٰ کی پکار!

اب خدا کی طرف سے پکار آتی ہے......!

میرے بندے تو نے دولت کے انبار لگائے مگر تجھے سکون نہ مل سکا، تو نے وزارتیں اور بادشاہتیں حاصل کرلیں مگر تجھے سکون نہ مل سکا، تو نے رقص و سرود کی محفلیں جمائیں لیکن تجھے سکون نہ مل سکا، تو نے فحاشی، عریانی اور بدکاری کی انتہا کردی، مگر تجھے سکون نہ مل سکا، تو نے جوئے اور سٹے کا بازار گرم کیا، مگر تجھے سکون نہ مل سکا، تو نے ساغر اور مینا، شراب، ہیروئن، چرس اور بھنگ کا استعمال کرکے دیکھا، مگر تجھے سکون نہ ملا، تو نے نت نئے فیشن اختیار کیے، مگر تجھے سکون نہ مل سکا، تو نے کھیلوں میں کمال حاصل کرلیا، مگر تجھے سکون نہ مل سکا، تو نے سمندروں اور صحراؤں کو چھان مارا، مگر تجھے سکون نہ مل سکا، تو چاند ستاروں تک جا پہنچا، مگر تجھے سکون نہ مل سکا، تو نے سائنسی علوم سے حیرت انگیز مشینیں ایجاد کرڈالیں مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔

آ...... بھولے بھٹکے مسافر میرے دروازے پر آ، میں تیرا رب ہوں، میں تیری ضروریات کا کفیل ہوں، میں تجھے حصول سکون کا راستہ دکھاؤں گا۔ یہ چیزیں تجھے سکون نہیں دے سکتیں، او ظلوم اور جھول انسان تو بھی کتنا پگلا ہے، انگاروں پہ بیٹھا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھے ٹھنڈک نصیب ہو، گندگی کے ڈھیر پر بیٹھ کر چاہتا ہے کہ مجھے خوشبو کے دلنواز جھونکے آئیں، کانٹوں پر بستر بچھایا ہے اور چاہتا ہے کہ چبھن بھی نہ ہو، تیل چھڑک کر تیل جلاتا ہے اور چاہتا ہے کہ آگ بھی نہ لگے، اپنے خالق اور مالک کو بھلا رکھا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھ پر پریشانیاں بھی نہ آئیں، او میرے ناسمجھ بندے!

نہ سیم و زر کی چھنا چھن تجھے سکون دے سکتی ہے، نہ تخت و تاج تیرے دل کے اضطراب کو دور کرسکتے ہیں، نہ رقص و سرود اور موسیقی تیری قلبی بیماریوں کا علاج ہے، نہ زناکاری اور فحاشی تجھے مطمئن رکھ سکتی ہے، نہ منشیات کا استعمال تیرے قلب و دماغ کو سکون دے سکتا ہے۔ اگر تجھے سکون ملا تو میری یاد کی چھاؤں میں ملے گا، میرے ذکر کی خوشبو سے ملے گا۔

الابذکر اللہ تطمئن القلوب:...... تمہیں دل کا سکون اور سچی خوشی اللہ کے ذکر کے بغیر کبھی حاصل نہیں ہوسکتی، تم جب تک گناہوں کو نہیں چھوڑو گے، تمہاری پریشانیاں کبھی دور نہیں ہوں گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نورِ نبوت

ماہ محرم کے فضائل و مسائل

ماہ محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے، یہ ماہ کئی فضیلتوں کا حامل ہے۔

محرم کی فضیلت:...... حرمت والے چار مہینوں میں سے ایک ماہ محرم بھی ہے۔ (بخاری ۳۱۹۷)
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رمضان کے روزوں کے بعد سب سے بہترین روزے اللہ کے مہینہ "محرم" کے ہیں۔ (مسلم ۱۱۶۳)

یوم عاشورہ: کی فضیلت:...... مجموعی لحاظ سے پورا ماہ محرم مقدس ہے، تاہم ۱۰ محرم جس کو یوم عاشورہ بھی کہا جاتا ہے، کی انفرادی طور پر خاص فضیلت بھی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ سال کے (صغیرہ) گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔" صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے مہینہ اور دس محرم کے دن روزہ رکھنے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔" البتہ چوں کہ یہود بھی اس دن روزہ رکھتے تھے تو ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے حکم دیا کہ یوم عاشورہ سے ایک دن پہلے یا بعد کا روزہ بھی رکھو۔ (مسند احمد ۲۱۵۴) صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان شاء اللہ ہم اگلے سال نویں محرم کا روزہ بھی رکھیں گے، لیکن محرم کے آنے سے پہلے ہی آپ کا انتقال ہوگیا۔

مسئلہ:...... یوم عاشورہ کو روزہ رکھنا مستحب ہے اور اس کے ساتھ نویں یا گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھنا بھی مستحب ہے۔ (شامی) صرف دسویں کو روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (ہندیہ)

عاشورہ کے دن اہل وعیال پر وسعت سے خرچ کرنا:...... بعض روایات میں جو فن حدیث کی رو سے مستند نہیں البتہ امام بیہقی رحمۃ اللہ اور ابن حبانہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ان پر اعتماد کیا ہے، میں ہے کہ "جو آدمی اپنے گھر والوں پر عاشورہ کے دن (کھانے پینے میں) وسعت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر پورے سال وسعت فرمائیں گے۔"

ترتیب: مولانا محمود عباسی

آوازِ حیا

آج جب آواز حیا لکھنے بیٹھی تو حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا، ارے یہ کیا، ابھی کل ہی کی تو بات لگتی ہے کہ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ کے "حیا" کے لئے "آواز حیا" لکھ رہی تھی اور اتنی جلدی پلک جھپکتے ہی ۱۴۳۵ھ کا آغاز......

اس وقت ذہن کے دریچوں میں پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ گونجنے لگی، جس کا مفہوم ہے کہ "قیامت کے قریب ایک وقت ایسا آئے گا کہ سال مہینے کے برابر، مہینہ دن کے برابر اور دن گھنٹے کے برابر ہوجائے گا۔"

سال تو وہی 360 دن کا ہوگا، مہینہ میں 29، 30 دن کا ہوگا اور دن بھی اسی طرح 24 گھنٹے کا ہوگا لیکن ہوگا کیا؟...... وقت کی برکت ختم ہوجائے گی...... آج ہمارے ساتھ بھی یہی ہورہا ہے، جس سے پوچھو، وہ وقت کی کمی کا رونا روتا نظر آئے گا، جس سے دوری کا ملاقات نہ کرنے کا شکوہ کرو، وہ جواب میں یہی کہے گا کہ ارے بھئی کیا بتاؤں، وقت ہی نہیں ملتا، کسی خاتونِ خانہ سے پوچھا جائے تو وہ بھی وقت کی کمی کا رونا روئے گی...... آخر کیوں؟؟

آج سے کچھ عرصہ پیچھے کی طرف جائیں، ہماری نانی، دادی کے زمانے کی طرف دیکھیں تو جتنی سہولیات اور آسائشیں آج ہمیں میسر ہیں، ان کو ان میں سے کوئی بھی

آوازِ حیا

سہولت میسر نہیں تھی، لیکن اس کے باوجود ان کی زندگی پر اور ان کے شب و روز کو دیکھیں تو ہر وہ کام جو آج ہم اور آپ کرتے ہیں، ان تمام کاموں کے کرنے کے باوجود بھی ان کے پاس وقت بچتا تھا، ایک دوسرے کی خوشی غمی میں شریک ہوتی، آس پڑوس میں کوئی بیمار ہوتا اس کی عیادت کرتی...... ان کے پاس عبادت کا وقت تھا، فرض نماز کے علاوہ نوافل، تلاوت قرآن اور ذکر واذکار کا اہتمام کرتی تھی......

مگر آج کی عورت، اس قدر سہولیات اور آسائشیں حاصل ہونے کے باوجود بھی اس کے پاس وقت نہیں، آج کے مرد کے پاس وقت نہیں، حتیٰ کہ آج کا بچہ بھی مصروف ہے، اس کے پاس بھی وقت نہیں...... آخر کیوں؟؟

خدارا اپنی زندگی کے اوقات میں سے کچھ لمحات اپنے رب کے لئے، اپنے گھر والوں کے لئے، اپنے عزیز واقارب اور دوست احباب کے لئے بھی نکالیں اور ان کی خوشی غمی میں شریک ہوکر ان کا دست و بازو بنیں۔

آپ کی باجی

مہر افروز مہر

زلزلہ - ایک انتباہ!

حضرت مولانا سلیم اللہ خان



گزشتہ چند دنوں سے ملک پاکستان زلزلوں کی زد میں ہے جس سے لاکھوں لوگ متاثر ہوئے ہیں اور ایک محتاط اندازے کے مطابق سینکڑوں کے قریب بچے، خواتین اور مرد لقمہ اجل بنے، سائنسی نقطۂ نظر سے زلزلے کے مختلف اسباب وتوجیہات پر آج کل ملک بھر کے اخبارات و رسائل میں مضامین چھپ رہے ہیں، سائنس نے ہمارے اس دور میں بڑی ترقی کی ہے اور کائنات کی وسعتوں میں پنہاں کئی رازوں سے پردہ اٹھایا ہے، بارش کہاں سے اور کیسے برستی ہے، سائنس نے اس کے اسباب کی تلاش شروع کی کہ بارش بادل سے برستی ہے، بادل سمندروں سے اٹھنے والے بھاپ سے بنتے ہیں جس میں پانی ہوتا ہے، انہیں ہوائیں مختلف مقامات پر لے جاتی ہیں اور ان سے نزول باران ہوتا ہے، لیکن یہ بادل بھاپ سے کیوں بنتا ہے؟ سائنس اس کا جواب نہیں دے سکتی...... آپ سائنس اور جدید علمی ترقی سے بعض چیزوں کے چند اسباب تو ضرور معلوم کر سکتے ہیں،

لیکن ایک مرحلہ پر پہنچ کر جب آپ سے "کیوں؟" کا سوال کیا جائے گا تو وہاں آپ کے پاس اس کے سوا کوئی اور جواب نہیں ہوگا کہ بس یہ تو قدرت کا نظام ہے، جدید طب نے کافی حد تک ترقی کرلی ہے اور جسم کے اندر مختلف امراض اور بیماریوں کے جراثیم کی تشخیص کے لئے کئی آلات ایجاد کئے گئے لیکن یہ جراثیم کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ سائنس اور انسانی عقل یہاں آکر بے بس ہوجاتی ہے، اس کا جواب یہ ہوتا ہے، بس یہ تو قدرت کا نظام ہے، ٹھیک اسی طرح سائنس نے یہ بات تو معلوم کرلی کہ جنگل میں اگنے والی فلاں جڑی بوٹی کی یہ خاصیت ہے لیکن یہ خاصیت اس میں کیوں پائی جاتی ہے؟ اور یہ خاصیت کس نے پیدا کی ہے، یہاں آکر سائنس خاموش ہوجاتی ہے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جدید سائنسی ترقی نے کائنات کے اس چلتے ہوئے نظام کا ایک مشاہدہ ضرور کیا ہے، اس مشاہدہ میں ایسے واقعات کے کچھ ظاہری اسباب نظر آئے، یہ مشاہدہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت پر انسان کے ایمان کو مزید بڑھا دیتا اور مستحکم کردیتا ہے کہ واقعتاً اس کارخانہ عالم کو چلانے والی ایسی ذات ہے جو ہماری نظروں سے پوشیدہ لیکن ہماری رگ جان سے زیادہ قریب ہے، جو علت العلل اور مسبب الاسباب ہے۔

بحیثیت مسلمان ہمارا یہ یقین ہے کہ اس دنیا میں جتنے اور جس قدر واقعات وحوادث پیش آتے ہیں، وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم ہی سے پیش آتے ہیں، زلزلے کی سائنسی توجیہ میں اگرچہ یہ کہا جارہا ہے کہ زمین کی مختلف پلیٹیں آپس میں ٹکراتی ہیں جس کی وجہ سے زمین میں حرکت وجنبش پیدا ہوتی ہے لیکن یہ پلیٹیں کیوں ٹکراتی ہیں؟ سائنس اور انسانی عقل اس کا جواب نہیں دے سکتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس کی وجہ بتلائی گئی ہے کہ جب معاشرے کے اندر بے حیائی عام ہوجائے، گناہوں کی کثرت ہو، سود کی وبا پھیل جائے تو زمین میں زلزلہ آتا ہے، سنن ترمذی کی ایک روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

" اذافعلت أمتي خمس عشرة خصلة حلّ بها البلاء، فقيل وماهنّ يا رسول الله؟ قال: اذا كان المغنم دولاً، والأمانة مغنما، والزكاة مغرماً، وأطاع الرّجل زوجته، وعق أمه، وبر صديقه، وجفاأباه، وارتفعت الأصوات في المسجد، وكان زعيم القوم أرذلهم، وأكرم الرجل مخافة شره، وشربت الخمور، ولُبست الحرير، واتخذت القينات والمعارف، ولعن آخر هذا الأمة أولها، فلير تقبوا عند ذلك ريحاً حمراء أو خسفاً ومسخاً."

"حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میری امت میں پندرہ خصلتیں پیدا ہوجائیں، تو ان پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہوجائیں گی، پوچھا گیا، وہ کیا کیا عادتیں ہیں تو فرمایا: جب مال غنیمت (سرکاری مال) ذاتی ملکیت بنایا جائے، جب امانت کو غنیمت سمجھا جائے، جب زکوٰۃ کو جرمانہ تصور کیا جائے، جب آدمی بیوی کی فرمانبرداری اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے، جب وہ دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک اور باپ کے ساتھ زیادتی کرے، جب مساجد میں شور غوغا برپا ہوجائے، جب رذیل ترین آدمی قوم کا لیڈر بن جائے، جب آدمی کی عزت اس کی برائی کے ڈر سے ہو، جب شراب (نشہ آور اشیا) کا کھلم کھلا استعمال ہو، جب مرد ریشمی کپڑا پہنیں، جب گانے بجانے اور محفل وسرود کی محفلیں سجائی جائیں، جب موسیقی کے آلات کا استعمال ہونے لگے، جب لوگ اپنے گزشتہ اسلاف پر لعن وطعن کرنے لگیں تو پھر لوگوں کو عذاب خداوندی کا منتظر رہنا چاہئے، خواہ وہ سرخ آندھی کی شکل میں ہو یا زلزلے کی صورت میں یا زمین کے اندر دھنس جانے کی شکل میں یا صورتوں کے مسخ ہونے کی شکل میں ہو۔"

ان میں اکثر برائیاں آج ہمارے معاشرے میں نظر آرہی ہیں، ایک اور حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اذاظهرت الفاحشة، كانت الرجفة" یعنی جب بے حیائی اور فحاشی کا غلبہ ہو تو زمین میں زلزلہ آئے گا...... ہمارے آج کے عہد کا المیہ یہ ہے کہ فحاشی اور بے حیائی باقاعدہ حکومت کی سرپرستی میں عام ہورہی ہے، صدر پرویز مشرف صاحب کے یہ بیانات ذرائع ابلاغ میں آچکے ہیں کہ "جسے نیکر پہنی ہوئی لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں، وہ اپنی آنکھیں بند کرلے"...... "جن کو داڑھی اور برقع پسند ہے وہ انہیں اپنے گھر میں رکھیں"...... "عورتوں کو پردے میں رکھنا اسلام کی فرسودہ شکل ہے"...... "ہمیں اپنے تصورات میں جمہوری ہونا، سیکولر ہونا اور جدید ہونا ہے"...... صدر صاحب نے اس کا جو عملی مظاہرہ اس سال جشن آزادی کے موقع پر کیا، اس کو ایک معاصر رسالے نے ان الفاظ میں رپورٹ کیا ہے:

"یہ بہت پرانی بات نہیں ہے، زلزلے سے صرف چون دن پہلے کا واقعہ ہے۔ ۱۴ اگست ۲۰۰۵ء کو ایوان صدر میں یوم آزادی کی خوشی میں زلزلہ برپا تھا، حکمرانوں کے باپ، ماں، بیٹے، بیٹیاں، بہنیں، بہوئیں، بیویاں تماشا دیکھ رہے تھے، گانے نغمے، رقص ہورہا تھا، جنرل پرویز مشرف بھی رقص فرمارہے تھے، سارا عالم رقص میں تھا، اسی دوران وقفے وقفے سے لڑکیوں کی کیٹ واکس (Cat walks) ہوئیں، آدم کی بیٹیاں نت نئے فیشن کا مظاہرہ کرتی رہیں، صدر مملکت اور تمام حاضرین تالیاں پیٹ پیٹ کر داد دے رہے تھے، پروگرام ختم ہوا تو صدر مملکت اسٹیج پر تشریف لائے، فرمایا: یہ جو پروگرام ہوا ہے بہت اچھا ہوا ہے، یہ ہماری خوش گوار تصویر (Soft Image) ہے۔ دنیا کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم یہ ہیں، جن لوگوں کے مذہب میں یہ کوئی رکاوٹ بنتا ہے، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان کی عقلوں سے اور آنکھوں سے پردہ اٹھادے۔" (ت، ق، ستمبر ۲۰۰۵ء، ص ۱)

جس قوم کے حکمرانوں کی بے حسی اور غفلت و بے راہ روی کا یہ عالم ہو، اس پر آسمانی آفتوں کا نزول کیونکر نہیں ہوگا، قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وما اصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم﴾ ...... (۱) تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں، وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿ما أصابك من حسنة فمن الله وما أصابك من سيئة فمن نفسك﴾ ...... (۲) تجھے جو بھلائی (خوشحالی، غلے کی پیداوار، مال و اولاد کی فراوانی وغیرہ) ملتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو برائی (قحط سالی، مال و دولت میں کمی وغیرہ) پہنچتی ہے، وہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے، یعنی برائی کسی گناہ کی سزا یا اس کا بدلہ ہوتی ہے، بعض دفعہ اللہ تعالیٰ گناہوں پر فوری سزا نہیں دیتا، عقوبت وتعزیر میں یہ تاخیر بھی اللہ کی مہربانی اور حلم ہے، ارشاد ہے: ﴿ولو يؤاخذ الله الناس بما كسبوا ماترك على ظهرها من دابة﴾ ...... (۳) یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے کرتوتوں پر فوراً مؤاخذہ شروع فرمادے تو زمین پر کوئی چلنے والا ہی باقی نہ رہے، مطلب یہ ہے اگر ارتکاب معصیت کے ساتھ ہی وہ مواخذہ کرنا شروع کردے تو ظلم و معصیت اور کفر و شرک اتنا عام ہے کہ لوگ بھی ہلاک کردیئے جاتے ہیں، تاہم آخرت میں وہ عند اللہ سرخرو رہیں گے، جیسا کہ حدیث میں وضاحت آئی ہے۔ (۴)

مسند احمد کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی ناگہانی آفت گناہ گاروں کے لئے موجب سزا اور نیک لوگوں کے لئے موجب ابتلاء ہوتی ہے۔

اللہ جل شانہٗ اس سخت آزمائش میں ہماری قوم کو استغفار اور رجوع الی اللہ کی توفیق عطا فرمائے، مرنے والوں کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

محرم اور عاشوراء کی حقیقت

حرمت والا مہینہ:...... یوں تو سال کے بارہ مہینے اور ہر مہینے کے تیس دن اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں، لیکن اللہ جل شانہٗ نے اپنے فضل و کرم سے پورے سال کے بعض ایام کو خصوصی فضیلت عطا فرمائی ہے اور ان ایام میں کچھ مخصوص احکام مقرر فرمائے ہیں۔ محرم کا مہینہ بھی ایک ایسا مہینہ ہے جس کو قرآن کریم نے حرمت والا مہینہ قرار دیا ہے۔ جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ چار مہینے ایسے ہیں جو حرمت والے ہیں، ان میں سے ایک محرم کا مہینہ ہے۔

عاشوراء کا روزہ:...... خاص طور پر محرم کی دسویں تاریخ جس کو عام طور پر "عاشوراء" کہا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں "دسواں دن" یہ دن اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کا خصوصی طور پر حامل ہے۔ جب تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک "عاشوراء" کا روزہ رکھنا مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا تھا، بعد میں جب رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو اس وقت عاشوراء کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کو سنت اور مستحب قرار دیا۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ "مجھے اللہ جل شانہ کی رحمت سے یہ امید ہے کہ جو شخص عاشوراء کے دن روزہ رکھے گا تو اس کے پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا۔"

"یوم عاشوراء" ایک مقدس دن ہے:...... بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عاشوراء کے دن کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس دن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، اس شہادت کے پیش آنے کی وجہ سے عاشوراء کا دن مقدس اور حرمت والا بن گیا ہے۔ یہ بات صحیح نہیں، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عاشوراء کا دن مقدس دن سمجھا جاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں احکام بیان فرمائے تھے اور قرآن کریم نے بھی اس کی حرمت کا اعلان فرمایا تھا، جبکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تقریباً ساٹھ سال کے بعد پیش آیا، لہٰذا یہ بات درست نہیں کہ عاشوراء کی حرمت اس واقعہ کی وجہ سے ہے، بلکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا اس روز واقع ہونا یہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مزید فضیلت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت کا مرتبہ اس دن میں عطا فرمایا جو پہلے ہی سے مقدس اور محترم چلا آرہا تھا، بہرحال! یہ عاشوراء کا دن ایک مقدس دن ہے۔

اس دن کی فضیلت کی وجوہات:...... اس دن کے مقدس ہونے کی وجہ کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، اس دن کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے دنوں پر کیا فضیلت دی ہے؟ اور اس دن کا کیا مرتبہ رکھا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، ہمیں تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں، بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں اترے تو وہ عاشوراء کا دن تھا، جب نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے بعد خشکی میں اتری تو وہ عاشوراء کا دن تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا اور اس آگ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے گلزار بنایا تو وہ عاشوراء کا دن تھا اور قیامت بھی عاشوراء کے دن قائم ہوگی۔ یہ باتیں لوگوں میں مشہور ہیں لیکن ان کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں، کوئی صحیح روایت ایسی نہیں ہے جس میں صراحت ہو کہ یہ واقعات عاشوراء کے دن پیش آئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات:...... صرف ایک روایت میں ہے کہ "جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ فرعون سے ہوا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا کے کنارے پر پہنچ گئے اور پیچھے سے فرعون کا لشکر آگیا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی دریا کے پانی پر ماریں، اس کے نتیجے میں دریا میں بارہ راستے بن گئے اور ان راستوں کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لشکر دریا کے پار چلا گیا اور جب فرعون دریا کے پاس پہنچا اور اس نے دریا میں خشک راستے دیکھے تو وہ بھی دریا کے اندر چلا گیا، لیکن جب فرعون کا پورا لشکر دریا کے بیچ میں پہنچا تو وہ پانی مل گیا اور فرعون اور ان کا پورا لشکر غرق ہوگیا۔" یہ واقعہ عاشوراء کے دن پیش آیا، اس کے بارے میں ایک روایت موجود ہے جو نسبتاً بہتر روایت ہے لیکن اس کے علاوہ جو دوسرے واقعات ہیں، ان کے عاشوراء کے دن میں ہونے پر کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

فضیلت کے اسباب کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں:...... جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس دن کو فضیلت بخشی؟ بلکہ یہ سب اللہ جل شانہ کے بنائے ہوئے ایام ہیں، وہ جس دن کو چاہتے ہیں اپنی رحمتوں اور برکتوں کے نزول کے لئے منتخب فرمالیتے ہیں، وہی اس کی حکمت اور مصلحت کو جاننے والے ہیں، ہمارے اور آپ کے ادراک سے ماورا بات ہے، اس لئے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

اس روز سنت والے کام کریں:...... البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس دن کو اپنی رحمت اور برکت کے نزول کے لئے منتخب کرلیا تو اس کا تقدس یہ ہے کہ اس دن کو اس کام میں استعمال کیا جائے جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہو، سنت کے طور پر اس دن کے لئے صرف ایک حکم دیا گیا ہے کہ اس دن روزہ رکھا جائے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس دن میں روزہ رکھنا گزشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا۔" بس یہ ایک حکم سنت ہے، اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یہودیوں کی مشابہت سے بچیں:...... اس میں ایک مسئلہ اور بھی ہے، وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جب بھی عاشوراء کا دن آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے، لیکن وفات سے پہلے جو "عاشوراء" کا دن آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور ساتھ میں یہ ارشاد فرمایا کہ دس محرم کو ہم مسلمان بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودیوں کے روزہ رکھنے کی وجہ وہی تھی کہ اس دن میں چونکہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ فرعون سے نجات دی تھی، اس کے شکرانے کے طور پر یہودی اس دن روزہ رکھتے تھے، بہرحال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے ساتھ ہلکی سی مشابہت پیدا ہوتی ہے، اس لئے اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو صرف عاشوراء کا روزہ نہیں رکھوں گا بلکہ اس کے ساتھ ایک روزہ اور ملاؤں گا، ۹ محرم یا ۱۱ محرم کا روزہ بھی رکھوں گا تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ختم ہو جائے۔

ایک کے بجائے دو روزے رکھیں:...... لیکن اگلے سال عاشوراء کا دن آنے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر عمل کرنے کی نوبت نہیں ملی، لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمادی تھی، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عاشوراء کے روزے میں اس بات کا اہتمام کیا اور ۹ محرم یا ۱۱ محرم کا ایک روزہ اور ملا کر رکھا اور اس کو مستحب قرار دیا اور تنہا عاشوراء کے روزہ رکھنے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ قرار دیا، یعنی اگر کوئی شخص صرف عاشوراء کا روزہ رکھ لے تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا بلکہ اس کو عاشوراء کے دن روزہ کا ثواب ملے گا لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش دو روزے رکھنے کی تھی، اس لئے اس خواہش کی تکمیل میں بہتر یہ ہے کہ ایک روزہ ساتھ ملا کر دو روزے رکھے جائیں۔

عبادت میں بھی مشابہت نہ کریں:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ہمیں ایک سبق اور ملتا ہے، وہ یہ کہ غیر مسلموں کے ساتھ ادنیٰ مشابہت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمائی، حالانکہ وہ مشابہت کسی برے اور ناجائز کام میں نہیں تھی، بلکہ ایک عبادت میں مشابہت تھی کہ اس دن جو عبادت وہ کر رہے ہیں، ہم بھی اس دن وہی عبادت کر رہے ہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی پسند نہیں فرمایا، کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو دین عطا فرمایا ہے، وہ سارے ادیان سے ممتاز ہے اور ان پر فوقیت رکھتا ہے، لہٰذا ایک مسلمان کا ظاہر و باطن بھی غیر مسلم سے ممتاز ہونا چاہئے، اس کا طرز عمل، اس کی چال ڈھال، اس کی وضع قطع، اس کا سراپا، اس کے اعمال، اس کے اخلاق، اس کی عبادتیں وغیرہ، ہر چیز غیر مسلموں سے ممتاز ہونی چاہئے چنانچہ احادیث میں یہ احکام جا بجا ملیں گے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیر مسلموں سے الگ طریقہ اختیار کرو، مثلاً فرمایا:

"مشرکین جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں، ان سے اپنا ظاہر و باطن الگ رکھو۔"

مشابہت اختیار کرنے والا انہی میں سے ہے:......

جب عبادت کے اندر اور بندگی اور نیکی کے کام میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشابہت پسند نہیں فرمائی تو دوسرے کاموں میں اگر مسلمان ان کی مشابہت اختیار کریں تو یہ کتنی بری بات ہوگی، اگر یہ مشابہت جان بوجھ کر اس مقصد سے اختیار کی جائے تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں، تو یہ گناہ کبیرہ ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ اسی قوم کے اندر داخل ہے۔" مثلاً اگر کوئی شخص انگریزوں کا طریقہ اس لئے اختیار کرے تاکہ میں دیکھنے میں انگریز نظر آؤں تو یہ گناہ کبیرہ ہے، لیکن اگر دل میں یہ نیت نہیں ہے کہ میں ان جیسا نظر آؤں بلکہ ویسے ہی مشابہت اختیار کرلی تو یہ مکروہ ضرور ہے۔

غیر مسلموں کی نقالی چھوڑ دیں:...... افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کو اس حکم کا خیال اور پاس نہیں رہا، اپنے طریقہ کار میں، وضع قطع میں، لباس پوشاک میں، اٹھنے بیٹھنے کے انداز میں، کھانے پینے کے طریقوں میں، زندگی کے ہر کام میں، ہم نے غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت اختیار کرلی ہے، ان کی طرح کا لباس پہن رہے ہیں، ان کی زندگی کی طرح اپنی زندگی کا نظام بناتے ہیں، ان کی طرح کھاتے پیتے ہیں، ان کی طرح بیٹھتے ہیں، زندگی کے ہر کام میں ان کی نقالی کو ہم نے ایک فیشن بنالیا ہے، آپ اندازہ کریں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت کو پسند

نہیں فرمایا، اس سے سبق ملتا ہے کہ ہم نے زندگی کے دوسرے شعبوں میں غیر مسلموں کی جو نقالی اختیار کر رکھی ہے، خدا کے لئے اس کو چھوڑ دیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کی اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نقالی کریں، ان لوگوں کی نقالی مت کریں جو روزانہ تمہاری پٹائی کرتے ہیں، جنہوں نے تم پر ظلم اور استبداد کا شکنجہ کسا ہوا ہے، جو تمہیں انسانی حقوق دینے کو تیار نہیں، ان کی نقالی کر کے آخر تمہیں کیا حاصل ہوگا؟ ہاں دنیا میں بھی ذلت ہوگی اور آخرت میں بھی رسوائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

عاشوراء کے روز دوسرے اعمال ثابت نہیں:......

بہر حال! اس مشابہت سے بچتے ہوئے عاشوراء کا روزہ رکھنا بڑی فضیلت کا کام ہے، عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا حکم تو برحق ہے، لیکن روزے کے علاوہ عاشوراء کے دن لوگوں نے جو اور اعمال اختیار کر رکھے ہیں، ان کی قرآن کریم اور سنت میں کوئی بنیاد نہیں، مثلاً بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ عاشوراء کے دن کھچڑا پکنا ضروری ہے، اگر کھچڑا نہیں پکایا تو عاشوراء کی فضیلت ہی حاصل نہیں ہوگی، اس قسم کی کوئی بات نہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اور نہ ہی صحابہ کرامؓ نے اور نہ تابعینؒ نے اور بزرگان دین نے اس پر عمل کیا، صدیوں تک اس عمل کا کہیں وجود نہیں ملتا۔

عاشوراء کے دن گھر والوں پر وسعت کرنا:......

ہاں ایک ضعیف اور کمزور حدیث ہے، مضبوط حدیث نہیں ہے، اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ "جو شخص عاشوراء کے دن اپنے گھر والوں پر اور ان لوگوں پر جو اس کے عیال میں ہیں، مثلاً اس کے بیوی بچے، گھر کے ملازم وغیرہ، ان کو عام دنوں کے مقابلے میں عمدہ اور اچھا کھانا کھلائے اور کھانے میں وسعت اختیار کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں برکت عطا فرمائیں گے۔" یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس عمل پر جو فضیلت بیان کی گئی ہے، وہ انشاء اللہ حاصل ہوگی، لہٰذا اس دن گھر والوں پر کھانے میں وسعت کرنی چاہئے، اس کے علاوہ لوگوں نے جو چیزیں اپنی طرف سے گھڑ لی ہیں، ان کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

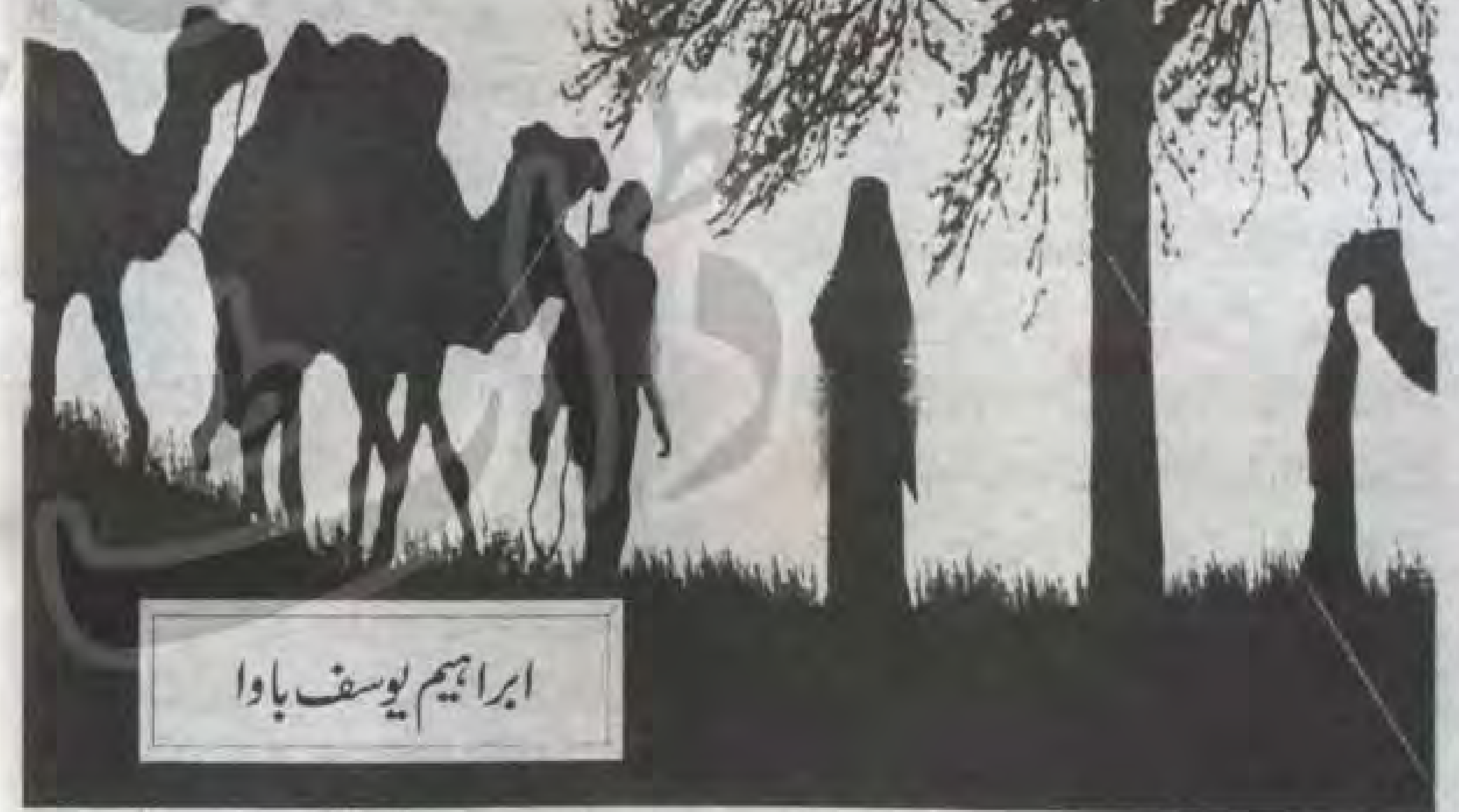
گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم مت کرو:...... قرآن کریم نے جہاں حرمت والے مہینوں کا ذکر فرمایا ہے، اس جگہ پر ایک عجیب جملہ یہ ارشاد فرمایا:

یعنی ان حرمت والے مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، ظلم نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان مہینوں میں گناہوں سے بچو، بدعات اور منکرات سے بچو، چونکہ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہیں، جانتے تھے کہ ان حرمت والے مہینوں میں لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں گے اور اپنی طرف سے عبادت کے طریقے گھڑ کر ان پر عمل کرنا شروع کر دیں گے، اس لئے فرمایا کہ اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

دوسروں کی مجالس میں شرکت مت کرو:...... شیعہ حضرات اس مہینے میں جو کچھ کرتے ہیں، وہ اپنے مسلک کے مطابق کرتے ہیں، لیکن بہت سے اہل سنت حضرات بھی ایسی مجلسوں میں اور تعزیوں میں اور ان کاموں میں شریک ہو جاتے ہیں جو بدعت اور منکر کی تعریف میں آجاتے ہیں، قرآن کریم نے تو صاف حکم دے دیا کہ ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو بلکہ ان اوقات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اور اس کے ذکر میں اور اس کے لئے روزہ رکھنے میں اور اس کی طرف رجوع کرنے میں اور اس سے دعائیں کرنے میں صرف کرو اور ان فضولیات سے اپنے آپ کو بچاؤ، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس مہینے کی حرمت اور عاشوراء کی حرمت اور عظمت سے فائدہ اٹھانے کی ہم سب کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی رضا کے مطابق اس دن کو گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

فضائل و اعمال محرم الحرام اور یوم عاشورہ



ابراہیم یوسف باوا

محرم الحرام کی پہلی تاریخ سے جب اسلامی سال کا آغاز ہوتا ہے تو اس میں دو یادگاریں کم از کم روز روشن کی طرح ظاہر ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ یہ دنیا میں بسنے والے مسلمانوں کو متنبہ اور متوجہ کرتی ہے کہ اے غافل انسان تمہاری زندگی کا ایک سال بیت گیا اور تم موت سے ایک سال قریب ہوگئے۔ تم دنیا میں مکانات و باغات بناتے

ہو، شادی بیاہ کرتے ہو، تجارت و زراعت میں مشغول رہتے ہو، دکانوں اور کارخانوں کے چکر لگاتے ہو اور تم اس دنیا میں اس طرح منہمک ہوجاتے ہو جیسے کہ تمہیں اس دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے اور مرنا نہیں ہے، حالانکہ ان ساری چیزوں سے حتیٰ کہ اہل وعیال سے بھی جدا ہونے والے ہو اور تم کو تن تنہا قبر کے گڑھے میں جانا ہے۔ دوم یہ کہ محرم کی پہلی تاریخ ہوتے ہی ذی الحجہ کا بابرکت و رحمت اور مغفرت و حج و زیارت رسول و قربانی کا مہینہ ختم ہوا۔ خوش نصیب ہیں وہ حضرات جنہوں نے اعمال خیر اور نیکیوں کا ذخیرہ جمع کیا اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔

غور فکر کرنے کی بات:...... اس دنیا میں کروڑوں انسان بستے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی جانیں کہ ان میں سے کتنوں نے یہ غور کیا ہے کہ اس سالانہ اختتام و آغاز میں تاریخ اسلام میں کیسے کیسے عظیم انقلاب واقعات کی یادیں پوشیدہ ہیں۔ یہ فتح مدینہ طیبہ) کی یادگار ہے جسے تلوار کی تیز دھار اور چمک نے نہیں، ایک بے سروسامان انسان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روح ہجرت نے فتح کیا۔ ہر سال محرم کا ماہ شروع ہوتے ہی اس عظیم واقعہ کی یاد ہمارے دلوں میں تازگی پیدا کردیتی ہے۔ یہ دنیا کی دوسری قومی یادگاروں کی طرح قوت کامرانیاں کی یادگار نہیں بلکہ خستہ حال اور کمزوروں کی فتح مندیوں کی یادگار ہے، یہ مال و دولت اور اسباب و وسائل کی فراوانیوں کی یادگار نہیں بلکہ بے سروسامانیوں کی کامیابیوں کی یادگار ہے، یہ طاقت اور حکومت کے جاہ و جلال کی یادگار نہیں بلکہ غریب ناتوانوں اور محکوموں کی یادگار ہے، یہ فتح (معظمہ) کی یادگار نہیں بلکہ فتح مدینہ طیبہ کی یادگار ہے۔

آہ! ہم نے بدر کی جنگی فتح اور مکہ مکرمہ میں شان و شوکت والا داخلہ تو یاد رکھا لیکن مدینہ منورہ کی بے ہتھیار فتح کو فراموش کردیا۔ یہ ہماری بدنصیبی و بدقسمتی کی بات ہے کہ ہم اس ماہ مبارک میں واقعہ ہجرت کو بھول کر ان کاموں میں لگ جائیں جس سے شریعت مطہرہ نے منع کیا ہے۔

چند فیصلے کریں:......(۱) ہم سب یہ مصمم ارادہ کرلیں کہ ان شاء اللہ العزیز ہم اس سال نو سے مکمل طور پر رب چاہی زندگی گزاریں گے اور اعمال صالحہ شروع کردیں گے اور اہتمام و پابندی سے ادا کریں گے، خصوصاً (مرد) نماز باجماعت، پہلی صف اور تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کرنے کی پوری کوشش کریں گے، اللہ پاک بندوں کے گمان کے مطابق معاملہ اور فیصلہ فرماتے ہیں۔

(۲)...... یاد رہے کہ اہل اللہ کی صحبت فرض عین ہے اور صرف اسی میں ایمان کی سلامتی ہے۔ (یہ فتویٰ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے) چنانچہ کچھ وقت اپنے ماحول سے نکال کر کسی اہل اللہ (خانقاہ) کی صحبت میں جا بیٹھے اور اپنے اخلاق کی تربیت و درستگی کرائے (یہی قول حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا ہے) اپنے مقامی عالم کی مجلس میں بیٹھ کر ان سے دین سیکھے اور سب سے پہلے دینی احکام و اعمال کو اپنے اہل وعیال کو پہنچائے اور عمل کرنے کی تاکید کرے۔

(۳)...... نفس اور شیطان ہرگز نہیں چاہے گا کہ ہم راہ راست پر آجائیں چنانچہ وہ ہر ممکن کوشش سے ہمیں دین سے دور کرنے اور رکھنے کی کوشش کرے گا، چنانچہ شروع محرم کی وہ دعا پڑھ لے جو اس مضمون درج ہے تاکہ اللہ پاک خیر و عافیت اور برکتوں کے ساتھ سال گزار دے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جو شخص صبح کو دس بار "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھ لیتا ہے، اللہ پاک اس کی دن بھر شیطان کے مکر و فریب سے حفاظت فرماتے ہیں۔

(۴)...... مرد حضرات کوشش کریں کہ چالیس دن نماز باجماعت مع تکبیر اولیٰ کے ساتھ ہو، جماعت اور تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو۔ نماز سے کچھ وقت پہلے مسجد جانا نصیب ہوجائے تو پہلی صف بھی مل جائے گی جس کی مستقل

فضیلت ہے جو شخص اس طرح اہتمام پابندی توجہ اور احسانی کیفیت سے نماز پڑھے گا، ان شاء اللہ وہ نمازی بن جائے گا۔ احسانی کیفیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسی کیفیت نصیب نہ ہو تو یہ جان لو کہ اللہ پاک تمہیں دیکھ رہے ہیں، تمہارے حرکات وسکنات کو دیکھ رہے ہیں۔

(۵)...... جہاد میں اور مسکینوں غریبوں پر جو رقم خرچ کی جاتی ہے، ان سب سے بہتر خرچ یہ ہے کہ انسان اپنی حلال کمائی کو اپنے اہل وعیال کی جائز ضروریات پر خرچ کرے، دنیا کا فائدہ یہ ہوا کہ گھر والے خوش رہیں گے، سوالات کی ذلت سے بچیں گے اور اجروثواب کے اعتبار سے بھی زیادہ افضل ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ ”بروز قیامت میزان میں سب سے پہلی نیکی وہ نفقہ رکھا جائے گا جو انسان اپنے گھر والوں کے جائز امور میں خرچ کرتا ہے“۔ بزرگان دین نے لکھا ہے کہ جو شخص اپنے اہل وعیال پر عاشورہ کے دن جائز خرچ (کھانے پینے) میں فراخی کرے، اللہ پاک اس کے لئے روزی کے دروازے کھول دیتے ہیں۔

(۶)......عاشورہ کے دو روزے رکھے، ۹-۱۰ تاریخ کا یا ۱۰-۱۱ المحرم کے دو روزے رکھے۔

احکام وفضائل محرم الحرام:......(۱)...... یہ مبارک مہینہ ”الفضل للمتقدم“ (یعنی فضیلت پہلے آنے والے کو ہوتی ہے) کا مصداق ہے، اس لئے کہ اسے اسلامی سال کے پہلے مہینے کا شرف بخشا گیا۔ (الاشرف ۴-۱-۳)

(۲)......قرآن پاک میں جن چار مہینوں کو اشہر حرم سے تعبیر کیا گیا ہے، ان میں محرم الحرام بھی ہے۔ (ایضاً)

(۳)......حدیث شریف میں بھی اس مہینے کو اللہ کے مہینہ کا شرف بخشا گیا ہے۔ (ایضاً)

(۴)......حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان بنائے، اس کی گردش بارہ مہینوں کی جو ترتیب قائم کی ہے، اس میں محرم سب سے پہلا مہینہ ہے، پھر عرب جاہلوں نے اپنے مفادات قومی کے پیش نظر مہینوں کی ترتیب بدل دی تھی، مگر ۱۰ھ میں اصل ترتیب یہی ڈال دی گئی جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سال ہجری کی ترتیب تخلیقی اور قدرتی ہے۔ (ریاض الجنہ ۲-۸-۳)

تاریخ اسلامی سال:......مولانا ابوالمظفر احمد لکھتے ہیں کہ ”اسلام چونکہ ایک فطری مذہب ہے، اس لئے سال کا شمار قمری (چاند) حساب پر ہے، تاکہ کسی جاہل سے جاہل آدمی کو بھی اس کے سمجھنے میں کوئی دقت اور پریشانی نہ ہو، ویسے تو سند اور تاریخ کا رواج دنیا کی قوموں میں ہمیشہ سے چلا آتا ہے، مگر مسلمانوں کے سال کی اہمیت یہ ہے کہ وہ جب سے شروع کیا گیا ہے، اسی صورت پر آج تک برابر چلا آ رہا ہے، اس میں نہ کوئی کمی کر سکتا ہے، نہ زیادتی“۔

یہ سال قمری اور ہجری کہلاتا ہے، قمری اس لئے کہ اس کا تعلق چاند سے ہے اور ہجری اس لئے کہ اس کی ابتداء واقعہ ہجرت سے کی گئی ہے، جس کی مختصر تاریخ یوں ہے:

”حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عراق کے گورنر تھے، انہوں نے آپ کو لکھا کہ آپ کی طرف سے ہمیں جو احکامات اور ہدایات ملتی ہیں بعض دفعہ ان پر عمل کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی ہے، اس دشواری پر غور کرنے کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اکابر صحابہ کو جمع فرمایا اور بغرض مشورہ اس مسئلے کو ان کے سامنے رکھا کہ کوئی اس کا حل نکل آئے، چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متفقہ رائے دی کہ ہمارا اسلامی سال ہونا ضروری ہے اور اس کی تاریخ اسلام کے عظیم الشان اور اہم واقعہ ”ہجرت“ سے ہونی چاہئے۔ اس تجویز کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں واقعہ ہجرت کے اٹھارہ سال بعد

باقاعدہ طور پر ہجری سن جاری فرمایا، جس کی ابتداء محرم کے مہینہ سے ہوتی ہے“۔

چاند دیکھے تو یہ دعا پڑھے:

”اللهم أهله علينا بالأمن والإيمان والسلامة والإسلام، ربي وربك الله“

”(اے میرے اللہ) اس چاند کو ہم پر امن وایمان اور سلامتی واسلام کے ساتھ نکال، اے چاند! میرا اور تیرا رب اللہ ہی ہے۔“

(۲)......حضرت جمال الدین نے اپنی تاریخ میں شیخ عمر بن قدامۃ المقدسیؒ سے نقل کیا ہے، نیز اپنے مشائخ سے ان دعاؤں کے متعلق بہت ساری خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمارے مشائخ خاص طور پر وصیت کرتے ہیں کہ یہ دعائیں ضرور پڑھی جائیں۔ شروع سال میں جب کوئی شخص اس دعا کو پڑھتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ اس نے اپنی عمر کا بقیہ حصہ مجھ سے محفوظ کر لیا۔

”اللهم أنت الأبدي القديم الأول وعلى فضلك العظيم وكرم جودك المعول، وهذا عام جديد قد أقبل، أسألك العصمة فيه من الشيطان وأوليائه والعون على هذا النفس الأمارة بالسوء والاشتغال بما يقربني إليك زلفى، ياذا الجلال والإكرام.“

”اے اللہ! آپ کی ذات ابدی، ازلی اور اول ہے اور اپنے عظیم فضل اور قابل بھروسہ بخشش وکرم کے ساتھ قائم ودائم ہے اور اے اللہ! یہ نیا سال آ پہنچا، اس سال کے اندر شیطان اور اس کے مددگاروں سے حفاظت کی اور برائیوں کی طرف برانگیختہ کرنے والے اپنے اس نفس کے خلاف مدد کی اور ایسے اعمال میں مشغولیت کی جو میرے مرتبہ کو آپ کی ذات سے قریب کر دے، آپ سے درخواست کرتا ہوں، اے بزرگی اور کرم والے۔“

نوٹ:......”رشد المومنین“ میں قریب قریب ایسی ہی دعا الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ درج ہے اور لکھا ہے کہ محرم کے پہلے دن دو رکعت نماز نفل پڑھے اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین بار قل ھو اللہ احد (سورہ اخلاص پوری) پڑھے پھر سلام کے بعد ہاتھ اٹھا کر تین بار یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے اوپر فرشتہ موکل مقرر کر دیں گے تاکہ وہ نیک کام میں اس کی مدد کرے اور شیطان ملعون اس سے ایک سال کے لئے ناامید ہو جائے۔

”اللهم أنت الأبدي القديم وهذه السنة جديدة أسألك فيها العصمة من الشيطن والعون على هذه النفس الأمارة بالسوء والاشتغال بما يقربني إليك ياكريم ياذا الجلال والإكرم وأسألك الفوز من خيرها وأعوذبك من شرها واستكفيك معونتها برحمتك يا أرحم الراحمين وصلى الله على سيدنا محمد وآله وأصحابه أجمعين.“

تنبیہ......یہ دعا بزرگوں سے منقول ہے مگر حدیث سے ثابت نہیں۔

محرم الحرام کے روزے:......(۱)......رمضان المبارک کے فرض روزوں کے بعد محرم الحرام کے نفل روزے افضل ہیں (مسلم)

(۲)......حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ یہودی عاشورہ کا ایک روزہ (دسویں محرم کو) رکھتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت اختیار کرنے میں ہم ان (یہودیوں) سے زیادہ حقدار ہیں، چنانچہ آپ نے خود روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری)

مسلم کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اگر میں زندہ رہا تو اگلے سال نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھوں گا (تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو جائے) اس لئے ایک کے بجائے دو روزے رکھے

جائیں۔ اس لئے علماء نے فرمایا کہ ۹، ۱۰ تاریخ یا ۱۰، ۱۱ محرم کے دو روزے رکھے جائیں۔

ذرا سوچئے کہ جب عبادات میں کافروں، مشرکوں سے مشابہت نہیں ہونی چاہئے تو ان کی گندی تہذیب و تمدن کے ساتھ مشابہت اور عادات میں ان کی اتباع کیسے کی جاسکتی ہے۔

ہمیں چاہئے کہ عاشورہ کے دو روزے ہم خود بھی رکھیں اور گھر والوں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی ترغیب دیں۔

حضرت قاری خلیل احمد تھانوی لکھتے ہیں کہ عاشورہ کا روزہ اب اگرچہ فرض نہ رہا لیکن دوسرے تمام مستحب روزوں سے اب بھی افضل ہے اس لئے فرض کا درجہ نفل سے ستر (۷۰) گنا زیادہ ہے، لہٰذا اس دن کی فضیلت ستر گنا زیادہ تھی کیونکہ اس میں روزہ رکھنا فرض تھا۔

(الاشرف ۴-۱-۳)

(۴)......آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم ماہ رمضان کے بعد روزہ رکھنا چاہو تو محرم میں (عاشورہ کا روزہ) رکھو، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے، ایک دن اس میں ایسا ہے کہ جس میں ایک قوم کی توبہ قبول ہوئی تھی اور دوسری قوم کی توبہ قبول ہوگی۔ (ترمذی ص ۹۳)

(۵)......مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عاشورہ کا روزہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ایک سال پہلے کے (صغیرہ) گناہ معاف فرمادیں گے۔ (الاشرف)

(۶)......شیخ شہاب الدین ابن حجر ہیثمی مصری اپنی تالیف ''صواعق محرقہ'' میں یوم عاشورہ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ''لوگو! یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ عاشورہ کے دن حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصائب سے دو چار ہوئے اور آپ کی شہادت اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کے مراتب و درجات کی رفعت کا ثبوت ہے۔ اس شہادت کے ذریعہ اہل بیت اطہار کے درجات بلند کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے پیش نظر ہے، چنانچہ عاشورہ کے دن جو شخص مصائب کا ذکر کرے تو اسے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے میں مشغول رہے۔ عاشورہ کے دن روزہ رکھنے اور اس دعا میں مشغولی کے علاوہ اور کسی کام میں مشغول نہ ہو، خبردار، روافض کی بدعتوں میں ہرگز مشغول نہ ہو''۔

☆......☆......☆

پندرہ میم

سورہ فاتحہ کا ایک نام ماحیہ (یعنی مٹانے والی) بھی ہے کیونکہ اس میں بسم اللہ سمیت پندرہ میم ہیں جب کوئی بندہ اس کو پڑھتا ہے، ساری میمیں پرندوں کی طرح نکل بھاگتی ہیں اور عرش سے جاکر چمٹ جاتی ہیں اس وجہ سے عرش اور بھاری ہوجاتا ہے، عرش اٹھانے والے فرشتے کہتے ہیں کہ یاالٰہی یہ بوجھ کیسا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ یہ ایک سورت کا ثواب ہے جس کو میرے بندے نے پڑھا ہے، میمیں بول اٹھتی ہیں کہ اے پروردگار! اس کے پڑھنے والے کو جزا کیا ملے گی، ارشاد ہوتا ہے کہ اس کے نامہ اعمال کو جاکر دیکھو، ہر میم دس دس گناہ مٹاتی ہے، پھر وہ کہتے ہیں، اے پروردگار اور بڑھائیں، ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا بیس بیس گناہ پھر وہ عرض کرتی ہیں کہ اور بڑھائیں پھر اور بڑھا دیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک ایک میم ایک سو بیس گناہ مٹاتی ہے اس طرح سب مل کر ایک ہزار آٹھ سو گناہ مٹتے ہیں۔ اس حساب سے روزانہ پانچ نمازوں میں تیس ہزار اور چھ سو گناہ مٹتے ہیں۔

(ماخوذ از ''آسان نیکیوں کے حیرت انگیز فضائل'')

☆......☆......☆



محسن انسانیت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے اہل اللہ کی دنیا آباد رہتی ہے، آپ کے ذکر سے ان کی زبانیں تر اور ان کی آرزوئیں معطر رہتی ہیں، وہ کون سا دل ہوگا جس میں ایمان کا دیا روشن ہو اور آپ کے ذکر کے لئے بے تاب نہ ہو، وہ کیسی آنکھیں ہوں گی جو روضہ اطہر کی زیارت کے لئے ترستی نہ ہوں، وہ کون سے قدم ہوں گے، جو مدینہ کی طرف لپکتے نہ ہوں اور وہ کون سے ہاتھ ہوں گے جو رکابِ مدینہ پکڑنے کے لئے تڑپتے نہ ہوں...... ایک مومن کا دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے لئے بے تاب، مومن کی آنکھیں دیارِ حبیب کے لئے اشکبار، اس کا ذوقِ نظر، ان ہی کے تصور سے گہربار اور اس کے لبوں کو ان ہی کے اسم بوسی کا انتظار رہتا ہے، یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے کہ عشق رسول کی اس دولتِ بے بہا سے کسے کتنا حصہ ملتا ہے، آیئے آج برصغیر کے چند ایسے ہی نصیب والے علماء کے چند واقعات اور مشک بو نعتیہ کلام کا ذکر کرتے ہیں:

☆......مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اپنے دور میں علمائے حق کے سرخیل تھے، ان سے کسی نے پوچھا۔ ''حضرت! اگر آپ کو معلوم ہوجائے کہ آپ کی ایک دعا قبول ہوگی تو آپ کیا دعا کریں گے؟'' فرمانے لگے ''میں دعا کروں گا کہ اے اللہ! حضرات صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق و محبت تھا، مجھے بھی اس میں سے کچھ حصہ مل جائے۔''

☆......دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو جذب و کیف کا ایک عجیب عالم اُن پر طاری ہوا، جوتے اتار دیئے اور ننگے پاؤں چلنے لگے، پاؤں راستے کے کنکروں اور پتھروں سے لہولہان ہوگئے لیکن انہیں اس کا ہوش نہ تھا، ایک طرف ادب و احترام میں ان کا یہ مقام تھا اور دوسری طرف اتباع سنت کا اس قدر خیال تھا کہ...... جب جہاد آزادی میں ان کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا تو تین دن تک روپوش رہے اور پھر برسرعام پھرنے لگے، عقیدت مندوں نے بڑی منت سماجت کی کہ حضرت! آپ روپوش رہیں، فرمانے لگے: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں تین دن روپوش رہے تھے، اس سنت پر عمل ہوگیا، معلوم نہیں پھر اس سنت پر عمل کا موقع ہاتھ آتا ہے یا نہیں''...... اس لئے تین دن سے زیادہ روپوشی اختیار نہیں کی اور اس طرح ایک سنت پر عمل

کرنے کے لئے انہوں نے گرفتاری کا خطرہ مول لیا۔

☆......حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی تصانیف سے آج ایک دنیا فیض یاب ہو رہی ہے، ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ ایک دن مجھے خیال آیا کہ ہم اتباع سنت کا بہت ذکر کرتے ہیں، مگر اس کا کچھ حصہ ہمارے اعمال میں ہے بھی کہ نہیں؟...... چنانچہ میں تین دن تک صبح سے رات تک اپنے تمام اعمال کا بغور جائزہ لیتا رہا، دیکھنا یہ تھا کہ کتنی اتباع سنت ہم لوگ عادتاً کرتے ہیں، کتنی اتباع کی توفیق علم حاصل کرنے کے بعد ہوئی اور کتنی باتوں میں اب تک محرومی ہے؟ تین دن تک تمام امور زندگی اور معمولات روز و شب کا جائزہ لینے کے بعد اطمینان ہو گیا کہ الحمدللہ معمولات میں کوئی عمل خلاف سنت نہیں۔

☆......بزم اشرف کے روشن چراغ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے نام اور کام سے اہل علم واقف ہیں...... ان کی شہرۂ آفاق کتاب ''اعلاء السنن'' گزشتہ صدی میں علم حدیث پر لکھی جانے والی چند عظیم کتابوں میں سرفہرست ہے، اٹھارہ جلدوں پر مشتمل اس کتاب نے عرب اور عجم دونوں میں بڑی مقبولیت حاصل کی، مولانا حج کرنے گئے، یہ وہ زمانہ تھا جب وہاں دولت کی ریل پیل نہ تھی اور حجاز کی زمین نے تیل کے خزانے ابھی نہیں اُگلے تھے، مولانا مدینہ منورہ گئے، دیارِ حبیب کے کیا مکین، کیا بام و در، ہر ذرہ حبیب ہوتا ہے...... مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ ایک دن کھانے سے فارغ ہوئے، دسترخوان کسی اونچی جگہ جھاڑا گیا تا کہ روٹی کے بچے کچے ٹکڑے چرند پرند کھالیں، کچھ دیر بعد مولانا نے دیکھا کہ مدینہ منورہ کا ایک آٹھ نو سالہ معصوم بچہ وہ ٹکڑے کھا رہا ہے، مولانا اسے دیکھ کر بے چین ہو گئے، بچے کو ساتھ لائے، کھانا کھلایا، پوچھا کہ تمہارے ابا کیا کرتے ہیں؟ کہنے لگا۔ ''میں یتیم ہوں'' مولانا نے کہا۔ ''بیٹا! تم میرے ساتھ ہندوستان چلو، میں تمہیں اچھے اچھے کھانے کھلاؤں گا، عمدہ کپڑے پہناؤں گا، تمہیں تعلیم دلاؤں گا اور جب بڑے عالم بن جاؤ گے تو میں خود تمہیں مدینہ منورہ لے آؤں گا، تم جاؤ اور اپنی والدہ سے اجازت لے لو۔'' بچہ گیا اور والدہ نے جانے کی اجازت دے دی کہ وہ بے چاری تو پہلے ہی سے اس کی کفالت سے عاجز تھی، بچے نے معصومیت کے عالم میں مولانا کی انگلی پکڑ کر پوچھنا شروع کیا...... ''مجھے وہاں چنے ملیں گے، کھجوریں ملیں گی......؟'' مولانا کہا: ''بیٹا! یہ سب کچھ وہاں وافر مقدار میں ملے گا''...... اچانک اس نے مسجد نبویؐ کے دروازے اور روضے مبارک کی طرف اشارہ کر کے کہا: ''بابا! یہ دروازہ اور یہ روضہ بھی وہاں ملے گا''...... مولانا نے کہا: ''وہاں یہ روضہ ہوتا تو پھر ہمیں یہاں آنے کی کیونکر ضرورت پیش آتی، بیٹا! یہ دروازہ، یہ روضہ وہاں نہیں ملے گا''...... بچے کا رنگ بدلا اور کہنے لگا: ''بابا! یہ روضہ وہاں نہیں، تو اسے چھوڑ کر میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا'' اور یہ کہہ کر رونے لگا، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ بھی بچے کا جواب سن کر اور اس کا یہ جذبہ دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔

☆......مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ گئے، وہیں انہوں نے عشق و محبت کے تاثر میں ڈھلی ہوئی ایک نعت کہی، نعت کے یہ اشعار پڑھیے اور اندازہ لگائیں کہ کس عالم میں کہے گئے ہیں:

پھر پیشِ نظر گنبد خضرا ہے حرم ہے
پھر نام خدا، روضۂ جنت میں قدم ہے
پھر شکر خدا کے سامنے محراب نبی ہے
پھر سر ہے مرا اور ترا نقش قدم ہے
محراب نبی ہے کہ کوئی طورِ تجلی
دل شوق سے لبریز ہے اور آنکھ بھی نم ہے
پھر منتِ دربان کا اعزاز ملا ہے
اب ڈر ہے کسی کا، نہ کسی چیز کا غم ہے
پھر بارگہ سید کونین میں پہنچا
یہ ان کا کرم ان کا کرم ان کا کرم ہے
ذرۂ ناچیز ہے خورشید بہ داماں
دیکھ ان کے غلاموں کا بھی کیا جاہ و حشم ہے
ہر موئے بدن بھی جو زباں بن کے کرے شکو
کم ہے بخدا ان کی عنایات سے کم ہے
رگ رگ میں محبت ہو رسول عربی کی
جنت کے خزائن کی بھی ہیچ سلم ہے
وہ رحمت عالم ہے شہ اسود و احمر
وہ سید کونین ہے آقائے امم ہے
وہ عالم توحید کا مظاہر ہے کہ جس میں
مشرق ہے نہ مغرب ہے عرب ہے نہ عجم ہے
دل نعتِ رسولِ عربی کہنے کو بے چین
عالم ہے تحیر کا زبان ہے نہ قلم ہے

☆......حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کو عمر کے آخری حصے میں بڑے صدمات پہنچے، وہ دارالعلوم دیوبند کے تقریباً نصف صدی مہتمم رہے لیکن آخر میں کچھ رفقاء ان سے بچھڑ گئے اور بعض دردناک واقعات پیش آئے، اسی عالم میں انہوں نے ایک نعت کہی، پڑھیے اور دیکھیے، دل کی دنیا میں کیسے ہلچل مچاتی ہے:

نبی اکرم، شفیع اعظم، دکھے دلوں کا پیام لے لو
تمام دنیا کے ہم ستائے، کھڑے ہوئے ہیں، سلام لے لو
شکستہ کشتی ہے تیز دھارا، نظر سے روپوش ہے کنارا
نہیں کوئی ناخدا ہمارا، خبر تو عالی مقام لے لو
قدم قدم پر ہے خوف رہزن، زمین بھی دشمن فلک بھی دشمن
زمانہ ہم سے ہوا ہے بدظن، تمہی محبت سے کام لے لو
کبھی تقاضا وفا کا ہم سے، کبھی مذاقِ جفا ہے ہم سے
تمام دنیا خفا ہے ہم سے، خبر تو خیر الانام لے لو
یہ کیسی منزل پہ آ گئے ہیں، نہ کوئی اپنا نہ ہم کسی سے
تم اپنے دامن میں آج آقا تمام اپنے غلام لے لو
یہ دل میں ارماں ہے اپنے طیب مزار اقدس پہ جا کے اک دن
سناؤں ان کو میں حال دل کا، کہوں میں ان سے سلام لے لو

☆......اور بارگاہ رسالت میں مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کے یہ چند نعتیہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں:

ہر ایک سے ٹکرا کر، ہر شغل سے گھبرا کر
ہر فعل سے شرما کر، ہر کام سے پچھتا کر
آمد بدرت بنگر، اے خاتم پیغمبر
نے ساز نہ سامانے، نے علم نہ عرفانے
نے فضل نہ احسانے، نے دین نہ ایمانے
آمد بدرت بنگر، اے خاتم پیغمبر
با چاک گریبانے، با سینۂ بریانے
با دیدۂ گریانے، با اشک فراوانے
آمد بدرت بنگر، اے خاتم پیغمبر
با نالہ وافغانے، با سوزش پنہانے
با دانش حیرانے، با عقل پریشانے
آمد بدرت بنگر، اے خاتم پیغمبر
اے سرور ہر سرور، اے رہبر ہر رہبر
اے آنکہ توئی افسر، ہر کہتر و ہر مہتر
فی المبدأ والمحشر، اے ہستی تو محور
للاکبر والاصغر، اے طلعت تو مظہر
للاول والآخر، اے رحم جہاں پرور
آقائے کرم گستر، آمد بدرت بنگر

برصغیر کے علمائے حق کی یہ وہ جماعت ہے جس کے شب و روز کا ایک ایک عمل، جس کی زبان کا ایک ایک قول اور جس کی زندگی کا ایک ایک معمول...... سنت رسول کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، معاملات سے لے کر عبادات تک اور اخلاق و عادات سے لے کر معاشرت تک ہر ہر شعبے میں ان کی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نمونہ تھی، اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، آتے جاتے، ملتے جلتے...... اس طرح کے بے شمار طبعی امور میں بھی سنتوں کا نہ صرف خیال رکھتے بلکہ پابندی کے ساتھ ان پر عمل پیرا بھی ہوتے کہ عشق رسول نام ہی اتباع رسول کا ہے، اتباع رسول کے بغیر عشق رسول کا دم بھرنا ''عشق و محبت'' کی نزاکتوں کی توہین نہیں تو اور کیا۔

فضائل بیت المقدس

محمد ساجد میمن



نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

"مَنْ حَفِظَ عَلٰی أُمَّتِي أَرْبَعِينَ حَدِيثًا مِنْ أَمْرِ دِينِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِيهًا عَالِمًا"۔

جو شخص میری امت کے فائدے لئے دین کے کام کی چالیس حدیثیں سنائے گا اور یاد کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو فقہاء اور علماء کی جماعت میں اٹھائیں گے۔

حدیث میں ذکر کردہ اس عظیم الشان ثواب کو حاصل کرنے کے لئے علمائے امت نے ہر دور میں مختلف موضوعات پر چہل حدیث لکھیں ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت سے نوازا۔

عرصہ سے دل میں یہ خواہش اور تمنا تھی کہ کسی موضوع پر چہل حدیث جمع کروں تا کہ اس فضیلت کا مستحق بن جاؤں، مگر کہاں میں اور کہاں حدیث کی خدمت! میری حیثیت اور حوصلہ سے باہر تھا کہ میں اس میدان میں قدم رکھتا، مگر اللہ تعالیٰ جس سے چاہیں اپنے دین کی خدمت لے لیں، مجھ ذرۂ ناچیز کو بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا اور اس خدمت کا موقع عطا فرمایا۔ الحمد للہ علی ذلک

یہ مجموعہ چہل حدیث جو اس وقت پیش نظر ہے "قبلہ اول مسجد اقصیٰ" کے فضائل سے متعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد کو خاص اہمیت دی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ میں اس مسجد کے آزاد کرانے کی ضرورت پر خصوصی زور دیا ہے اور اس کے لیے سفر کرنے کی ترغیب دی ہے اور ہمارے بزرگوں نے اس کی آزادی کی خاطر جان و مال کی قربانیاں پیش کی ہیں۔

آج افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہم مسلمانوں نے مسجد اقصیٰ کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے، اور اس مقدس مقام کو یہود کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ اس وقت ہماری کیا ذمہ داری ہم اس سے غافل ہیں......!!؟

اس مجموعہ میں مسجد اقصیٰ کے فضائل اور آئندہ جو اہم واقعات اور حالات یہاں رونما ہوں گے (جن کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں دی ہیں) ان کے متعلق احادیث کو جمع کیا گیا ہے، تا کہ مسلمانوں کے قلوب میں مسجد اقصیٰ کی محبت کو جنم دیا جا سکے اور ان کو خواب غفلت سے جگا کر اپنی ذمہ داری کا احساس دلایا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس مجموعہ کو قبول فرمائیں اور مسجد اقصیٰ سے متعلق ہم مسلمانوں کی جو ذمہ داری ہے ہمیں اس کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور ہمیں یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی کوششوں کو اور طاقت کو استعمال میں لائیں اور اس مقدس مقام کی حفاظت کے لیے کمر بستہ ہوں۔

مسجد اقصیٰ:.....زمین پر اللہ کا دوسرا گھر

عَنْ أَبِي ذَر رضي الله عنه أنَّه قَال: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِي الأرضِ أَوَّلُ؟ قَالَ: اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ. قُلْتُ: ثُمَّ أيٌّ؟ قال: اَلْمَسْجِدُ الأقْصَى. قُلْتُ: كَمْ كَانَ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ: أَرْبَعُونَ سَنَةً، ثُمَّ أَيْنَمَا أَدْرَكَتْكَ الصَّلَاةُ بَعْدُ فَصَلِّهْ، فَإنَّ الْفَضْلَ فِيهِ.

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! روئے زمین میں سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر ہوئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مسجد حرام:.....فرماتے ہیں، میں نے پوچھا: پھر کون سی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مسجد اقصیٰ:.....میں نے پوچھا: ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنے دن کا فاصلہ رہا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چالیس سال کا، پھر نبی ﷺ نے فرمایا کہ ان (تین) مساجد کے علاوہ جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے وہاں نماز پڑھ لو اس لئے کہ وقت پر نماز پڑھنا ہی اصل فضیلت ہے۔

مسجد اقصیٰ کی زیارت کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عن النبي ﷺ أنه قَالَ: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى.

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سامانِ سفر نہ باندھا جائے مگر ان تین مساجد کے لئے، مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔

مسجد اقصیٰ میں نماز کا ثواب

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضي الله عنه عن النبي ﷺ أنه قَالَ: فَضْلُ الصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ عَلَى غَيْرِهِ مِائَةُ أَلْفِ صَلَاةٍ، وَفِي مَسْجِدِي أَلْفُ صَلَاةٍ، وَفِي مَسْجِدِ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ خَمْسُ مِائَةٍ.

حضرت ابو درداءؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب دوسری مساجد کے مقابلے میں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اور مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب دوسری مساجد کے مقابلے میں ایک ہزار نمازوں کے برابر اور مسجد اقصیٰ میں ایک نماز کا ثواب دوسری مساجد کے مقابلے میں پانچ سو نمازوں کے برابر ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي بَيْتِهِ بِصَلَاةٍ، وَصَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ صَلَاةً، وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُجْمَعُ فِيهِ بِخَمْسِ مِائَةِ صَلَاةٍ، وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى بِخَمْسِينَ أَلْفَ صَلَاةٍ، وَصَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِي بِخَمْسِينَ أَلْفَ صَلَاةٍ، وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ.

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کسی شخص کا گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز کے ثواب کے برابر ہے اور محلے کی مسجد میں نماز پڑھنا پچیس نمازوں کے ثواب کے برابر ہے،

جامع مسجد میں ایک نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں کے ثواب کے برابر ہے، مسجد اقصیٰ میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر اور مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

مسجدِ اقصیٰ کے مؤذنین کی فضیلت

عَنْ جابر رضي الله عنه قال : سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أيُّ النَّاسِ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ ،يَعْنِي :أَوَّلًا ؟ قَالَ : اَلْأَنْبِيَاءُ ، ثُمَّ الشُّهَدَاءُ ، ثُمَّ مُؤَذِّنُوا الْكَعْبَةِ ،ثُمَّ مُؤَذِّنُوا بَيتِ الْمُقَدَّسِ ، ثُمَّ مُؤَذِّنُوا مَسْجِدِيْ هَذَا ، ثُمَّ سَائِرُ الْمُؤَذِّنِيْنَ عَلَى قَدْرِ أَعْمَالِهِمْ۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے پہلے جنت میں کون لوگ داخل ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے انبیاء، پھر شہداء، پھر کعبہ کے مؤذن، پھر بیت المقدس کے مؤذن، پھر مسجد نبوی کے مؤذن پھر تمام دنیا کے مؤذنین اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے۔

مسجدِ اقصیٰ میں صدقہ دینے کا ثواب

عَنْ مَيْمُونَة بنت سعد رضي الله عنها مَوْلاة النبي ﷺ ۔ قَالَت : يا نَبِيَّ اللّٰهِ ، أَفْتِنَا فِي بَيْتِ الْمُقَدَّسِ ، فَقَالَ : أَرْضُ الْمَنْشَرِ وَالْمَحْشَرِ، اِئْتُوهُ فَصَلُّوا فِيهِ ؛ فَإِنَّ صَلَاةً فِيهِ كَأَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ . قَالَتْ : أَرَأَيْتَ مَنْ لَمْ يُطِقْ أَن يَّتَحَمَّلَ إِلَيْهِ أَوْ يَأْتِيَهُ .قال : فَلْيُهْدِ إِلَيْهِ زَيْتًا يَسْرُجُ فِيهِ ؛فَإِنَّ مَنْ أَهْدَى لَهُ كَانَ كَمَنْ صَلَّى فِيهِ .

حضرت میمونہ بنت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہمیں بیت المقدس کے بارے میں شرعی حکم سے آگاہ کیجیے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مقام محشر ہے، وہاں جاؤ تو وہاں نماز پڑھو، اس لئے کہ بیت المقدس میں ایک نماز پڑھنا دوسری مساجد کے مقابلے میں ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ حضرت میمونہ نے پوچھا: جو شخص سفر کرنے کی اور وہاں تک جانے کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کے لیے آپ کیا کہتے ہیں (وہ یہ ثواب کیسے حاصل کرے)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو وہاں نہ جا سکے وہ وہاں روغنِ زیتون بھیج دے جو بیت المقدس کے چراغوں میں جلایا جائے، اس لئے کہ جس نے وہاں ہدیہ بھیجا وہ ثواب کے اعتبار سے ایسا ہے جیسے وہاں نماز پڑھی۔

مسجدِ اقصیٰ سے عمرہ کا احرام باندھنے کا ثواب

عن أُمِّ سَلَمَةَ رضي الله عنهد زَوج النبي ﷺ قَالَت :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ مِنْ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ كَانَتْ لَهُ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوبِ . قَالَتْ : فَخَرَجْتُ ،أي :مِنْ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ بِعُمْرَةٍ .

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بیت المقدس سے عمرے کا احرام باندھا تو یہ اس کے پچھلے گناہوں کے لئے کفارہ بن جائے گا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے بیت المقدس سے عمرے کا سفر کیا (تاکہ یہ فضیلت حاصل ہو جائے)۔

مسجدِ اقصیٰ مبارک زمین

عَنْ زيد بن ثابت رضي الله عنه قال : كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ نُؤَلِّفُ الْقُرْآنَ مِنَ الرِّقَاعِ ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : طُوبَى لِلشَّامِ ! فَقُلْنَا: لِأَيِّ ذَلِكَ يا رسولَ اللّٰهِ ؟ قال : لِأَنَّ مَلَائِكَةَ الرَّحْمَنِ بَاسِطَةٌ أَجْنِحَتَهَا عَلَيْهَا.

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چمڑے کے ٹکڑوں سے

قرآن مجید کو جمع کر رہے تھے، اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خوش خبری ہو شام کے لئے! ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کس وجہ سے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس لیے کہ اللہ کے فرشتے اپنے پروں کو شام پر پھیلائے ہوئے ہیں۔

عَنْ زُهَيْر بن مُحَمَّد رضي الله عنه قَالَ: حُدِّثْتُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَال : إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى بَارَكَ مَا بَيْنَ الْعَرِيْشِ وَالْفُرَاتِ ،وَخَصَّ فِلَسْطِيْنَ بِالتَّقْدِيْسِ.

حضرت زہیر بن محمدؓ فرماتے ہیں: مجھے بتایا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے عریش (یمن میں ایک جگہ کا نام ہے) اور فرات کے درمیان برکت رکھی ہے، اور فلسطین کو اپنا خاص مقرب بنایا ہے۔

مسجدِ اقصیٰ ۔ پہلا قبلہ

عَنِ الْبَرَاءِ رضي الله عنه أَنَّهُ قَالَ :صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ سِتَّةَ عَشَرَ أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا ، ثُمَّ صَرَّفَهُ نَحْوَ الْقِبْلَةِ .

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں: ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے سولہ یا سترہ مہینے نمازیں پڑھی پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا۔

قال البراء بن عازب رضي الله عنه : مَاتَ عَلَى الْقِبْلَةِ قَبْلَ أَنْ تَحَوَّلَ رِجَالٌ وَ قُتِلُوْا ،فَلَمْ نَدْرِ مَا نَقُوْلُ فِيهِمْ ،فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى : ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾.

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں: بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہوئے کچھ لوگ انتقال کر گئے تھے اور کچھ لوگ شہید ہو گئے تھے بیت اللہ کی طرف رُخ کرنے سے پہلے، ہمیں سمجھ نہیں آتا تھا کہ ہم ان کے بارے میں کیا کہیں (آیا ان کی نمازیں قبول ہوئی یا نہیں؟) تو قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾ یعنی: اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمہارا ایمان (نماز) ضائع کریں۔

مسجدِ اقصیٰ ۔ سفر معراج اور اسراء کی منزل قیام

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال :قَالَ رسولُ اللّٰه ﷺ : لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ . . . أُتِيتُ بِإِنَاءَيْنِ :فِي أَحَدِهِمَا لَبَنٌ ،وَفِي الْآخَرِ خَمْرٌ ، فَقَالَ :اِشْرَبْ أَيَّهُمَا شِئْتَ ؟ فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ فَشَرِبْتُهُ ،فَقِيْلَ : أَخَذْتَ الْفِطْرَةَ ،أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ .

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس رات میں نے آسمانوں کی سیر کی اس کی سرگذشت بیان کرتے ہوئے فرمایا:...... میرے پاس دو برتن لائے گئے، ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب۔ جبرئیل امین نے مجھ سے کہا کہ دونوں میں سے جو چاہیں نوش فرمالیں، میں نے دودھ لے لیا اور اس کو نوش فرمالیا تو مجھ سے کہا گیا کہ آپ نے فطرت (اسلام اور استقامت) کو اختیار کیا، اگر آپ شراب نوش فرمالیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما في قَوْلِهِ تَعَالَى : ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾ قَالَ : هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ إِلَى بَيْتِ الْمُقَدَّسِ . قَالَ : ﴿وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ﴾ قَالَ : هِيَ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ .

حضرت ابن عباسؓ قرآن مجید کی اس آیت ﴿وما جعلنا الرؤيا التي أريناك إلا فتنة للناس﴾ (اور ہم نے جو نظارہ آپ کو دکھایا ہے، اس کو ہم نے (کافروں) کے لئے بس ایک فتنہ بنا دیا) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہ عینی مشاہدہ تھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رات دکھایا گیا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

بیت المقدس کی طرف سفر کیا تھا۔ اس آیت ﴿والشجرة الملعونة في القرآن﴾ (اس درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت آئی ہے) میں درخت سے مراد زقوم کا درخت ہے۔

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما أنّه قال : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : لَمَّا كَذَّبَنِي قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ ، فَجَلَّى اللَّهُ لِي بَيْتَ الْمُقَدَّسِ فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ .

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جب قریشیوں نے میری تکذیب کی (یعنی سفر معراج اور اسراء کا انکار کیا) تو میں ایک پتھر پر کھڑا ہو گیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے ظاہر کر دیا، میں دیکھ دیکھ کر ان کو وہاں کی علامتیں اور نشانیاں بتانے لگا۔

ملک شام، فتنوں سے محفوظ

عن عبد الله بن حوالة الأزدي أنه قال : قَالَ رسولُ الله ﷺ : رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ عَمُودًا أَبْيَضَ كَأَنَّهُ لُؤْلُؤَةٌ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ . قُلْتُ : مَا تَحْمِلُونَ ؟ قَالَ : عَمُودَ الإِسْلَامِ أَمَرَنَا أَنْ نَضَعَهُ بِالشَّامِ . وَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ إِذْ رَأَيْتُ الْكِتَابَ اخْتُلِسَ مِنْ تَحْتِ وِسَادَتِي ، فَظَنَنْتُ أَنَّ اللَّهَ قَدْ تَخَلَّى مِنْ أَهْلِ الأَرْضِ ، فَأَتْبَعْتُهُ بَصَرِي فَإِذَا هُوَ نُورٌ بَيْنَ يَدَيَّ حَتَّى وُضِعَ بِالشَّامِ ، فَمَنْ أَبَى فَلْيَلْحَقْ بِيَمَنِهِ ، وَلْيَتَّقِ مِنْ غُدُرِهِ ؛ فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ تَكَفَّلَ لِي بِالشَّامِ .

حضرت عبداللہ بن حوالہ الازدیؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیلۃ الاسراء کو میں نے ایک سفید ستون دیکھا موتی کی طرح (چمکدار) فرشتے اس کو اٹھائے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا: تم لوگ کیا اٹھائے ہوئے ہو؟ فرشتوں نے جواب دیا: اسلام کا ستون ہے، ہمیں حکم ملا ہے کہ اسے ملکِ شام میں رکھ دیں اور میں سو رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ کوئی میرے تکیہ کے نیچے سے کتاب اللہ کا ستون نکال کر لے گیا، میں یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے لوگوں کو محروم کر رہے ہیں، چنانچہ میں نے اس پر مسلسل اپنی نگاہ جمائے رکھی تو وہ میرے سامنے ایک چمکتا ہوا نور تھا جسے شام لے جایا گیا اور جو شام نہ جانا چاہے وہ یمن چلا جائے اور تم (شام میں) اپنی نہروں سے سیراب ہونا، بے شک اللہ تعالیٰ نے شام اور وہاں کے رہائشیوں کی مجھ سے ضمانت لی ہے۔

مسجدِ اقصیٰ میں نبی اکرم ﷺ کا نماز پڑھنا

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أنّ رسول اللّه ﷺ قال: أُتِيتُ بِالْبُرَاقِ ، وَهُوَ دَابَّةٌ أَبْيَضُ طَوِيلٌ فَوْقَ الْحِمَارِ وَ دُونَ الْبَغْلِ ، يَضَعُ حَافِرَهُ عِنْدَ مُنْتَهَى طَرْفِهِ . قَالَ : فَرَكِبْتُهُ حَتَّى أَتَيْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ . قَالَ : فَرَبَطْتُهُ بِالْحَلْقَةِ الَّتِي يَرْبِطُ بِهِ الأَنْبِيَاءُ . قَالَ : ثُمَّ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَصَلَّيْتُ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ...

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس براق لایا گیا، وہ ایک سفید رنگ کا لمبا جانور تھا، گدھے سے اونچا اور خچر سے چھوٹا، اس کا قدم وہاں پڑتا تھا جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں اس پر سوار ہوا اور میں بیت المقدس آیا۔ اس براق کو اس حلقہ کے ساتھ باندھ دیا جس کے ساتھ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے، پھر میں مسجد اقصیٰ میں گیا اور اس میں دو رکعت نماز پڑھی۔

دجال کا قتل فلسطین میں

عن مُجَمِّع بن سارية الأنصاريِّ رضي الله عنه أنه قال : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ : يَقْتُلُ ابْنُ مَرْيَمَ الدَّجَّالَ بِبَابِ لُدٍّ.

حضرت مجمع بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو لُد (Lod/Lydda) کے دروازے پر قتل کریں گے۔

فائدہ:..... لُد تل ابیب سے جنوب مشرق میں 18 کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ یہاں اسرائیل نے دنیا کا جدید ترین سیکورٹی سے آراستہ ایئرپورٹ بنایا ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں سے بذریعہ جہاز فرار ہونا چاہے اور اسی ایئرپورٹ پر قتل کر دیا جائے۔ واللہ اعلم (تیسری جنگ عظیم اور دجال، مولانا عاصم عمر، ص ۱۴۹)

بیت المقدس کے قریب ایک شہر "لُد" ہے، وہاں ایک بڑا گیٹ جو "باب اللہ" کہلاتا ہے اس پر اسرائیلی انتظامیہ نے لکھا ہے: "هُنَا يَخْرُجُ مَلِكُ السَّلَامُ" "یعنی سلامتی کا بادشاہ (دجال) یہاں ظاہر ہو گا۔

(انبیاء کی سرزمین میں چند روز، مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ)

مسجدِ اقصیٰ۔ دجال کے فتنہ سے محفوظ

وَمِمَّا قَالَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ : . . . عَلَامَتُهُ يَمْكُثُ فِي الأَرْضِ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا ، يَبْلُغُ سُلْطَانُهُ كُلَّ مَنْهَلٍ ، لَا يَأْتِي أَرْبَعَةَ مَسَاجِدَ : الْكَعْبَةَ ، وَمَسْجِدَ الرَّسُولِ ، وَالْمَسْجِدَ الأَقْصَى ، وَالطُّورَ . . .

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے بارے میں جو کچھ فرمایا ان میں یہ بھی ہے:...... دجال کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ زمین میں چالیس دن رہے گا، اس کی بادشاہت چار جگہ کے علاوہ ہر جگہ پہنچے گی (وہ چار جگہیں یہ ہیں): (۱) خانہ کعبہ (۲) مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (۳) مسجد اقصیٰ (۴) کوہِ طور۔

اردن میں دجال سے قتال

عن نُهَيك بن صُرَيم السَّكُونِي رضي الله عنه قال : قال رسولُ اللهِ ﷺ : لَا تَزَالُونَ تُقَاتِلُونَ حَتَّى يُقَاتِلَ بَقِيَّتُكُمُ الدَّجَّالَ بِالأُرْدُنِ ، أَنْتُمْ مِنْ غَرْبِيِّهِ وَهُمْ مِنْ شَرْقِيِّهِ .

نہیک بن صریم سکونیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ مستقل جہاد کرتے رہو گے یہاں تک کہ تمہاری تھوڑی سی جماعت دریائے اردن پر دجال کے ساتھ قتال کرے گی، تم اس وقت اہلِ غرب میں سے ہو گے اور وہ (دجال اور اس کے لوگ) اہلِ شرق میں سے۔

بیت المقدس ۔ مقامِ محشر

عن ميمونة مولاة النبي ﷺ قالت : يَا نَبِيَّ اللَّهِ ، أَفْتِنَا فِي بَيْتِ الْمُقَدَّسِ ؛ فَقَالَ : أَرْضُ الْمَنْشَرِ وَالْمَحْشَرِ.

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم ^ سے پوچھا: اے اللہ کے نبی! ہمیں بیت المقدس کے بارے میں بتایئے؟ تو آپ ^ نے جواب میں فرمایا: وہ مقامِ محشر اور منشر ہے۔

بیت المقدس کا آباد ہونا، خروجِ دجال کا سبب

عن معاذ بن جبل رضي الله عنه قال : قال رسولُ اللهِ ﷺ : عُمْرَانُ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ خَرَابُ يَثْرِبَ ، وَخَرَابُ يَثْرِبَ خُرُوجُ الْمَلْحَمَةِ ، وَخُرُوجُ الْمَلْحَمَةِ فَتْحُ الْقُسْطَنْطِينِيَّةِ وَ فَتْحُ الْقُسْطَنْطِينِيَّةِ خُرُوجُ الدَّجَّالِ ، ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدِهِ عَلَى فَخِذِ الَّذِي حَدَّثَهُ أَوْ مَنْكِبِهِ ثُمَّ قَالَ : إِنَّ هَذَا لَحَقٌّ كَمَا أَنَّكَ هَاهُنَا أَوْ كَمَا أَنَّكَ قَاعِدٌ ، يَعْنِي : مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ .

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیت المقدس کی آبادی مدینے کی خرابی کا سبب ہے اور مدینہ کی خرابی جنگِ عظیم کا سبب ہے اور جنگِ عظیم قسطنطنیہ کی فتح کا سبب ہے اور قسطنطنیہ

کی فتح دجال کے ظہور کا سبب ہے، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ حضرت معاذ کی ران یا مونڈھے پر مارا اور فرمایا: یہ سب باتیں یقینی ہیں، جس طرح تمہارا یہاں ہونا یا یہاں بیٹھنا یقینی ہے۔

وضاحت:...... بیت المقدس کی آبادی سے مراد یہودیوں کا وہاں قوت پکڑنا ہے۔ بیت المقدس پر اسرائیلی قبضہ کے بعد یہودیوں کی ناپاک نظریں مدینہ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔

ملکِ شام دیر سے ویران ہوگا

عن عوف بن مالک رضي الله عنه أنَّ رسولَ اللّٰهِ ﷺ قال : تَخرِبُ الْأَرْضُ قَبْلَ الشَّامِ بِأَرْبَعِيْنَ عَامًا.

حضرت عوف بن مالکؓ سے روایت کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملکِ شام کی ویرانی سے چالیس سال پہلے دنیا ویران ہوجائے گی۔

اہلِ شام کی فضیلت

عن ابي الدرداء رضي الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ : أَهْلُ الشَّامِ وَأَزْوَاجُهُمْ وَ ذَرَارِيهِمْ وَ عَبِيْدُهُمْ وَ إِمَاؤُهُمْ إِلٰى مُنْتَهَى الْجَزِيْرَةِ مُرَابِطُونَ ؛ فَمَنْ نَزَلَ مَدِيْنَةً مِنَ الْمَدَائِنِ فَهُوَ فِي رِبَاطٍ أَوْ ثَغْرًا مِنَ الثُّغُوْرِ فَهُوَ فِي جِهَادٍ.

حضرت ابو درداءؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شام والے، ان کی بیویاں، ان کی اولاد، ان کے غلام اور ان کی لونڈیاں جزیرۂ عرب کے انتہاء تک اللہ کی راہ میں چوکیداری کرنے والے ہیں، جو کوئی بھی اس کے کسی بھی شہر میں آکر قیام پذیر ہوا وہ اللہ کی راہ میں چوکیداری کرنے والا ہے، یا جو اس کی کسی بھی سرحد پر آیا وہ جہاد میں ہے۔

دجال کا قتل ملکِ شام میں

عن النَّوَاس بن سمعان الكلابي رضي الله عنه قال : ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الدَّجَّالَ ،فقال : إِنْ يَخْرُجْ وَأَنَا فِيْكُمْ فَأَنَا حَجِيْجُهُ دُوْنَكُمْ، وَإِنْ يَخْرُجْ وَلَسْتُ فِيْكُمْ فَامْرُؤٌ حَجِيْجُ نَفْسِهِ ،وَاللّٰهُ خَلِيْفَتِيْ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ ،فَمَنْ أَدْرَكَهُ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَأْ عَلَيْهِ بِفَوَاتِحِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ ؛ فَإِنَّهَا جِوَارُكُمْ مِنْ فِتْنَتِهِ .قُلْنَا: وَمَا لَبْثُهُ فِي الْأَرْضِ ؟ قَالَ : أَرْبَعُوْنَ يَوْمًا ، يَوْمٌ كَسَنَةٍ ،وَيَوْمٌ كَشَهْرٍ ، وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ وَسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ .فَقُلْنَا : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِيْ كَسَنَةٍ أَتَكْفِيْنَا فِيْهِ صَلَاةُ يَوْمٍ وَ لَيْلَةٍ ؟ قَالَ : لَا ، اُقْدُرُوْا لَهُ قَدْرَهُ ،ثُمَّ يَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ ،فَيُدْرِكُهُ عِنْدَ بَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلُهُ.

حضرت نواس بن سمعان کلابیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اگر دجال کا ظہور میری موجودگی (زندگی) میں ہوا تو میں تم سب کی طرف سے کافی ہوں (لہٰذا تمہیں فکر کی ضرورت نہیں) اور اگر میری وفات کے بعد اس کا ظہور ہوا تو ہر شخص اپنا دفاع خود کرے گا اور میرے بعد اللہ ہر مسلمان کے نگہبان ہیں۔ تم میں سے جو شخص بھی دجال کو پائے تو سورۂ کہف کی ابتدائی آیات تلاوت کرے، اس لیے کہ یہ تمہارے لیے اس کے فتنے سے بچاؤ کا سامان ہے۔ ہم نے پوچھا: دجال زمین میں کتنے عرصہ رہے گا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چالیس دن، ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا اور دوسرا دن ایک مہینے کے برابر، تیسرا دن ایک ہفتے کے برابر اور اس کے بعد بقیہ دن عام دنوں کے برابر ہوں گے۔ ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! جب وہ دن ایک سال کے برابر ہوگا تو کیا ہمارے لئے دن رات کی (یہی پانچ نمازیں) کافی ہوں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! تم ہر وقت کی نماز کے لئے اس کی مقدار کا اندازہ کرلیا کرنا، پھر عیسیٰ کا نزول دمشق کے مشرقی جانب سفید منارہ کے پاس ہوگا، وہاں ان کی دجال سے بابِ لُد (شام کے قریب ایک پہاڑی یا علاقہ کا نام ہے) پر ملاقات ہوگی وہاں اس کو قتل کریں گے۔

فائدہ:...... پہلا دن ایک سال کے برابر، دوسرا دن ایک ماہ کے برابر، تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر اور باقی ۳۷ دن عام دنوں کے برابر ہوں گے۔ اس طرح دجال کے دنیا میں ٹھہرنے کی کل مدت ایک سال دو مہینے اور چودہ دن کے برابر بنتی ہے۔ بعض شارحین نے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ پریشانی کے باعث دن لمبا لگے گا۔

مسجدِ اقصیٰ۔ مجاہدین کا مرکز

عن ابي أمامة الباهلي رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال : لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلٰى مَنْ يَغْزُوْهُمْ قَاهِرِيْنَ ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ نَاوَأَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ .قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَأَيْنَ هُمْ ؟ قَالَ : بِبَيْتِ الْمُقَدَّسِ.

حضرت ابوامامہ باہلیؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا، وہ لوگ اپنے دشمن اور مخالفین پر غالب رہیں گے، وہ مخالفین اور دشمن ان کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ آجائے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا: وہ لوگ کہاں ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیت المقدس کے اردگرد۔

عن عُمَير بن هَانِئٍ قال : سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بن أبي سُفيان عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ ،أَوْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَهُمْ ظَاهِرُوْنَ عَلَى النَّاسِ.

حضرت عمیر بن ہانیؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت معاویہؓ سے ممبر پر سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گا، جو کوئی ان کا بگاڑنا چاہے کچھ نہیں بگاڑ سکے گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچے اور وہ لوگوں پر غالب رہیں گے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قَالَ : لَا تَزَالُ عِصَابَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلٰى أَبْوَابِ دِمَشْقَ وَ مَا حَوْلَهُ وَعَلٰى أَبْوَابِ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَ مَا حَوْلَهُ ،لَا يَضُرُّهُمْ خُذْلَانُ مَنْ خَذَلَهُمْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ إِلٰى أَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ .

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ دمشق کے دروازے اور اس کے اردگرد اور بیت المقدس کے دروازے اور اس کے اردگرد جہاد کرتا رہے گا، کوئی بھی نقصان پہنچانے والا ان کو کسی بھی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکے گا، یہ گروہ حق پر ہوگا یہاں تک قیامت واقع ہوجائے۔

مسجدِ اقصیٰ۔ بہترین رہائشی مقام

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي الله عنهما قال : سَمِعْتُ رسول الله ﷺ يَقُوْلُ : سَتَكُوْنُ هِجْرَةٌ بَعْدَ هِجْرَةٍ ،فَخِيَارُ أَهْلِ الْأَرْضِ أَلْزَمُهُمْ مُهَاجَرَ إِبْرَاهِيْمَ .

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اس ہجرت (جو رسول اور صحابہ کرامؓ نے مکہ سے مدینہ کی طرف کی) کے بعد ایک اور ہجرت ہوگی (قیامت کے قریب)، اس وقت روئے زمین پر بہترین لوگ وہ ہوں گے جو ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کی جگہ (ملک شام) کو لازم پکڑیں گے (وہاں سکونت اختیار کریں گے)۔

مسجدِ اقصیٰ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدفن

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : أُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلام ،فَلَمَّا جَاءَهُ صَكَّهُ فَفَقَأَ عَيْنَهُ ،فَرَجَعَ إِلَى رَبِّهِ فَقَالَ: أَرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَا يُرِيْدُ الْمَوْتَ ،فَرَدَّ اللهُ عَيْنَهُ وَقَالَ : ارْجِعْ فَقُلْ لَهُ :يَضَعُ يَدَهُ عَلَى مَتْنِ ثَوْرٍ فَلَهُ بِكُلِّ مَا غَطَّتْ بِهِ يَدُهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ سَنَةٌ .قَالَ : أَيْ رَبِّ ، ثُمَّ مَاذَا ؟ قَالَ : ثُمَّ الْمَوْتُ .قَالَ : فَالْآنَ ، فَسَأَلَ اللهَ أَنْ يُدْنِيَهُ مِنَ الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ .قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : فَلَوْ كُنْتُ ثَمَّ لَأَرَيْتُكُمْ قَبْرَهُ إِلَى جَانِبِ الطَّرِيْقِ عِنْدَ الْكَثِيْبِ الْأَحْمَرِ.

ملک الموت حضرت موسیٰؑ کی خدمت میں بھیجے گئے، جب وہ آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو زوردار چانٹا مارا جس سے اس کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی، وہ فرشتے اللہ کے پاس واپس گئے اور عرض کیا کہ آپ نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا جو فی الحال مرنا نہیں چاہتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کی آنکھ درست کردی اور فرمایا کہ دوبارہ جاؤ اور ان سے کہو اپنا ہاتھ بیل کی پیٹھ پر رکھیے اس کی پیٹھ کے جتنے بال آپ کے ہاتھ میں آجائیں ہر بال کے بدلے ایک سال کی زندگی آپ کو دے دی جائے گی۔ (جب فرشتہ موسیٰؑ کے پاس یہ پیغام لایا تو) انہوں نے کہا: اے میرے رب! اس کے بعد کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر موت ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا: (جب بعد میں بھی موت آنی ہی ہے تو) ابھی کیوں نہ آجائے، پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ انہیں ارضِ مقدسہ (بیت المقدس) سے قریب کردیا جائے جس طرح پتھر پھینکا جاتا ہے (یعنی جلدی) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں ان کی قبر دکھاتا جو کثیب احمر کے پاس راستے کے قریب ہے۔

بیت المقدس کی آزادی کی خبر

عن عوف بن مالك الأشجعي رضي الله عنه قال : أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَهُوَ فِي غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَهُوَ فِي خِبَاءٍ مِنْ أُدُمٍ ،فَجَلَسْتُ بِفَنَاءِ الْخِبَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ :اُدْخُلْ يَا عَوْفُ، فَقُلْتُ :بِكُلِّي يَا رَسُوْلَ اللهِ ، قَالَ :بِكُلِّكَ .ثُمَّ قَالَ : يَا عَوْفُ ، احْفَظْ خِلَالًا سِتًّا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ إِحْدَاهُنَّ مَوْتِي .قَالَ : فَوَجَمْتُ وَجْمَةً شَدِيْدَةً . فَقَالَ : ثُمَّ فَتْحُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ ، ثُمَّ دَاءٌ يَظْهَرُ فِيْكُمْ يَسْتَشْهِدُ اللهُ بِهِ ذَرَارِيَكُمْ وَ أَنْفُسَكُمْ وَ يُزَكِّي بِهِ أَعْمَالَكُمْ ، ثُمَّ تَكُوْنُ الْأَمْوَالُ فِيْكُمْ حَتَّى يُعْطَى الرَّجُلُ مِائَةَ دِيْنَارٍ فَيَظَلَّ سَاخِطًا ، وَ فِتْنَةٌ تَكُوْنُ بَيْنَكُمْ لَا يَبْقَى بَيْتُ مُسْلِمٍ إِلَّا دَخَلَتْهُ ، ثُمَّ تَكُوْنُ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ بَنِي الْأَصْفَرِ هُدْنَةٌ فَيَغْدِرُوْنَ بِكُمْ فَيَسِيْرُوْنَ إِلَيْكُمْ فِي ثَمَانِيْنَ غَايَةٍ تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اثْنَا عَشَرَ أَلْفًا .

حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے فرماتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم چمڑے کے خیمہ میں تھے، میں خیمہ کے باہر بیٹھ گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عوف! اندر آجاؤ۔ میں نے (ازراہِ مذاق) عرض کیا: یا رسول اللہ! پورا اندر آجاؤ؟ (خیمہ چھوٹا تھا تو انہوں نے مذاقاً یہ بات کہہ دی) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! پورے اندر آجاؤ۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عوف! قیامت سے پہلے چھ علامات واقع ہوں گی تم ان کو محفوظ کرلو، ان میں سے ایک علامت میری وفات ہے۔ حضرت عوف فرماتے ہیں: یہ سن کر مجھے سخت غم ہوا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پھر (دوسری علامت) بیت المقدس فتح ہونا، پھر (تیسری علامت) ایک بیماری نکلے گی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری آل اولاد کو شہادت عطا فرمائیں گے اور اس بیماری کے ذریعہ تمہارے اعمال کو پاک کریں گے، پھر (چوتھی علامت) تمہارے پاس مال و دولت خوب ہوگا حتیٰ کہ ایک آدمی کو اگر سو دینار بھی دیئے جائیں گے تب بھی وہ خوش نہیں ہوگا، (پانچویں علامت) تمہارے درمیان فتنہ ظاہر ہوگا جس سے مسلمان کا کوئی گھر بھی محفوظ نہیں رہے گا (ہر گھر میں فتنہ داخل ہوجائے گا)، پھر (چھٹی علامت) تمہارے اور بنی الاصفر (رومیوں) کے درمیان صلح ہوگی، وہ تم سے دھوکہ کریں گے اور اسی (۸۰) جھنڈوں تلے اپنی فوج لے کر تم پر حملہ کریں گے، ہر جھنڈے تلے بارہ ہزار فوجی ہوں گے۔

عن شَدَّاد بن أَوْسٍ رضي الله عنه أَنَّه كَانَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَهُوَ يَجُوْدُ بِنَفْسِهِ ،فَقَالَ :مَا لَكَ يَا شَدَّادُ ؟ قَالَ : ضَاقَتْ بِيَ الدُّنْيَا، فَقَالَ :لَيْسَ عَلَيْكَ ، إِنَّ الشَّامَ يُفْتَحُ وَ يُفْتَحُ بَيْتُ الْمَقْدِسِ فَتَكُوْنُ أَنْتَ وَوَلَدُكَ أَئِمَّةً فِيْهِمْ إِنْ شَاءَ اللهُ .

حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے اور وہ اپنی جان کی قربانی پیش کرنا چاہتے تھے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے شداد! کیا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: میں دنیا سے تنگ آگیا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غم مت کرو، شام اور بیت المقدس فتح ہوں گے تو تم اور تمہاری اولاد وہاں کے حکمران ہوگے ان شاء اللہ۔

ملکِ شام ۔ اللہ تعالیٰ کا منتخب کردہ شہر

عن عبد الله بن حوالة الأزدي رضي الله عنه أنه قال :يَا رَسُوْلَ اللهِ ، خِرْ لِي بَلَدًا أَكُوْنُ فِيْهِ ،فَلَوْ أَعْلَمُ أَنَّكَ تَبْقَى لَمْ أَخْتَرْ عَلَى قُرْبِكَ شَيْئًا ؛ فَقَالَ: عَلَيْكَ بِالشَّامِ .فَلَمَّا رَأَى كَرَاهِيَتِي إِيَّاهَا، قَالَ : أَتَدْرِي مَا يَقُوْلُ اللهُ فِي الشَّامِ ؟ إِنَّ اللهَ يَقُوْلُ : يَا شَامُ ، أَنْتِ صَفْوَتِي مِنْ بِلَادِي أُدْخِلُ فِيْكِ خِيَرَتِي مِنْ عِبَادِي ،إِنَّ اللهَ تَكَفَّلَ لِي بِالشَّامِ وَأَهْلِهِ .

حضرت عبداللہ بن حوالہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسا شہر بتادیجیے جہاں میں اختیار کروں، اگر مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ آپ ہمیشہ رہیں گے (یعنی آپ کی وفات نہیں ہوگی) تو آپ کی قربت پر کسی چیز کو ترجیح نہ دوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم شام کو اختیار کرو (یعنی وہاں سکونت اختیار کرو) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری شام سے ناپسندیدگی کو دیکھا تو فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شام کے بارے میں کیا کہا ہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے شام! تو میرے چنے ہوئے اور منتخب کردہ شہروں میں سے ایک شہر ہے، میں تجھ میں اپنی مخلوق کے بہترین لوگوں کو ٹھہراؤں گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے شام اور وہاں کے لوگوں کی ضمانت لی ہے (کہ وہاں کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کفار کے فتنے اور فساد سے محفوظ رکھیں گے)۔

ملکِ شام ۔ فتنوں سے محفوظ

(الف) عن أبي أمامة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال : . . . و إِنِّي أَوَّلْتُ أَنَّ الْفِتَنَ إِذَا وَقَعَتْ أَنَّ الْإِيْمَانَ بِالشَّامِ .

(الف) حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب فتنہ واقع ہوگا تو ایمان شام میں ہوگا۔

(ب) عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما أن النبي ﷺ قال : . . . فَإِذَا وَقَعَتِ

الْفِتْنَةُ فَالْأَمْنُ بِالشَّامِ.

(ب) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب فتنے واقع ہوں گے تو امن شام میں ہوگا۔

ملکِ شام۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا ٹھکانہ

عن ابن حوالة رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: سَيَصِيرُ الْأَمْرُ إِلَى أَنْ تَكُونَ جُنُودٌ مُجَنَّدَةٌ، جُنْدٌ بِالشَّامِ، وَجُنْدٌ بِالْيَمَنِ وَجُنْدٌ فِي الْعِرَاقِ. قَالَ ابْنُ حَوَالَةَ: خِرْ لِي يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنْ أَدْرَكْتُ ذَلِكَ. فَقَالَ: عَلَيْكَ بِالشَّامِ؛ فَإِنَّهَا خِيرَةُ اللَّهِ مِنْ أَرْضِهِ يَجْتَبِي إِلَيْهَا خِيرَتَهُ مِنْ عِبَادِهِ، فَأَمَّا إِنْ أَبَيْتُمْ فَعَلَيْكُمْ بِيَمَنِكُمْ وَاسْقُوا مِنْ غُدُرِكُمْ؛ فَإِنَّ اللَّهَ تَوَكَّلَ لِي بِالشَّامِ وَأَهْلِهِ.

حضرت ابن حوالہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عنقریب ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ تم لوگوں کے کئی لشکر الگ الگ تقسیم ہو جائیں گے، چنانچہ ایک لشکر شام میں، ایک یمن میں اور ایک عراق میں ہوگا۔ ابن حوالہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر وہ زمانہ میں پالوں تو میرے لیے کوئی لشکر پسند فرمالیں (کہ میں کس لشکر میں جاؤں؟) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شام کو لازم پکڑنا، کیوں کہ وہ اللہ کی منتخب کردہ زمین ہے، جس کے لیے اللہ اپنے بہترین بندوں کو منتخب کریں گے۔ اگر وہاں (شام میں) سکونت اختیار نہ کر سکو تو یمن کو لازم پکڑنا (وہاں سکونت اختیار کرنا) اور شام میں اپنی نہروں کے پانی سے خود بھی سیراب ہونا اور جانوروں کو بھی سیراب کرنا، بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے شام اور وہاں کے رہنے والوں کے لئے ضمانت لی ہے (کہ ان کو کفار کے فتنے، فساد اور غلبۂ کفار سے محفوظ رکھیں گے)۔

مسجدِ اقصیٰ۔ قربِ قیامت میں مقامِ خلافت

عن عبد الله بن حوالة الأزدي قال: ... وَضَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدَهُ عَلَى رَأْسِي، أَوْ قَالَ عَلَى هَامَتِي، ثُمَّ قَالَ: يَا ابْنَ حَوَالَةَ، إِذَا رَأَيْتَ الْخِلَافَةَ قَدْ نَزَلَتِ الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ؛ فَقَدْ دَنَتِ الزَّلَازِلُ وَالْبَلَابِلُ وَالْأُمُورُ الْعِظَامُ، وَالسَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنَ النَّاسِ مِنْ يَدِي هَذِهِ مِنْ رَأْسِكَ.

حضرت عبداللہ بن حوالہؓ سے روایت ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک میرے سر پر رکھا اور پھر فرمایا: اے ابن حوالہ! جب تم دیکھو کہ مسلمانوں کی خلافت ارضِ مقدسہ (یعنی ملک شام) میں پہنچ گئی ہے (یعنی مسلمانوں کا دارالخلافہ مدینہ سے منتقل ہو کر ملک شام میں پہنچ گیا ہے) تو سمجھ لو کہ اب زلزلے اور رنج و غم اور بڑے بڑے فتنے و فساد قریب آ پہنچے ہیں (یعنی علاماتِ کبریٰ)، ان دنوں میں قیامت لوگوں سے اتنا قریب ہوگی، جتنا میرا ہاتھ تمہارے سر سے قریب ہے۔

عن يونس بن ميسرة بن حلبس رضي الله عنه قال: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: هَذَا الْأَمْرُ كَائِنٌ بَعْدِي بِالْمَدِينَةِ ثُمَّ بِالشَّامِ ثُمَّ بِالْجَزِيرَةِ ثُمَّ بِالْعِرَاقِ ثُمَّ بِالْمَدِينَةِ ثُمَّ بِبَيْتِ الْمُقَدَّسِ، فَإِذَا كَانَ بِبَيْتِ الْمُقَدَّسِ فَثَمَّ عُقْرُ دَارِهَا، وَلَا يَخْرُجُ مِنْ قَوْمٍ فَيَعُودُ إِلَيْهِمْ.

یونس بن میسرہ بن حلبسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خلافت کا معاملہ میرے بعد مدینے میں ہوگا، پھر شام میں، پھر الجزیرہ میں، پھر عراق میں، پھر مدینے میں ہوگا، پھر بیت المقدس میں ہوگا۔ جب وہ (خلافت کا معاملہ) بیت المقدس میں ہوگا پھر وہاں کے کسی باشندے نے اس کو رد کر دیا تو خلافت پھر وہاں لوٹ کے نہیں آئے گی۔

عن النعمان بن بشير رضي الله عنه قال: كُنَّا قُعُودًا فِي الْمَسْجِدِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

وَكَانَ بَشِيرٌ رَجُلًا يَكُفُّ حَدِيثَهُ، فَجَاءَ أَبُو ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيُّ فَقَالَ: يَا بَشِيرُ بْنُ سَعْدٍ، أَتَحْفَظُ حَدِيثَ رَسُولِ اللَّهِ فِي الْأُمَرَاءِ؟ فَقَالَ حُذَيْفَةُ: أَنَا أَحْفَظُ خُطْبَتَهُ، فَجَلَسَ أَبُو ثَعْلَبَةَ فَقَالَ حُذَيْفَةُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: تَكُونُ النُّبُوَّةُ فِيكُمْ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا عَاضًّا فَيَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ.

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ ہم مسجد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اور میرے والد بشیر حدیث جمع کرتے تھے، ابوثعلبہ الخشنیؓ تشریف لائے اور پوچھا: اے بشیر! کیا آپ کو امراء کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث یاد ہے؟ تو حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: ہاں مجھے ایک خطبہ یاد ہے (جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امراء کے بارے میں ذکر کیا تھا) حضرت ابوثعلبہ بیٹھ گئے، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نبوت تمہارے درمیان رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے، پھر جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے نبوت کو اٹھا لیں گے، پھر نبوت کے طریقے پر خلافت کا سلسلہ چلے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے، پھر جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا تو اس کو بھی اٹھا لیں گے، پھر ظالم کی حکمرانی ہوگی جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے پھر جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے اس کو ختم کر دیں گے، پھر جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے زبردستی لوگ تم پر حکومت کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ بھی اٹھالی جائے گی، پھر نبوت کے طریقہ پر خلافت آجائے گی، پھر سکوت اختیار فرمایا۔

بیت المقدس۔ دجال کے فتنہ سے پناہ گاہ

عن مكحول قال: قال رسول الله ﷺ: لِلنَّاسِ ثَلَاثَةُ مَعَاقِلَ؛ فَمَعْقِلُهُمْ مِنَ الْمَلْحَمَةِ الْكُبْرَى الَّتِي تَكُونُ بِعُمْقِ أَنْطَاكِيَةَ دِمَشْقُ، وَمَعْقِلُهُمْ مِنَ الدَّجَّالِ بَيْتُ الْمَقْدِسِ، وَمَعْقِلُهُمْ مِنْ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ طُورُ سِينَاءَ.

حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں (مسلمانوں) کے لئے تین پناہ گاہیں ہیں جنگِ عظیم جو کہ عمق انطاکیہ میں ہوگی، اس میں پناہ گاہ دمشق ہے اور دجال کے خلاف پناہ گاہ بیت المقدس ہے اور یاجوج ماجوج کے خلاف پناہ گاہ کوہِ طور ہے۔

مسجدِ اقصیٰ۔ مقامِ نبوت

عن خالد بن معدان أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: نَزَلَتْ عَلَيَّ النُّبُوَّةُ مِنْ ثَلَاثَةِ أَمَاكِنَ: مَكَّةَ، وَالْمَدِينَةِ، وَالشَّامِ.

حضرت خالد بن معدانؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر نبوت تین جگہوں سے نازل ہوئی ہے:

(۱)......مکہ سے
(۲)......مدینہ سے
(۳)......شام سے

مسجدِ اقصیٰ کا ذکر قرآن میں

عن عائشة رضي الله عنها قالت: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقْرَأُ كُلَّ لَيْلَةٍ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَالزُّمَرَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ رات میں سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر پڑھا کرتے تھے۔

☆......☆......☆

شہادت حضرت حسینؓ

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ، جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جنت کے نوجوانوں کا سردار قرار دیا تھا، ان کی یہ شہادت اور اس قدر مظلومانہ شہادت یقیناً ایک بہت بڑا سانحہ تھی اور خاندانِ نبوت کے اس عظیم فرزند کی اس قربانی سے آج بھی اسلام کی شاہراہِ شہادت فروزاں اور تابندہ ہے۔"

مولانا سید عزیز الرحمٰن

اسلام کی تاریخ جاں فروشی اور جاں سپاری کی ان گنت داستانوں کی حامل ہے، جن کو شمار کرنے والا یہ دعویٰ کسی صورت نہیں کرسکتا کہ اس نے اسلامی تاریخ کے اس باب کی تکمیل کرلی ہے، جاں فروشی اور اسلام کے قدموں میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سب سے بڑی نعمت زندگی کو قربان کرنے کا جذبہ انسان میں ایمان کے قبول

کرنے کے ساتھ ہی پیدا ہوجاتا ہے اور پھر انسان کی کیفیت اس قدر تبدیل ہوجاتی ہے کہ انسان کا مقصد حیات اور انداز زیست بھی تبدیل ہوجاتا ہے۔

شہادتوں کا یہ سفر کرۂ ارضی پر انسانیت کے آغاز ہی سے جاری ہے، جس کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے اس کرۂ ارض پر پھیلنے کے ساتھ ہی ہوجاتا ہے، چنانچہ پہلا واقعہ اس حوالے سے جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ ہابیل اور قابیل کا ہے، جب قابیل نے اپنی غلط خواہش کو پورا نہ ہوتے دیکھ کر ہابیل کو قتل کرڈالا تھا۔

اس حوالے سے اصحاب الاخدود کا واقعہ بھی اہمیت کا حامل ہے، یمن میں بادشاہ کے ہاں ایک ساحر (جادوگر) رہتا تھا، جس کی خواہش پر اسے ایک ہونہار لڑکا دیا گیا، تاکہ وہ اسے اپنا علم سکھائے، مگر وہ بچہ ایک عیسائی راہب (اس وقت عیسائی مذہب ہی رائج تھا اور وہ راہب راہ راست پر تھا) سے راہ و رسم رکھنے کی وجہ سے سچائی سے آشنا ہوگیا اور اس نے اسلام قبول کرلیا، پھر ایک روز ایک خطرناک جانور کو اس نے صرف ایک پتھر سے مار ڈالا، مگر اس نے پتھر یہ کہہ کر پھینکا کہ اگر راہب کا دین سچا ہے تو اے اللہ تو اس جانور کو ہلاک کردے، اس واقعے سے اس لڑکے کی شہرت ہوئی اور اس کی دعا سے لاعلاج مریض بھی صحت یاب ہونے لگے، اسی دوران بادشاہ کے ایک نابینا وزیر کی بھی بینائی اس لڑکے کی دعا سے واپس آگئی، بادشاہ اس پر برہم ہوا اور اس نے راہب اور وزیر دونوں کو قتل کرادیا، مگر وہ لڑکے کو نہ مار سکا، اس کو مارنے والے خود مرتے چلے گئے۔

بالآخر اس لڑکے نے اپنے آپ کو مارنے کی ترکیب بادشاہ کو یہ بتائی کہ سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرکے مجھے ان کے سامنے سولی پر لٹکا دو اور "اس لڑکے کے رب کے نام سے" کہہ کر تیر مارو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ لڑکا اپنے رب کے نام پر قربان ہوگیا، یہ دیکھتے ہی سب لوگوں کو اس لڑکے کے سچے ہونے کا یقین ہوگیا اور وہ سب اللہ پر ایمان لے آئے۔

یہ ماجرا دیکھ کر بادشاہ نے بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور انہیں آگ سے بھر دیا، پھر حکم دیا کہ جو اسلام سے نہ پھرے، اسے اس میں ڈالتے جاؤ، اس طرح ہزاروں مسلمان اس میں گر کر شہید ہوتے گئے، بالآخر اللہ کے غضب کو جوش آیا اور اسی خندق کے بڑھتے ہوئے شعلوں نے تمام ظالموں اور جابروں کو بھی جلا کر خاک کردیا، قرآن کریم میں یہ واقعہ سورۃ بروج میں اصحاب الاخدود کے نام سے بیان ہوا ہے۔

اس طرح شہادتوں کا سفر اسلام میں ایک طویل عرصے سے جاری ہے، بلکہ اسلام کا یوم اول ہی ایک طرح سے اسلام میں سلسلۂ شہادت کا نقطۂ اول ہے۔

ہمیں معلوم تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کے صاحبزادے اور ہند ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کے بھائی، حارث بن ابی ہالہ اسلام کے پہلے شہید ہیں، جنہوں نے اللہ کے راستے میں شہادت کا سب سے پہلے شرف حاصل کیا اور در حقیقت اسلام میں شہادتوں کے جس قافلے کا آغاز حارث بن ابی ہالہ سے ہوا تھا، اسلام کی پہلی خاتون شہیدہ حضرت سمیہ، حضرت سیدنا حمزہ، حضرت سیدنا عمر فاروق، حضرت سیدنا عثمان غنی اور حضرت سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہم اجمعین سے ہوتا ہوا حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پہنچا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اس سلسلۂ شہادت کا نقطۂ عروج ہے۔

آج کی نشست کو اسی شاہراہ شہادت کے چند شاہ سواروں کے ذکر خیر، ذکر بابرکت سے سجایا گیا ہے، جس کا آغاز اسلام کے سب سے پہلے شہید کے ذکر خیر سے کیا جارہا ہے۔

اسلام کے سب سے پہلے شہید:...... جیسا کہ بیان کیا گیا کہ اسلام میں یہ رتبۂ بلند پانے والے پہلے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی حارث بن ابی ہالہ رضی

اللہ عنہ ہے اور آپ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلے شوہر کے بیٹے تھے۔ ابن الکلبی اور ابن حزم کے مطابق حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اللہ کے راستے میں شہادت کا شرف حاصل کرنے والے پہلے شخص ہیں، جو حرم کعبہ میں رکن یمانی کے پاس شہید ہوئے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ کچھ اس طرح سے ہے کہ بعثت کے کچھ عرصہ بعد جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی کھلم کھلا تبلیغ کا حکم دیا تو ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام میں کھڑے ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہہ دو، کامیاب ہو جاؤ گے۔"

یہ سن کر مشرکین مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہو گئے، یہ دیکھ کر حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کے لئے آگے بڑھے تو کفار نے انہیں گھیر لیا اور بالآخر وہ شہید ہو گئے، جب حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے، اس وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس کے قریب تھی۔

پہلی خاتون شہیدہ:...... اسلام کا پیغام جوں جوں آگے بڑھتا رہا، اسی رفتار سے کفار کے مظالم میں شدت آتی گئی اور اسلام سے متاثر ہو کر اس کی دعوت قبول کرنے والے صحابۂ کرام پر عرصۂ زیست تنگ ہوتا چلا گیا اور شہادتوں کے جس سلسلۂ روشن کا حضرت حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آغاز کیا تھا، وہ سلسلہ برابر جاری رہا اور ہر ابھرنے والے سورج کے ساتھ ساتھ اس کاروان عشق و محبت کے شرکا میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

حضرت حارث ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ہمیں اس تذکرے میں جس شخصیت کا ذکر ملتا ہے، وہ ایک خاتون ہیں، جن کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ وہ اسلام کی پہلی خاتون شہید ہیں اور خواتین اسلام کے لئے ان کی ذات باعث فخر و موجب انبساط ہے، جنہوں نے اس میدان جاں فروشی و جاں سپاری میں تمام خواتین اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے رب کائنات کی دی ہوئی نعمت عظمیٰ اس زندگی کو اسی کے دین پر قربان کرتے ہوئے صحیح معنی میں جان دینے کا حق ادا کر دیا، ہماری مراد حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، جو ایک جلیل القدر صحابی رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ تھیں۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ضعیف خاتون تھیں اور آپ کو ایک شرف یہ بھی حاصل ہے کہ آپ السابقون الاولون میں بھی شامل ہیں، یعنی حضرت سمیہ کا نام ان ابتدائی مسلمانوں میں شامل ہے، جو اسلام کی ابتدائی دعوت کے نتیجے میں اسلام لائے تھے اور روایات کے مطابق آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابتدائی سات مسلمانوں میں شامل ہیں اور ابن سعد نے سند صحیح کے ساتھ مجاہد سے نقل کیا ہے کہ حضرت سمیہ اسلام کی پہلی خاتون شہیدہ ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کی شہادت کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ابو جہل نے ایک چھوٹا نیزہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی ران میں مارا، جو ان کی شرم گاہ کے آر پار ہو گیا، جس کی وجہ سے آپ شہید ہو گئیں۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ:...... اسلام کے اس سلسلۂ شہادت کا ایک اہم حصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محترم چچا حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت اور بہادری ضرب المثل ہے۔

غزوۂ احد میں مشرکین مکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دلیرانہ حملوں سے سخت پریشان تھے، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس پر تلوار اٹھاتے، اس کا لاشہ ہی پھر زمین پر تڑپتا ہوا نظر آتا تھا، اس صورت حال سے کفار سخت پریشان تھے اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف کسی موقع کی تلاش میں تھے، دوسری جانب غزوۂ بدر میں جبیر ابن مطعم کا چچا طعیمہ بن عدی قتل ہوا تھا اور اس کا

یہ قتل حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں سے ہوا تھا، جبیر ابن مطعم کو اس کا بہت صدمہ تھا اور اس کے دل میں اپنے چچا کا بدلہ لینے کی خواہش کروٹیں لے رہی تھی، وحشی بن حرب، جبیر ابن مطعم کا غلام تھا، جب غزوۂ احد کا معرکہ ہوا تو جبیر ابن مطعم نے وحشی بن حرب سے کہا کہ اگر تم میرے چچا کے بدلے میں حضرت حمزہ کو قتل کر دو، تو تم آزاد ہو۔

چنانچہ جب احد کے مقام پر معرکۂ حق و باطل برپا ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مشرکین مکہ باہم مد مقابل ٹھہرے، جنگ کا آغاز ہوا، قدیمی انداز کے مطابق جب صفیں مرتب ہو گئیں تو قریش کی صفوں سے سباع عبد عبدالعزیٰ مبارزت طلب کرتا ہوا نکلا اور پکارا "ہے کوئی میرا مقابل" اس کا جواب دینے کے لئے مسلمانوں کی صفوں سے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے اور اسے مقابلے کے لئے للکارا اور جب وہ سامنے آیا تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار سے اس پر اس قدر شدید وار کیا کہ وہ اسی وقت واصل جہنم ہو گیا۔

اس دوران وحشی، وہیں میدان کارزار میں ایک چٹان کی آڑ میں بیٹھا تھا اور اس انتظار میں تھا کہ موقع ملے تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کرے، جب یہ لڑتے لڑتے وحشی کے قریب ہوئے تو اس نے اپنے چھوٹے نیزے سے جسے عرب حربہ کہتے ہیں، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کر دیا، وہ نیزہ اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پھینک مارا، جو ان کی ناف پر لگا اور آر پار ہو گیا اور یہی زخم ان کی شہادت کا سبب بنا۔ (حضرت وحشی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) اس غزوہ میں مسلمان بڑی تعداد میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے، جن کی تعداد روایات میں ۷۰ بیان کی جاتی ہے۔

مسلمانوں کی شہادت کے بعد مشرکین مکہ کے ساتھ آنے والی خواتین نے مسلم شہداء کا مثلہ کیا، جو اس زمانے کی لڑائیوں کا اہم حصہ تھا، اس میں مقتولوں کا مخالف گروہ، ان کے ہاتھ، پیر اور ناک وغیرہ کاٹ کر اظہار مسرت اور خوشی کرتا تھا، چنانچہ اس قدیم رسم کے مطابق یہاں بھی مسلمانوں کا مشرکین مکہ کی خواتین نے مثلہ کیا اور ان کے ناک اور کان کاٹ کر ان کے ہار بنائے، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی مثلہ کیا گیا۔

جب جنگ کا ہنگامہ سرد پڑ گیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاش میں نکلے، آپ نے انہیں اس حال میں دیکھا کہ ان کا مثلہ کیا ہوا ہے اور ان کے ناک اور کان کٹے ہوئے ہیں، شکم مبارک اور سینہ چاک ہے، یہ جگر خراش اور دل آزار منظر دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے اور آپ نے فرمایا کہ (اے حمزہ) تم پر اللہ کی رحمت ہو، جہاں تک مجھے معلوم ہے، تم بہت مخیر اور صلۂ رحمی کرنے والے تھے، اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "سید الشہداء" کا لقب عطا فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"حضرت حمزہ، اللہ کے نزدیک روز قیامت تمام شہیدوں کے سردار ہوں گے۔"

اسلام میں سلسلۂ شہادت بہت وسیع ہے اور عجیب عجیب شانوں اور امتیازی اوصاف کے حامل شہداء کی ایک طویل فہرست ہے، لیکن یہ اعزاز قسام ازل نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قسمت میں لکھا تھا کہ انہیں رہتی دنیا تک سید الشہداء کے لقب سے یاد رکھا جائے گا اور روز قیامت شہدا کے قافلے کی قیادت ان ہی کے ہاتھ میں ہوگی۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ:...... غزوۂ احد کے اسی معرکۂ خیر و شر اور حق و باطل میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بھی پیش آیا، اسلام کے اس قافلۂ شہادت میں جس میں امتیازی اوصاف رکھنے والے شہدا کی ایک طویل قطار موجود ہے، حضرت حنظلہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی شان یوں ممتاز اور دوسرے شہداء سے منفرد ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "غسیل ملائیکہ" کا خطاب ملا اور اس جہانِ فانی سے ماوراد وسرے جہان میں، انہیں فرشتوں نے غسل دیا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ کچھ اس طرح سے ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس غزوے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور کفار کے خلاف سرگرم عمل تھے، انہوں نے حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کا مقابلہ کرنے کی اجازت طلب کی، مگر رحمتہ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے یہ گوارا نہیں کیا کہ بیٹا، باپ کے مقابل آئے اور اس پر تلوار اٹھائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حنظلہ کو اس اقدام سے منع فرمادیا، لیکن جہاد میں حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کی جانب سے شریک تھے اور کفار کے مقابلے میں سینہ سپر بھی، انہوں نے کفار مکہ کے سالار ابوسفیان پر حملہ کیا جو بعد میں مسلمان ہوئے اور اپنی تمام صلاحیتیں اور سرگرمیاں اسلام کے لئے وقف کردیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ لیکن ابو سفیان ان کے وار سے محفوظ رہے اور ایک جانب سے اچانک شداد بن اسود نے پیچھے سے جھپٹ کر ان کے وار کو روکا اور پھر پلٹ کر حضرت حنظلہ پر حملہ کردیا اور ان کو شہید کردیا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ فرشتے حضرت حنظلہ ابن ابی عامر کو آسمان اور زمین کے درمیان سفید ابر کے پانی سے چاندی کے برتنوں میں غسل دے رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر ان کی اہلیہ سے صورت حال دریافت کی تو معلوم ہوا کہ وہ غسل کئے بغیر ہی آواز جہاد بلند ہونے پر جہاد کی غرض سے گھر سے نکل کر کھڑے ہوئے تھے، حالانکہ ان کو غسل کی حاجت تھی، مگر جب انہوں نے جہاد کے لئے پکار سنی تو ان کے جذبہ عمل نے اتنی تاخیر بھی قبول نہ کی کہ غسل ہی کر لیتے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو اس درجے قبول کیا کہ ان کے لئے ان کی روح کے علیین میں پہنچنے سے قبل ہی غسل کا انتظام فرمادیا اور انہیں فرشتوں کے معصوم اور نورانی ہاتھوں سے غسل دلایا گیا۔

حضرت ابواُسید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ہم نے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کو دیکھا تو ان کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔"

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت کو اس اعزاز کے ساتھ قبول کیا کہ وہ قیام قیامت تک آنے والوں کے لئے باعث رشک قرار پائی۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ:...... شہادتوں کے اسی تسلسل میں ایک اور واقعہ بھی خاص اہمیت کا حامل ہے، وہ واقعہ حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا ہے۔

صفر ۴ ہجری میں قبیلہ عضل اور قارہ کے کچھ لوگوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے قبیلے کے نومسلموں کو دین اسلام کی تعلیمات سکھانے کے لئے کچھ افراد ہمارے ساتھ بھیج دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کرام کو ان کے ہمراہ کردیا، ان میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بھی تھے، اس جماعت کا سربراہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا، راستے میں اس قافلے پر بنولحیان نے حملہ کردیا، اس حملے کے نتیجے میں کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید اور حضرت زید اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہما قید ہوگئے، قید کرنے والوں نے انہیں مکہ لے جاکر فروخت کردیا۔

جنگ بدر میں حارث بن عامر، مکہ کا ایک شخص حضرت خبیب کے ہاتھوں مارا گیا تھا، اس لئے اس کے بیٹوں نے حضرت خبیب کو خرید لیا اور قید کردیا، ایک روز انہیں شہید کرنے کا ارادہ کیا اور انہیں اس نیت سے حرم سے باہر لے گئے، حضرت خبیب نے ان سے کہا کہ مجھے

دو رکعت ادا کرنے کی مہلت دے دو، انہوں نے اجازت دے دی۔

نماز کے بعد انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس خیال سے نماز طویل نہیں کی کہ کہیں تم یہ گمان کرو کہ میں موت سے ڈر کر ایسا کررہا ہوں، یہ تھا جاں نثاران محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ شہادت، جس کے آگے نہ کوئی ٹھہر سکا، نہ کوئی بند باندھ سکا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد حارث کے بیٹے عقبہ نے انہیں سولی پر لٹکا کر شہید کردیا۔

اس طرح حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے قتل سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرنے کا طریقہ رائج کیا ہے۔

جب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا یہ واقعہ ہوا تو جبرائیل امین نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو جاکر خبیب کو سولی پر سے اتار لائے؟ اور اس کے بدلے جنت حاصل کرے؟ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میں اور میرے ساتھی مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ کام سرانجام دیں گے۔

چنانچہ یہ دونوں صحابہ کرام روانہ ہوگئے، یہ رات میں سفر کرتے اور دن میں چھپ جاتے، جب مقام تنعیم پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ سولی پر حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش لٹکی ہوئی ہے اور اس میں سے مشک کی خوشبو آرہی تھی، حالانکہ ان کو سولی پر چڑھے ہوئے چالیس روز ہوچکے تھے، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی لاش کو گھوڑے پر رکھ کر روانہ ہوگئے، جب پہرے داروں کی آنکھ کھلی اور انہیں اس واقعے کا علم ہوا تو انہوں نے قریش کو مطلع کیا، انہوں نے ستر سوار ان کے تعاقب میں روانہ کئے، جب یہ سوار قریب پہنچے تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کو زمین پر رکھ دیا، فوراً زمین شق ہوئی اور وہ حضرت خبیب کی لاش کو نگل گئی، اسی واقعے کے سبب حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "بلیع الارض" کہا جاتا ہے، یعنی "زمین کے نگلے ہوئے" اور شہادتوں کے اس سفر میں حضرت خبیب کی یہ امتیازی شان ہے۔

حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ واقعہ عرض کیا اور ان کو اس شجاعت و بہادری پر آسمان سے شاباش ملی، حضرت جبرائیل حاضر ہوئے اور انہوں نے فرمایا:

"ان دونوں پر فرشتے بہت فخر کرتے ہیں۔"

شہدائے بیر معونہ:...... شہادتوں کا یہ سفر جاری ہے، صفر ۴ ہجری ہی کا ذکر ہے کہ اس میں ایک امتیازی وصف کے حامل صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد نہایت مظلومانہ انداز میں اپنی قیمتی جانیں ایک عظیم مقصد یعنی دین اسلام کی سربلندی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے قربان کررہی ہے۔

ان صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کا امتیازی وصف یہ تھا کہ یہ تمام صحابہ کرام حفاظ ہونے کے ساتھ ساتھ قرا بھی تھے اور ان کی تعداد بخاری شریف کی روایت کے مطابق ۷۰ تھی۔

ایک ایسے وقت میں جبکہ اسلام مدینہ منورہ میں اپنے آغاز کے مراحل میں تھا اور مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، ان صحابہ کرام کی یہ قربانی نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

اس سانحے کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ابو براء عامر بن مالک مدینہ منورہ آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب معمول اسے دعوت اسلام دی۔

اس نے کچھ واضح جواب نہ دیا، البتہ یہ کہا کہ کچھ صحابہ کرام میرے ساتھ کردیں، جو اہل نجد کی طرف کو جائیں، مجھے امید ہے کہ وہ اسلام قبول کرلیں گے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اہل نجد کی طرف سے اندیشہ ہے، ابو براء نے کہا کہ میں ضامن ہوں،

آپ نے حضرت منذر بن عمرو سعدی رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر ستر صحابہ کرام کو روانہ کردیا۔

جب یہ بیر معونہ کے مقام پر پہنچے جو ایک کنویں کا نام تھا، تو اچانک رعل وذکوان قبائل کے لوگ نمودار ہوئے اور انہوں نے حملہ کردیا، صحابہ کرام اس صورت حال کے لئے قطعاً تیار نہ تھے، انہوں نے کہا کہ ہم لڑنے نہیں آئے۔ مگر وہ لوگ نہ مانے اور تمام صحابہ کرام کو بے دردی کے ساتھ شہید کردیا اور اس موقع پر موجود تمام صحابہ شہید ہوگئے۔ صرف چند صحابہ بچے، جو کسی سبب سے وہاں موجود نہ تھے۔

شہادت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ:...... آٹھ ہجری میں غزوۂ موتہ کا واقعہ پیش آیا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک سفیر حارث بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کے ایک امیر شرحبیل بن عمرو غسانی کی جانب سے شہید کردینے کی وجہ سے اس کا بدلہ لینے کے لئے ایک اسلامی لشکر روانہ فرمایا، جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تاکید فرمائی کہ اس کے امیر زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے، اگر وہ شہید ہوجائیں تو پھر حضرت جعفر بن ابی طالب اس کے امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو عبداللہ بن ابی رواحہ امیر مقرر ہوں گے اور اگر ان کی بھی شہادت ہوجائے تو مسلمان جسے چاہیں امیر مقرر کرلیں۔

چنانچہ اس موقع پر اسی ترتیب سے صحابہ کی شہادت واقع ہوئی، جب زید بن حارثہ کی شہادت کے بعد حضرت جعفر امیر بنے تو انہوں نے بے جگری سے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور وہ ہاتھ میں اسلامی علم تھام کر مردانہ وار لڑتے رہے، جب دشمنوں نے انہیں گھیر لیا تو انہوں نے سب سے پہلے گھوڑے سے اتر کر اپنے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار ماری اور پھر مقابلہ شروع کردیا، جب ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے علم اپنے بائیں ہاتھ میں تھام لیا، جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو انہوں نے علم کو گود میں لے لیا، مگر اسے گرنے نہ دیا، یہاں تک کہ وہ شہادت کے مرتبہ بلند پر فائز ہوگئے۔

اس وقت ان کی عمر تیس برس تھی، شہادت کے بعد جب ان کے جسم کو دیکھا گیا تو اس پر نوے کے قریب تلواروں اور نیزوں کے زخم تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی شہادت کی خبر ملی تو آپ نے صحابہ کو جمع کرکے مدینہ منورہ میں ان کے سامنے جنگ کا پورا نقشہ بیان کیا، جب آپ نے حضرت جعفر کی شہادت کا ذکر کیا تو فرمایا کہ میں نے جعفر کو ایک فرشتے کی شکل میں دو پروں کے ساتھ خون میں آلودہ دیکھا۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس امتیازی شہادت کی وجہ سے ان کا لقب ''جعفر طیار'' مشہور ہوا اور آج وہ اسی لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

شہادت عمر رضی اللہ عنہ:...... خلیفۂ ثانی امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے، آپ امیر المومنین تھے اور اسلامی تاریخ میں اپنے اقدامات، عدل وانصاف، نظم وضبط اور انتظام وانصرام کے لحاظ سے نہایت بلند مقام کے حامل ہیں، آپ کے فضائل بے شمار ہیں، جو کتب حدیث میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں، آپ کی سب سے اہم فضیلت یہ ہے کہ آپ کو زندگی ہی میں جنت اور شہادت دونوں کی بشارت دی گئی اور زبان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان دونوں نعمتوں کی خوشخبری سنی۔

آپ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک جب تریسٹھ برس ہوئی تو ایک روز آپ صبح کے وقت اپنے معمول کے مطابق نماز فجر ادا کرنے کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لے گئے، ابھی آپ نے نماز شروع کی ہی تھی کہ ایک مجوسی غلام ابولؤلو، محراب مسجد نبوی میں چھپا ہوا بیٹھا تھا، وہ آپ پر حملہ آور ہوا، اس کے ہاتھ میں زہر آلود خنجر تھا، اس نے

اپنے خنجر سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے شکم مبارک میں تین وار کئے، یہ وار اس قدر کاری تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے ہوش ہوکر گر گئے اور ان کی جگہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔

ابولؤلوء اس واردات کے بعد فرار ہونا چاہتا تھا، مگر نمازیوں کی تنی ہوئی صفوں کے درمیان سے اس کو راہ فرار نہ مل سکی، اس نے جب کوئی راستہ نہ دیکھا تو اس نے مزید صحابۂ کرام کو جو صف بستہ نماز کی ادائیگی میں مشغول تھے، زخمی کرنا شروع کردیا، اس کے حملوں سے تیرہ صحابہ کرام زخمی ہوئے، جن میں سے سات صحابہ کرام بعد میں شہید ہوگئے۔

اس دوران نماز ختم ہوگئی اور ابولؤلوء پکڑا گیا، مگر اس نے اس دوران اپنے ہی خنجر سے خودکشی کرلی، یہاں مسلمانوں کے حیرت انگیز نظم وضبط کا بے مثال مظاہرہ دیکھئے کہ اس قدر بڑا واقعہ رونما ہوا، وقت کا حکمران، سربراہ سلطنت قاتلانہ حملے میں زخمی ہوکر تڑپ رہا ہے، مگر مسلمانوں نے نماز کے عمل کو اس سے متاثر نہیں ہونے دیا اور اسے پورے اہتمام سے مکمل کیا۔

نماز کے بعد لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر گھر پر لے آئے، تھوڑی دیر کے بعد انہیں جب ہوش آیا تو ان کا پہلا سوال یہ تھا کہ میرا قاتل کون ہے؟ بتایا گیا کہ ابولؤلوء نامی مجوسی غلام ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر بلند کرکے اپنی مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میری شہادت ایک کافر کے ہاتھ سے ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حملے کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا، اس کی خبر آناً فاناً پورے شہر مدینہ میں پہنچ گئی اور سارا شہر افسردہ ہوگیا، آپ کے علاج کی کوشش کی گئی مگر کارگر نہ ہوئی، اسی دوران مسلمانوں کے خلیفہ کے لئے انتخاب کی غرض سے آپ نے چھ رکنی کمیٹی قائم فرمائی، جو اس حالت میں بھی آپ کی مسلمانوں کے معاملات میں آپ کی دلچسپی اور بیدار ذہن کی دلیل ہے۔

اسی دوران حالت نزع شروع ہوئی اور یکم محرم الحرام ۲۳ھ کو آپ نے جان جان آفریں کے سپرد کردی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آسودۂ خاک ہوئے۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ:...... شہادتوں کا یہ سفر کافی فاصلہ طے کرچکا ہے اور اب خلافت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اختتام ہو رہا ہے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا تذکرہ پتھر سے پتھر دل کو بھی موم کردینے کے لئے کافی ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت درحقیقت یہودی سازش کا نقطۂ آغاز تھا۔

اس سازش کا سب سے اہم کردار عبداللہ ابن سبا تھا، جسے تاریخ منافق یہودی کا درجہ دیتی ہے، حضرت عثمان غنی کی مظلومانہ شہادت کا قصہ اختصار کے ساتھ کچھ اس طرح سے ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری ایام خلافت میں بیرونی سازشوں کے نتیجے میں آپ کی خلافت کی مخالفت شروع ہوئی، جس کو بنیاد بنا کر ایک گروہ آپ رضی اللہ عنہ کا مخالف ہوگیا، اس کے چند اعتراضات تھے، جن کا حقائق کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو ان میں صداقت اور حقیقت کا شائبہ تک نہیں۔

شورش بپا کرنے والوں نے آخرکار مدینہ منورہ پر حملہ کیا اور بعض جلیل القدر صحابہ کرام کے سمجھانے پر ایک بار تو واپس ہوگئے، مگر پھر فوراً ہی راستے سے پلٹ کر آگئے، آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا، ان کا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بار خلافت سے سبکدوش ہوجائیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے خلافت کا جو لباس مجھے پہنایا ہے، وہ میں اپنے ہاتھوں سے نہیں اتاروں گا، لیکن باغی شورش پر آمادہ دکھائی دیتے تھے، انہوں نے یہ تک کہہ دیا کہ اگر تم خلافت سے دست بردار نہ ہوئے تو تمہیں قتل کردیا جائے گا اور اگر کوئی اور شخص ہماری راہ میں مزاحم ہوا تو اس

کا بھی ہم مقابلہ کریں گے۔ لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پایۂ ثبات میں یہ سن کر بھی کوئی لغزش نہ آئی اور انہوں نے فرمادیا کہ میں خلافت سے دست بردار نہیں ہوں گا، لیکن میں کسی کو تم سے لڑنے کے لئے بھی نہیں کہوں گا اور اگر کوئی ایسا کرے گا، تو میری مرضی اور حکم کے خلاف کرے گا، میں مدینۃ الرسول میں خون بہانا نہیں چاہتا، مگر باغی بالکل ٹس سے مس نہ ہوئے اور انہوں نے کاشانۂ خلافت کا اس قدر سختی سے محاصرہ کرلیا کہ وہاں کوئی چیز نہ آسکتی تھی، نہ جاسکتی تھی۔

اس وقت جاں نثاروں کی ایک جماعت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کا عزم کیا، مگر آپ نے بہ اصرار انہیں وہاں سے رخصت کردیا، چند نوجوان صحابہ البتہ وہاں سے نہ گئے، ان میں سیدنا حسین، ابن عباس، محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم شامل تھے، ان باغیوں نے بالآخر پانی تک بند کردیا، محاصرے کی شدت اور حالات کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا باغیوں کو سمجھانے کے لئے تشریف لائیں، مگر انہوں نے ان کی شان میں بھی گستاخی کی اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے سواری کے خچر کو زخمی کرکے گرادیا، چند افراد نے آپ رضی اللہ عنہ کو وہاں سے نکال کر محفوظ مقام پر پہنچایا۔

اس وقت مدینہ منورہ کی حالت نہایت خطرناک تھی، باغیوں کے سامنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بھی اپنے آپ کو بے بس تصور کررہے تھے، یہ حالات دیکھ کر بہت سے حضرات مدینہ منورہ سے چلے گئے، کچھ لوگوں نے گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ آخری وقت تک باغیوں کو سمجھاتے رہے، لیکن باغیوں نے انہیں بھی بے بس کردیا تھا، چنانچہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں آخری مرتبہ بلایا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جانے کا ارادہ کیا، مگر آپ کو زبردستی روک لیا گیا، یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا عمامہ اتار کر قاصد کو دیا اور فرمایا کہ جو صورت حال ہے، وہ جا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہہ دو۔

درحقیقت یہ ساری صورت حال اسلام کے خلاف تھی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو خوب سمجھ رہے تھے، انہوں نے محاصرے کے دوران باغیوں سے کئی بار خطاب کیا اور ان کی توجہ حقائق کی جانب دلانے کی کوشش کی، مگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکے، انہوں نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:

''اے لوگو، تم مجھے قتل نہ کرو، میں تمہارا حاکم اور مسلمان بھائی ہوں، بخدا میں تو بساط بھر تمہاری اصلاح کا خواہاں ہوں، یاد رکھو، اگر تم نے مجھے قتل کردیا تو پھر تا قیامت تم نہ تو ایک ساتھ نماز ادا کرسکو گے، نہ ایک ساتھ جہاد کروگے اور نہ ہی تم اپنا مال غنیمت باہم تقسیم کرپاؤ گے۔''

اور ایک بار فرمایا:...... ''میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آگئے، تو مسجد بہت تنگ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس زمین کے ٹکڑے کو کون خرید کر مسلمان کے لئے وقف کرتا ہے؟ اس کو جنت میں اس سے بہتر جگہ ملے گی، اس وقت میں نے ارشاد کی تعمیل کی اور زمین کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا، آج تم مجھے اسی مسجد میں دو رکعت نماز تک پڑھنے سے روک رہے ہو؟ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں بیر رومہ کے علاوہ میٹھے پانی کا دوسرا کوئی کنواں نہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے کون خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کرتا ہے، اسے جنت میں اس سے بہتر ملے گا، تو میں نے اس کو خرید کر وقف کیا اور آج تم مجھے اسی کنویں کا پانی پینے سے منع کررہے ہو؟''

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اور یہ مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں، اس لئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی مسلمان کا قتل تین صورتوں کے علاوہ کسی صورت میں جائز نہیں، ایک تو ایسا شخص جس نے اسلام کے بعد کفر اختیار کرلیا ہو، یا اس نے شادی شدہ ہونے کے بعد بدکاری کی، یا کسی شخص کو بغیر کسی جرم کے قتل کیا، سو خدا کی قسم میں نہ تو دور جاہلیت میں اور نہ کبھی اسلام لانے کے بعد بدکاری کا مرتکب ہوا، نہ میں نے اسلام لانے کے بعد اس کے بدلے میں کسی اور مذہب کی تمنا کی اور نہ میں نے کسی بے گناہ کو قتل کیا، سو یہ مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں؟''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے طور پر بہت کوشش کی کہ باغی اپنے مذموم ارادوں سے باز آجائیں، مگر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوسکے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک بڑی تعداد نے عرض کی کہ ہمیں لڑنے اور باغیوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت دیں، مگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑائی سے سختی سے منع کیا، ان کی آخری دم تک یہ خواہش رہی کہ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں خونریزی نہ ہو، پھر جب بعض صحابہ نے یہ مشورہ دیا کہ آپ مکہ مکرمہ یا شام کی طرف نکل جائیں تو فرمایا کہ میں دار ہجرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوس نہیں چھوڑ سکتا۔

درحقیقت انہیں معلوم ہوچکا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہونے کا وقت آپہنچا ہے اور ان کا وقت شہادت قریب آگیا ہے، اسی محاصرے کے دوران، جمعہ کا دن آپہنچا، آپ نے روزہ رکھا، نیا پاجامہ زیب تن کیا، بیس غلام آزاد کئے اور قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف ہوگئے، مکان کے دروازے پر حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ باغیوں کو روکے ہوئے تھے، مگر باغیوں نے دروازے کو آگ لگادی اور مکان کی پچھلی جانب سے کچھ باغی گھر میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے، اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تلاوت میں مصروف تھے، ایک شخص نے آگے بڑھ کر قرآن کریم کو ٹھکرادیا، ایک دوسرے شخص نے پیشانی پر حملہ کیا، جس سے خون ابل پڑا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ گر پڑے، اس کے بعد ایک شخص نے آپ کے سینۂ مبارک پر چڑھ کر کئی وار کئے جس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے، اس دوران آپ کی اہلیہ محترمہ آپ کو بچانے کے لئے آگے بڑھیں تو ان کی تین انگلیاں بھی حملے کی زد میں آکر کٹ گئیں۔

آپ جس وقت شہید ہوئے، اس وقت یہ آیات تلاوت فرمارہے تھے۔

﴿فسیکفیکھم اللہ وھو انسمیع العلیم﴾

پس تمہیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ سننے والا، جاننے والا ہے۔

آپ کی شہادت کا حادثہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو پیش آیا اور اس پر مزید ستم یہ ہوا کہ آپ کی لاش دو روز تک پڑی رہی، کسی کو تدفین تک کی اجازت نہیں تھی، تیسرے روز چند افراد نے ہمت کرکے جنازہ اٹھایا، جنازہ اٹھانے والے صرف چار آدمی تھے اور کابل اور مراکش تک بلا شرکت غیرے فرمانروا کو صرف سترہ افراد کی مختصر سی جماعت نے جنت البقیع میں خفیہ طور پر دفن کردیا۔

یہ تھی شہید مظلوم کی بے دردانہ، مظلومانہ شہادت جو تاریخ اسلام میں اپنی نوعیت کی واحد شہادت تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ:...... اسلام کے لئے شہادتیں پیش کرنے کا سلسلہ جاری ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ دوسرے خلیفۂ وقت تھے، جو شہید ہوئے، ان کے بعد خلیفۂ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شہادت کے مرتبے سے سرفراز ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ اس طرح ہے کہ مکہ مکرمہ میں تین خارجیوں نے مل کر حضرت عمرو بن العاص، حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کو شہید کرنے کی سازش تیار کی، باقی دو تو اپنی سازش میں کامیاب نہ ہوسکے، البتہ عبدالرحمٰن بن ملجم اپنی سازش

میں کامیاب ہوگیا، اس نے ایک اور خارجی شبیب اشجعی کو شریک کرلیا۔

ایک روز نماز فجر پڑھانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر نکلے، یہ دونوں راستے میں ہی چھپے ہوئے تھے، ان دونوں نے فوراً حملہ کردیا، زخم کاری لگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو آواز دی، لوگوں نے چاروں طرف سے اس پر دھاوا بول دیا، ابن ملجم تو پکڑا گیا البتہ اس کا ساتھی فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

اسے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اسے اچھا کھانا اور نرم بستر دو، اگر میں زندہ رہا تو اس کے بارے میں خود فیصلہ کروں گا اور اگر میں وفات پا گیا تو اسے بھی میرے پاس پہنچا دینا، اس کا معاملہ رب العالمین کے سامنے پیش کردوں گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز اور ہفتے کی رات اسی حالت میں رہے اور اکیس رمضان المبارک، اتوار کی رات کو وفات پا گئے اور شہادت کے مرتبہ عظمیٰ پر فائز ہوئے اور اپنے پیش رو خلفائے ثلاثہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے، یہ سن ۴۰ ہجری کا واقعہ ہے۔

خلاصہ:..... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہونے کا شرف پانے والوں کے سب سے پہلے طبقے کی جاں نثاری و جاں فروشی کے یہ چند مظاہر پیش کئے گئے، سلسلہ شہادت کی ہر کڑی کا ذکر یہاں مقصود نہیں، نہ یہ ممکن ہے، صرف چند جھلکیاں پیش کرنا مقصود تھی، صرف ان واقعات کا ذکر کیا گیا جو اپنی کسی خصوصیت کے سبب خاص شان اور امتیازی خصوصیت کی حامل تھیں، اسی سلسلے کی اہم کڑی شہادت حسین رضی اللہ عنہ ہے، جو درحقیقت اس سلسلۂ شہادت کا نقطۂ عروج ہے۔

☆......☆......☆

شہادت حسین رضی اللہ عنہ

شہادت حسین رضی اللہ عنہ، اسلام کے باب شہادت کا درخشاں عنوان ہے، درحقیقت آغاز اسلام سے ہی شہادتوں کے جس سلسلے کا آغاز ہوا تھا اور جہاں سپاہی اور فدائیت کے جس قافلے نے اپنا سفر شروع کیا تھا، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اس کا نقطۂ عروج ہے۔

حضرت سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما، امیر المومنین خلیفۂ چہارم حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لخت جگر اور اس نسبت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد یہ شرف حاصل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوا اور اس طرح ان کی خاندان نبوت سے براہ راست نسبت اور تعلق قائم ہوا، پھر ایک اور شرف خاص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ مزید حاصل ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا سلسلۂ اولاد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی اس اولاد سے چلا، جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تھیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ۲ ہجری میں ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس نکاح کا پیغام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشورے سے دیا تھا۔ پھر جب نکاح کا مرحلہ آیا اور اخراجات کا مسئلہ درپیش ہوا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر تعاون کیا۔

خاندان نبوت کی اس یادگار تقریب کی ایک اور قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ مدینہ منورہ کی پہلی اسلامی ریاست کے فرمانروا اور دونوں جہانوں کے سردار، سرور انبیاء خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی اس چہیتی صاحبزادی کو جہیز میں صرف ایک چارپائی اور ایک تکیہ دیا تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشک بھی دی تھی۔ روایات میں یہ بھی آیا

ہے کہ نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا تھا۔

ولادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ:..... حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت سن چھ ہجری میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت سے تین برس بعد ہوئی، حضرت حسن کی ولادت کا سال تین ہجری ذکر کیا جاتا ہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ۵۴ برس کی عمر پائی اور ۶۰ ہجری میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی تحنیک فرمائی اور کھجور اپنے منہ مبارک سے چبا کر اور نرم کر کے انہیں کھلائی اور ان کے لئے دعا فرمائی اور ان کا نام حسین تجویز کیا اور ساتویں روز حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت:..... حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں تقریباً پانچ سال رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کے ساتھ محبت و شفقت اور اکرام و اعزاز کا معاملہ کیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے بڑے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہر دور میں اور ہر عہد میں خاندان نبوت سے تعلق و نسبت کے سبب خاص اہمیت حاصل رہی، پھر اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ شریک حکومت و خلافت رہے، اس معنی میں کہ ان کے ہمراہ اہم مہموں میں شرکت کی اور ہر اہم موڑ پر ان کی ہمراہی کی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے والد کی بڑی عزت و توقیر فرماتے تھے اور مؤرخین لکھتے ہیں کہ آپ تادم وفات اپنے والد کے اطاعت گزار اور فرمانبردار رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد چھ ماہ کے مختصر عرصے کے لئے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے، اس عرصے میں بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے بڑے بھائی کے دست راست رہے، پھر جب حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح ہوئی تو اس وقت بھی حضرت حسین، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے اور ان کے اس فیصلے کو قبول کیا۔

عزم و استقلال:..... حضرت حسین رضی اللہ عنہ حق کے علم بردار اور ٹھوس و مضبوط خیالات کے حامل اور ہر صورت میں اپنے عزائم و ارادوں کو عملی جامہ پہنانے والے تھے، ان کے سامنے صرف دو راہیں ہوتی تھیں، بات اگر سمجھ میں آجائے اور درست معلوم ہو تو اس کو دل و جان سے تسلیم کرنا اور اس پر عمل کر گزرنا، ورنہ بصورت دیگر اس کے خلاف ڈٹ جانا، واقعۂ کربلا کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ان کی شخصیت کے یہ دونوں پہلو اس واقعے میں موجود نظر آتے ہیں، اس واقعے پر گفتگو سے پہلے بہتر ہوگا کہ ہم اس واقعے کے ایک فریق اہل کوفہ کے مزاج اور اس واقعے میں ان کے کردار پر غور کرلیں۔

کوفے کی بنیاد:..... کوفے کی بنیاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پڑی تھی اور مختلف عرب قبائل جو عراق کے محاذ پر جہاد میں مصروف عمل تھے، ان کے اہل خانہ کو لے کر یہ نیا شہر بسایا گیا تھا، اس طرح قدرتی طور پر یہ شہر مسلمانوں کی سب سے بڑی چھاؤنی بن گیا اور ان کی جنگی طاقت کا مرکز قرار پایا، لیکن نامعلوم عوامل و اسباب کی بنا پر اس شہر کے رہنے والوں کے مزاج کی ایک خصوصیت ہر دور میں مشہور رہی، یہ ان کی تلون مزاجی تھی، ان کے مزاج میں عدم استقلال کا پہلو بہت نمایاں طور پر موجود تھا، نئے حکمرانوں کو فوراً قبول کرنا اور جلد ہی ان سے بے زار ہونا، ناراض ہو جانا اور مرکز میں ان کے متعلق شکایات بھیجنا اور اپنے لئے نئے حکمرانوں کا مطالبہ کرنا، ان کے اسی مزاج کے سبب تھا، ان کا یہ مزاج حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے

عہد مبارک اور طویل زمانہ خلافت میں پوری شدت اور حشر سامانیوں کے ساتھ موجود رہا۔

کوفہ بطور دارالخلافہ:...... حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دورِ مبارک آیا، تو انہوں نے خلافت سے متعلق ایک اہم فیصلہ کیا، چونکہ وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعے میں یہ افسوسناک صورت حال دیکھ چکے تھے کہ مدینہ منورہ کی پاک سرزمین اور حرم اطہر کا مقدس حصہ انگنت خطرات کی لپیٹ میں آ گیا تھا، جن کو حضرت عثمان نے اپنے بے پناہ عمل استقلال اور سب سے بڑھ کر اپنے پاک خون کی قربانی دے کر ٹال دیا تھا، غالباً اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے قصرِ خلافت کو کوفے منتقل کرنے کا ارادہ کیا اور وہاں منتقل ہو گئے اور نتیجتاً اہل کوفہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اصل طاقت ٹھہرے اور آپ رضی اللہ عنہ کو اولاً ان ہی کی قوت پر انحصار کرنا پڑا۔

اہل کوفہ کا کردار:...... مگر یہ سلسلہ تادیر جاری نہ رہ سکا، ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ اہل کوفہ کی تلون مزاجی، انتشار پسندی اور بے استقامتی نے اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا اور بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے بارے میں یہاں تک کہنا پڑا:

''سب سے بڑا دھوکہ کھانے والا وہ ہے، جس نے تم پر اعتماد کیا۔''

یہی سبب رہا کہ اپنی خلافت کے آخری ایام تک حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر اہل کوفہ سے نالاں ہی رہے، یہاں تک کہ کوفہ ہی کی سرزمین پر انہوں نے جام شہادت نوش فرمالیا۔

اہل کوفہ کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کیا تھی؟ اس کی جھلک ان کے ایک خطبے کے اس مختصر سے ٹکڑے میں ملاحظہ کیجئے، جو ''نہج البلاغۃ'' میں مذکور ہے، فرمایا:

''اے وہ گروہ کہ جب بھی میں نے تمہیں کسی بات کا حکم دیا، تو تم نے اس کی اطاعت نہ کی اور جب کسی کام کی طرف بلایا تو دعوت قبول نہ کی، اگر تمہیں ذرا سی بھی مہلت مل جاتی ہے تو تم فضولیات میں لگ جاتے ہو، اور اگر تم پر دشمن حملہ آور ہو جائے تو بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہو اور جب لوگ کسی امام پر جمع ہو جائیں تو تم کیڑے نکالتے ہو، ہائے افسوس تم پر۔''

اہل کوفہ کا یہ کردار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد بھی برقرار رہا، حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کی تو اہل کوفہ ہی تھے جنہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خیمے پر حملہ کر دیا، ان کا سامان بھی لوٹا اور انہیں زخمی بھی کیا۔

دراصل یہی اہل کوفہ تھے جو شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا سبب بنے۔ واقعات و حادثات کے کردار البتہ مختلف اوقات میں تبدیل ہوتے رہے۔

واقعہ کربلا کا پس منظر:...... واقعۂ کربلا کا مختصراً پس منظر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اپنے فرزند یزید کو ولی عہد مقرر کیا، جس کا سبب ان کی نظر میں یہ تھا کہ وہ اپنی زندگی میں ہی کسی کو اپنے بعد کے لئے بار خلافت سونپ دینا چاہتے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ اگر میں نے یہ فیصلہ نہ کیا تو میں ڈرتا ہوں کہ رعیت کو اپنے بعد ایسے چھوڑ جاؤں جیسے بارش میں بکریاں کہ جن کا کوئی چرواہا نہ ہو۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب اس اہم فیصلے کا نفاذ کر رہے تھے، اسی دوران انہوں نے ایک روز اپنے خطبے میں دعا کی:

''اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یزید کو اس کی اہلیت کی بنا پر ولی عہد بنایا ہے تو اس معاملے کو تکمیل تک پہنچا اور اگر میرا یہ کام اس سے محبت اور تعلق خاطر کی بنا پر ہے تو، تو اس کو پورا نہ ہونے دے۔''

یزید کی ولی عہدی کے اس معاملے میں اس وقت موجود کئی ایک بڑے اکابرین کو اختلاف تھا، وہ اسے خلفائے راشدین کی طرز سے انحراف تصور کرتے تھے اور باپ کے بعد بیٹے کی بطور ولی عہد اور بعد ازاں خلیفہ

وقت تقرری کو اسلامی طرز سیاست کی مخالفت تصور کرتے تھے اور چونکہ ان کا یہ طے شدہ موقف تھا، اس لئے وہ اپنے اس موقف پر عمل کرنے میں پوری طرح حق بجانب تھے، یہ موقف رکھنے والوں میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، ان کے علاوہ دیگر حضرات کے ساتھ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا نام بھی آیا ہے۔

۶۰ ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، ان کی وفات کے بعد خلافت کے امور اور ریاست کے معاملات یزید کے سپرد ہوئے، اس سے قبل بلکہ بہت عرصے پہلے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہی اہل کوفہ نے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس اس مضمون کے پیغامات بھیجنا شروع کر دیئے تھے کہ آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دیں ہم آپ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں، مگر چونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر چکے تھے اور ان سے مصالحت کے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر کاربند بھی تھے، اس لئے انہوں نے اہل کوفہ کے پیغامات کا مثبت جواب نہیں دیا اور اہل کوفہ کی جانب سے مسلسل اس قسم کے پیغامات آنے کے باوجود کہ آپ مدینہ منورہ سے نکل کر کوفہ تشریف لے آئیں، حضرت رضی اللہ عنہ مسلسل اس سے انکار کرتے رہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مکہ روانگی:...... یزید کی جانب سے امور حکومت سنبھالنے کے بعد مدینہ کے گورنر ولید بن عقبہ کے نام پر یہ پیغام آیا کہ وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے مطلع کریں اور یزید کے لئے ان سے بیعت لیں، ولید نے یہ خبر ملنے کے بعد ان حضرات کو بلایا، اس کی دعوت پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ پہنچے تو اس نے واقعے کی خبر دی اور حکم نامے کی عبارت سے آگاہ کیا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر تعزیتی کلمات کہے اور بیعت سے عذر کیا اور کہا:

''میرے جیسا آدمی خفیہ بیعت تو نہیں کر سکتا اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ تم میری اس خاموشی سے کی ہوئی بیعت کو کافی سمجھو گے، اس لئے ضروری یہ ہے کہ یہ بیعت علانیہ لوگوں کے سامنے ہو، جب تم لوگوں کو بیعت کرنے کے لئے بلاؤ گے تو ہمیں بھی طلب کر لینا، سو یہ کام اکٹھے ہی انجام پا جائے گا۔''

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ موقف قبول کر لیا گیا، اسی رات کو ابن زبیر رضی اللہ عنہ تو وہاں سے نکل کر مکے چلے گئے اور اگلے روز حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی مکے کی راہ لی، حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی مکے کو روانگی ۲۷، یا ۲۸ رجب، ۶۰ ہجری کو یکشنبہ کی رات میں کسی وقت ہوئی۔

حضرت ابن زبیر نے تو اپنے ساتھ صرف اپنے بھائی جعفر بن زبیر کو لیا تھا اور انہوں نے عام راستے کو چھوڑتے ہوئے، اس سفر کے لئے ایک ذیلی راستے کو اختیار کیا، اس وجہ سے ان کا تعاقب کرنے والوں کو ان کی تلاش کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی اور وہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو ڈھونڈنے اور پکڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اس کے برعکس حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے پورے کنبے کے ساتھ سفر کیا اور اپنے چھوٹے بھائی محمد بن حنفیہ کے علاوہ بھی بیٹوں، بھائیوں اور بھتیجوں کو ساتھ لیا، نیز یہ سفر بھی عام راستے پر کیا اور مشورہ دینے والوں کے اس مشورے کے باوجود کہ عام شاہراہ کو سفر کے لئے اختیار نہ کیا جائے، انہوں نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا جبکہ ایک اور اہم بات یہ سامنے آتی ہے کہ ان کا تعاقب بھی نہیں کیا گیا، چنانچہ وہ اسی عام شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے جو مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جانے کے لئے استعمال ہوتی تھی، ۴ شعبان المعظم، ۶۰ ہجری کو بخیر و عافیت پورے قافلے

کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچ گئے۔

مکہ پہنچنے کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کسی کو بھیجا تا کہ مدینے میں بنی عبدالمطلب میں سے جو لوگ ان کے ساتھ آنے سے رہ گئے، وہ بھی آجائیں، چنانچہ بہت سے لوگ آگئے اور آخر میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی محمد بن حنفیہ جو ان کے ساتھ نہیں آئے تھے، وہ بھی مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔

محمد بن حنفیہ کا مشورہ:...... اس سے پہلے جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لا رہے تھے، تو حضرت محمد بن حنفیہ نے انہیں مشورہ دیا اور اس بارے میں اپنی رائے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

"اے جان برادر، آپ مجھے دنیا میں سب سے بڑھ کر عزیز ہیں، آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے جس کے لئے میں خیر خواہی بچا کر رکھوں، میری گزارش یہ ہے کہ آپ جا تو رہے ہیں، مگر فوراً ہی کسی شہر کا ارادہ مت کیجئے گا، بلکہ شہروں سے دور رہتے ہوئے اپنے آدمی مختلف علاقوں میں بھیجئے اور اپنی بیعت کی دعوت دیجئے اگر لوگ قبول کرلیں تو اللہ کا شکر کریں۔"

مزید کہا:

"مجھے ڈر ہے کہ مبادا آپ اچانک کسی بڑے شہر کا رخ کرلیں اور پھر وہاں کے لوگوں کے دو گروہ ہوجائیں اور جنگ بپا ہوجائے جس کا پہلا نشانہ خود آپ ہی بن جائیں، اگر آپ کو کسی شہر جانا ہی ہے تو بس مکے کا رخ کریں اور وہاں کے حالات آپ کے لئے بہتر ہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ پھر سفر کا آغاز کردیجئے، شہروں سے دور رہتے ہوئے علاقہ در علاقہ گھومئے تا کہ پتہ چلے کہ حالات کیا ہیں؟ اور لوگ کیا سوچ رہے ہیں، اس کے بعد آپ کی جو رائے قائم ہوگی، وہی صحیح رائے ہوگی۔"

بعد کے حالات نے ثابت کردیا کہ حضرت محمد بن حنفیہ کا تجزیہ بالکل درست تھا اور انہوں نے صحیح طور پر پیش آنے والے خطرات کی نشاندہی کی تھی، لیکن حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ یہ تھا کہ ان کو اہل کوفہ کی جانب سے برابر دعوت مل رہی تھی اور ان کے آنے والے خطوط کی تعداد اس قدر تھی کہ ان کو نظر انداز کرنا حضرت حسین کے لئے ممکن نہیں رہا تھا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد اس میں مزید اضافہ ہوگیا اور لوگوں کی آمدورفت بھی شروع ہوگئی اور تاریخ میں یہ خبر ملتی ہے کہ یکے بعد دیگرے کوئی چار پانچ مرتبہ میں ڈیڑھ سو کے قریب خطوط پہنچے، یہ تمام خطوط نمایاں اور سرکردہ افراد کی طرف سے تھے اور ان خطوط میں لکھنے والوں کے نام کی صراحت کی گئی تھی اور یہ تک تحریر تھا کہ ہم حکومت کے مقرر کردہ گورنر کے پیچھے جمعہ اور عیدین کی نمازیں تک نہیں پڑھتے اور آپ کے آتے ہی ہم اس کا بستر بوریا گول کردیں گے۔

مسلم بن عقیل کی روانگی:...... یہ تمام خطوط پڑھ کر اور اہل کوفہ کے قاصدوں کی زبانی پیغامات سن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے وہاں تشریف لے جانے کا ارادہ کرلیا، لیکن حتمی پروگرام کو اس خبر کی تصدیق ہونے تک مؤخر کردیا اور اہل کوفہ کے عزائم اور دعوؤں کی تصدیق کے لئے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کا نام تجویز کیا اور اہل کوفہ کو یہ خط تحریر کیا:

"میں اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو تمہارے پاس روانہ کررہا ہوں تا کہ یہ میری نیابت کرتے ہوئے حالات کا جائزہ لیں اور پھر مجھے مطلع کریں، پس اگر انہوں نے اپنے اطمینان کا اظہار کیا اور مجھے یہ تحریر کیا کہ آپ لوگ جو کچھ مجھے لکھ رہے ہیں، اس پر آپ کے ہاں تمام معززین اور اہل رائے کا اتفاق ہے، تو میں فوراً چلا آؤں گا، کیونکہ بلاشبہ امام تو وہی ہے جو کتاب اللہ کے احکامات پر عمل پیرا ہو اور انصاف کا خوگر، نیز وہ حق کا تابع ہو اور اپنے آپ کو ذات حق سے وابستہ رکھنے والا ہو۔"

اس خط کے ساتھ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عقیل کو دو کوفیوں کے ساتھ روانہ کردیا، حضرت مسلم بن عقیل کے کوفے پہنچتے ہی ان لوگوں کی ان کے پاس آمدورفت شروع ہوگئی جو اپنے آپ کو حضرت علی اور حضرت حسنین رضوان اللہ علیہم کا ہمدرد قرار دیتے تھے اور مختصر سے عرصے میں کوئی ۱۸ ہزار کے لگ بھگ افراد نے ان کی بیعت کرلی، اہل کوفہ کا یہ جوش وخروش دیکھ کر حضرت مسلم نے فوراً ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر اس پیش رفت سے آگاہ کیا اور انہیں دعوت دی کہ آپ تشریف لے آئیں۔

ابن زیادہ کا تقرر:...... دوسری جانب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے ہی سے کوفے کے گورنر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ تھے، جو ایک معروف انصاری صحابی تھے، وہ مزاج کے اعتبار سے، خصوصاً خاندان نبوت کے لئے بہت زیادہ نرم گوشہ رکھتے تھے اس لئے انہوں نے اہل کوفہ کو کسی امکانی شورش سے باز رکھنے کے لئے تنبیہ تو کی مگر کوئی سخت قدم نہ اٹھایا، یہ دیکھ کر وہ لوگ جو حضرت حسین سمیت خاندان نبوت سے عداوتیں رکھتے تھے، انہوں نے مرکز کو مطلع کیا اور حضرت نعمان بن بشیر کی پالیسی کو بہت کچھ بڑھا چڑھا کر کچھ اس طرح سے پیش کیا کہ یزید نے فوراً انہیں بدلنے کا فیصلہ کرلیا اور اس نے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کی جگہ عبید اللہ بن زیاد کا تقرر کردیا۔

عبید اللہ بن زیاد اس سے قبل بصرہ کا حاکم تھا اور ایک سخت گیر حاکم کی شہرت رکھتا تھا، اس نے آتے ہی لوگوں کو جمع کیا اور ایک سخت ترین تقریر کی، جس میں اہل کوفہ کو کسی بھی مخالف حکومت اقدام سے باز رہنے کی سختی سے تاکید کی، اس دوران اسے حضرت مسلم بن عقیل کی کوفے میں موجودگی کی اطلاع بھی مل گئی، حضرت مسلم کوفے پہنچ کر مختار بن ابی عبید کے گھر ٹھہرے تھے، حالات سازگار نہ دیکھ کر وہ ہانی بن عروہ کے گھر آگئے، مگر یہ خبر بھی ابن زیاد کو پہنچ گئی، اس نے ہانی کو بلا کر انہیں مجبور کیا کہ وہ حضرت مسلم کو ان کے حوالے کردیں، مگر وہ اس پر تیار نہیں ہوئے تو ان پر سختی کی گئی۔

مسلم بن عقیل کی شہادت:...... یہ اطلاع کسی طرح ان کے گھر پہنچ گئی، یہ خبر ملتے ہی حضرت مسلم نے وہاں سے نکلنے کی تدبیر کی اور سمجھ میں یہی آیا کہ جو لوگ بیعت کرچکے ہیں، ان کو بلا کر گورنر ہاؤس پر حملہ کردیں، اب اہل کوفہ کی تلون مزاجی ملاحظہ کیجئے کہ وہ ۱۸ ہزار جو حضرت مسلم کے ہاتھ پر خلافت حسین کے لئے بیعت کرچکے تھے، جب موقع آیا تو صرف ۴ ہزار بچے، حضرت مسلم جب انہیں لے کر گورنر ہاؤس پہنچے تو ابن زیاد نے مختلف تدابیر سے کام لے کر یہ ساری بھیڑ منتشر کرادی اور آخر میں حضرت مسلم ہی تنہا بچے۔

چونکہ رات ہوچکی تھی، اس لئے وہ رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہیں روپوش ہوگئے، مگر دن کی روشنی پھیلتے ہی ان کا سراغ ابن زیاد کو مل گیا اور ان کو اور ان کے ساتھ ہانی بن عروہ کو مفسد اور باغی قرار دے کر قتل کرادیا، یہ سانحہ ۹ ذی الحج کا بتایا جاتا ہے۔

اس سے قبل حضرت مسلم کا خط ملتے ہی ۸ ذی الحج کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے قافلے کے ہمراہ کوفے کی جانب روانہ ہوچکے تھے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب مکہ سے کوفے کی جانب روانہ ہوئے تو پھر بہت سے خیر خواہوں نے انہیں اہل کوفہ کی طبیعت اور کردار کی جانب توجہ دلائی اور انہیں اطمینان کئے بغیر اس طرح عورتوں اور بچوں کے ساتھ سفر کرنے سے منع کیا۔

ابوبکر بن عبدالرحمٰن کا مشورہ:...... مکہ کے مشہور فقہائے سبعہ یعنی سات علمائے فقہ میں سے ایک معروف عالم حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے گزارش کی:

"آپ ایک ایسے ملک کا ارادہ فرما رہے ہیں، جو

خالی نہیں ہے بلکہ وہاں افراد موجود ہیں، جن کے ہاتھ میں خزانے ہیں اور ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ روپے پیسے کے بندے ہیں، پس وہی لوگ، جنہوں نے آپ کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے، آپ سے لڑنے والے ہوں گے۔“

اور بعد میں پیش آنے والے واقعات نے ثابت کیا کہ ان کا یہ مشورہ بھی بالکل بجا تھا۔

مسلم بن عقیل کی شہادت کی اطلاع:...... حضرت مسلم بن عقیل کو جب گرفتاری کے بعد لے جایا جارہا تھا تو محمد بن اشعث اس وقت موجود تھے، ان سے حضرت مسلم نے کہا کہ کسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اطلاع کرادو کہ حالات اب سازگار نہیں رہے، یہ اطلاع بہت اہم تھی، مگر اسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتے پہنچتے کافی وقت لگا اور انہیں یہ خط اس وقت ملا، جب وہ کوفے کے قریب آچکے تھے اور ذی الحجہ کا اختتام یا محرم کا آغاز ہورہا تھا، یہ اطلاع زبالہ مقام پر پہنچی، پھر فوراً ہی ان کی شہادت کی خبر بھی آگئی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تازہ حالات سے اپنے ساتھیوں کو آگاہ کیا اور یہ حالات دیکھ کر وہ تمام لوگ الگ ہوگئے جو راستے میں ساتھ ہوتے گئے تھے، صرف وہی بچے، جو مکے سے ساتھ چلے تھے۔

یہاں پہنچ کر پھر کسی نے واپسی کا مشورہ دیا، اس مشورے سے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اتفاق بھی کیا، مگر فرمایا کہ اللہ کے ارادوں پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور یہ کہہ کر سفر جاری رکھا۔

دوسرا مسئلہ یہ پیش آیا کہ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پاکر بنو عقیل نے یہ اعلان کیا کہ ہم بدلہ لئے بغیر واپس نہیں جائیں گے، اس طرح بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ واپس نہ لوٹ سکے اور آگے بڑھتے رہے۔

کربلا میں آمد:...... کچھ آگے بڑھتے ہی ابن زیاد کا ایک دستہ سامنے آگیا، جو قادسیہ میں متعین تھا، اسے دیکھ کر آپ نے اپنا رخ قادسیہ اور کوفے سے موڑ کر کربلا کی جانب کرلیا، کربلا قادسیہ سے شمال کی جانب اور کوفے سے شمال مغرب کی سمت میں ۱۰،۱۲ کلومیٹر آگے واقع ہے، آپ نے کربلا پہنچ کر جنگل کی جانب پشت کرلی اور خیمے لگوادیئے، تاکہ دشمن سامنے کے سوا کہیں سے حملہ آور نہ ہوسکے، اس وقت آپ کے ساتھیوں میں ایک روایت کے مطابق ۴۵ سوار اور ۱۰۰ پیادے تھے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تجاویز:...... ابن زیاد کو جب اس کا علم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ روانہ ہوچکے ہیں تو اس نے عمرو بن سعد کو ان کے مقابلے کے لئے بھیجا، انہوں نے اس سے معذرت چاہی، مگر ابن زیاد کے دباؤ پر مجبور ہونا پڑا، ابن سعد جب کربلا کے مقام پر پہنچا تو حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے تین نکات پر مشتمل اپنی پیشکش رکھی اور اس سے کہا کہ تم ان تین باتوں میں سے ایک قبول کرلو۔

یا تو میں جہاں سے آیا ہوں، مجھے وہیں واپس جانے دو۔ یا یزید کے پاس جانے دو۔ یا پھر مجھے جہاں میدان جہاد گرم ہے، اس طرف نکل جانے دو۔

ابن زیاد کی ضد:...... ابن سعد نے یہ تجاویز ابن زیاد کے پاس بھیج دیں، مگر اس کی بدبختی آڑے آئی اور اس نے اس قدر معقول تجاویز کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور اس نے یہ جواب دیا کہ یوں نہیں ہوسکتا، بلکہ انہیں پہلے میرے ہاتھ پر بیعت کرنا ہوگی۔

یہ مطالبہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جیسا شخص کیسے قبول کرسکتا تھا؟ انہوں نے اس سے انکار کردیا اور فرمایا کہ نہیں یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی کربلا میں آمد محرم کو ہوئی تھی، بہرحال جب ہر طرح کی کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور ابن زیاد نے سختی سے حکم دیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے معاملے میں کسی قسم کی نرمی سے کام نہ لو تو ابن سعد نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا، اس

دوران اسے چار پانچ ہزار کی مزید کمک بھی مل گئی تھی۔

مخالفین کا حملہ:...... پھر ۸ سے ۱۰ محرم کے دوران کسی روز ابن سعد نے پانچ سو سواروں کو گھاٹ پر متعین کردیا، جس کے سبب قافلہ حسین کے لئے پانی کا حصول بھی دشوار ہوگیا، دشمن کی یہ ایک اور جنگی چال تھی، جس کے سبب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر کو نقصان اٹھانا پڑا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی دعا:...... ۱۰ محرم کو جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے ساری بات واضح ہوگئی اور انہیں پیش آنے والے واقعات کا بخوبی اندازہ ہوگیا تو انہوں نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی جس کے الفاظ طبری کی روایت میں اس طرح آتے ہیں، انہوں نے عرض کیا:

”اے اللہ تو ہی ہر تکلیف میں میرا سہارا ہے اور ہر کلفت میں میرا قبلۂ امید ہے اور ہر شروع ہونے والی مہم میں، میں تجھ پر ہی بھروسہ کرتا ہوں، کتنے ہی حالات ایسے ہیں، جن میں دل کمزور پڑ جاتا ہے اور تدبیر کے راستے بند نظر آتے ہیں، دوست الگ ہوجاتے ہیں اور دشمن طعنہ زن ہوتے ہیں، میں ان حالات کو تیری بارگاہ میں پیش کرتا اور تجھ ہی سے فریاد کرتا ہوں، اس لئے کہ میں تیرے در کو چھوڑ کر کسی اور در سے لو لگانے سے واقف نہیں، تو ہی حالات کی تکلیف کو دور کرتا اور راہیں نکالتا ہے، بلاشبہ تو ہی ہر نعمت کا مالک، ہر بھلائی کا سرچشمہ اور ہر امید کا مرکز ہے۔“

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت:...... ۱۰ تاریخ کو میدان کارزار گرم ہوا، دشمن ہزاروں کی تعداد میں تھا، یہاں لڑنے والے افراد سینکڑوں میں بھی نہ تھے، نتیجتاً یہ جنگ کوئی لمبے عرصے تک جاری نہ رہی، دشمن نے ہدایات کے مطابق طاقت استعمال کی اور اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تمام ساتھی شہید ہوگئے، ان میں آپ کے خاندان کے بھی ۱۵ سے ۲۰ افراد شامل تھے، آپ کا ایک چھوٹا بچہ بھی نیزہ لگنے سے شہید ہوا، اس کے بعد خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بھی تلوار اٹھائی اور بالآخر وہ بھی مرتبۂ شہادت پر فائز ہوگئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

خلاصۂ کلام:...... یہ تھا شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا قدرے مختصر احوال، اس سفر کی تفاصیل اور بھی ملتی ہیں، لیکن محدود وقت میں ان کا احاطہ ممکن نہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جنت کے نوجوانوں کا سردار قرار دیا تھا، ان کی یہ شہادت اور اس قدر مظلومانہ شہادت یقیناً ایک بہت بڑا سانحہ تھی اور خاندان نبوت کے اس عظیم فرزند کی اس قربانی سے آج تک اسلام کی شاہراہ شہادت فروزاں اور تابندہ ہے۔

رضی اللہ عنہ وصلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہما

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو متحد و متفق فرمائیں اور اسلام کے ان عظیم شہیدوں کے نقش قدم پر ہم سب کو چلنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

☆......☆......☆

پہلے چار سوال ہوں گے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتے، جب تک کہ چار سوال نہ کرلئے جائیں۔

(۱)......عمر کس مشغلہ میں ختم کی؟
(۲)......جوانی کس کام میں خرچ کی؟
(۳)......مال کس طرح کمایا اور کس کام میں خرچ کیا؟
(۴)......اپنے علم پر کیا عمل کیا تھا؟ (بیہقی)

☆......☆......☆

خواتین اور دین کی خدمت

تیسرا حصہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

قرنِ اول کے مسلمانوں کا ایمان ویقین:...... ان کو یقین تھا کہ یہ دین زمانہ کا ساتھ دینے کے لئے نہیں، بلکہ زمانہ کی باگ ڈور سنبھالنے اور اس کی رہنمائی کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے، ان کو اپنے دین پر فخر وناز تھا، اپنی ذات پر اعتماد تھا، اپنی اخلاقی قدروں اور اپنے تمدن کو وہ عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کا ایمان تھا کہ جس دین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے ہیں، وہ محض دین ہی نہیں یا محض چند قوانین کا مجموعہ نہیں، بلکہ وہ دین بھی ہے، تمدن بھی، اس میں احکام بھی ہیں اور معاشرتی نظام بھی، وہ سیف وسنان بھی ہے، قرآن بھی، وہ مسجد ومحراب بھی ہے اور حکومت وایوان بھی، وہ اس دین کو شفا بخش دعا سمجھتے تھے اور صحت بخش دوا بھی، آج کے بہت سے مسلمانوں کی طرح ان کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ یہ تو صحیح ہے کہ اسلام بحیثیت مذہب سب سے اچھا مذہب ہے اور وہی اللہ کا آخری اور مقبول دین ہے اور اس مذہب کے علاوہ کسی مذہب میں نجات نہیں اور یہی مذہب ابدی اور دائمی ہے، لیکن تمدن ایک دوسری چیز ہے، اس کا دین سے کیا تعلق، دین ایک الگ شے ہے اور تمدن بالکل الگ شے، دین جدا اور تہذیب جدا، اس لئے اگر ہم مغرب کی تقلید کریں اور مغربی تہذیب کو اپنائیں تو اس میں ہمارے دین وعقیدہ کے منافی کوئی بات نہیں۔

عرب کے ابتدائی بدو اس نظر سے روم وفارس کے تمدن و تہذیب کو نہیں دیکھتے تھے، وہ اس کے بارے میں کہہ سکتے تھے جو آج ہم امریکن اور یورپین تہذیب وتمدن کے متعلق کہہ رہے ہیں، اس وقت کی ایرانی اور رومی تہذیب وتمدن اور آج کی امریکی اور مغربی تہذیب وتمدن حتیٰ کہ روسی تمدن میں حقیقتاً کوئی فرق نہیں، یہ سارے تمدن ایک ہیں، جن کو ہم میکانکی، مادی، مصنوعی اور ظاہری تمدن سے تعبیر کرسکتے ہیں، جس طرح بہت سے مسلمان افراد اس تمدن کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ سب عقل انسانی اور تجربات کی آخری منزل ہے، تو اگر کل صحرا کے بدو اس وقت کی تہذیب وتمدن کو دیکھ کر کہتے تو معذور ہی سمجھے جاتے، وہ تہذیب وتمدن کی چمک دمک سے بالکل ناواقف تھے، آنکھوں کو چکا چوند کرنے والے مظاہر انہوں نے کبھی نہ دیکھے تھے، اب اگر روم کے کسی شہر، بازنطینی حکومت کے کسی شہر، یا ایرانی ساسانی مملکت کے کسی شہر میں داخل ہوکر ان کے منہ میں پانی بھر آتا، اس تمدن پر فریفتہ ہوجاتے اور کہنے لگتے، کیا کہنے اس تمدن کے، اس کاریگری، اس عیش وتنعم کے، انسانی عقل کہاں تک پہنچ گئی اور کیسی تہذیب کو جنم دیا ہے، اگر وہ یہ کہتے تو میں انہیں معذور سمجھتا، کیونکہ وہ صحرائے عرب کا ایک بدو ہی تھا، جس کی آنکھیں ایک ترقی یافتہ ملک کے دارالسلطنت میں آکر خیرہ ہوئی جارہی تھیں اور وہ اس تمدن کے سامنے ہوش باختہ ہوگیا، لیکن تاریخ کا مطالعہ کرنے والا حیران رہ جاتا ہے اور اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہتی اور اس عجیب تجربہ کے سامنے جو انسانی تاریخ میں اپنی نوعیت کا انوکھا تجربہ تھا، اعتراف سے اس کی گردن جھک جاتی ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ عربی مسلمان اس تمدن سے بالکل متاثر نہیں ہوئے اور وہ اپنی اسلامی شخصیت کے محافظ و پاسبان رہے۔ آج عالم عرب کے کسی ملک کے دارالسلطنت مثلاً امارات میں ابوظہبی یا قطر میں دوحہ کو ہی لے لیجئے، وہاں ہم ضروری سمجھنے لگے کہ ہمارے گھروں کا طرز تعمیر اور فرنیچر بالکل ویسے ہی ہو، جیسا انگلینڈ یا امریکہ میں ہوتا ہے، ہماری تہذیب اور ان کی تہذیب میں مکمل اتفاق اور ہم آہنگی ہو، لیکن سوچئے کہ وہ عربی بدوی مسلمان کس طرح اپنی اسلامی شخصیت کو مضبوطی سے تھامے رہے، ایرانی اور رومی تہذیب کے آگے انہوں نے سرخم نہ کیا، یہ تاریخ کا ایک معمہ ہے، جس کو حل ہونا چاہئے، یہ ایک سوال ہے، جو جواب طلب ہے اور اطمینان بخش جواب چاہتا ہے۔ میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ مسلمان مرد وعورت کی خود اعتمادی کا نتیجہ تھا، ان کو اپنے دین اور خدا کے آخری پیغام کی صلاحیت اور انسان کے لئے کامل ومکمل اور رہنما دین پر مکمل بھروسہ تھا اور اسلامی شخصیت، اسلامی زندگی، جس کا نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں انہوں نے دیکھا تھا اور ان تک وہ انہیں کے واسطے سے پہنچی تھی، شرم حیا، عفت وطہارت، حجاب، آداب ومعاشرت، تواضع وانکساری، طہارت وپاکیزگی، اسلامی ذوق سادگی، اسراف سے پرہیز، قناعت، آپس کا احترام واکرام، عدل وانصاف، حقوق زوجیت کا پاس و لحاظ، رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا احترام، یہ وہ صفات وامتیازات ہیں، جو مردوں کے ساتھ عورتوں کے مکمل تعاون کا نتیجہ ہیں، اس طرح وہ اسلامی تمدن، اسلامی تہذیب اور اسلامی شخصیت کی حفاظت کرسکے، مرد کارگہ حیات، مدرسوں میں، محکموں میں، عدالتوں میں اور گھر سے باہر کی دنیا میں اور خواتین گھروں میں، اس طرح وہ معاشرہ کامل ومکمل ہم آہنگ ویک رنگ اور تعاون کے اصول پر کاربند تھا، مسلمانوں کے لئے کوئی مشکل نہیں تھا کہ وہ دنیا کے بڑے سے بڑے اور زیادہ سے زیادہ ترقی یافتہ شہر میں اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کریں، ان کے قدم اٹھا کیہ پہنچے، انہوں نے دمشق، حلب وحمص پر حکومت کی، قسطنطنیہ میں داخل ہوئے، سندھ کو فتح کیا، ملتان، بخارا و سمرقند، ان کے قدموں کی خاک بنے، دلی ان کی پابوس ہوئی، لاہور ولکھنؤ ان کے قدموں سے مشرف ہوئے، یہ تمام شہر اپنا ایک تمدن رکھتے تھے، جو بہت پرانا اور ترقی یافتہ تھا، ذوی طاقت سے آراستہ تھا، لیکن مسلمان جہاں جاتے تھے اپنی تہذیب اور اپنا تمدن لے کر جاتے تھے، وہ نہ صرف اپنے تمدن کی حفاظت کرتے تھے بلکہ تہذیب و تمدن کا سکہ جمادیتے تھے، بہت سے لوگ ان کی تہذیب کے گرویدہ ہوجاتے تھے اور آخر کار ان قدیم تہذیبوں کے چراغ کو گل ہونا ہی پڑتا تھا اور تابناک اسلامی تہذیب کا آفتاب روشن ہوجاتا تھا، مسلمان اندلس گئے، اندلس یورپ کا ایک قلعہ ہے، مسلمانوں نے وہاں ایک حسین تمدن کی بنیاد ڈالی اور ایک نیا طرز تعمیر ایجاد کیا، جو آج بھی اندلس کے لئے باعث زینت ہے، آج بھی وہ مسجد قرطبہ، قصر حمراء اور اشبیلہ کی مسجدوں سے بہتر کوئی چیز سیاحوں کی زیارت کے لئے پیش نہیں کرسکتے، حکومت ہندوستان اپنے ملک میں کثرت سے آثارِ قدیمہ کے باوجود تاج محل سے زیادہ حسین وخوشنما، جامع مسجد اور

لال قلعہ سے بڑھ کر پرعظمت، پرشکوہ، آثار نہیں پیش کر سکتی، مسلمان اپنی تہذیب وتمدن کو ساتھ لے کر گئے، انہوں نے وہاں اس کی آبیاری کی، اس کو اور وسعت دی اور حسین سے حسین تر بنایا، انہوں نے استفادہ بھی کیا، انہوں نے وہاں کے فن تعمیر، وہاں کی سلیقہ مندی اور طبیعت کے گداز، وہاں کے حسن و جمال کو نظر انداز نہیں کیا، بلکہ اس پر اسلامی تہذیب کا اضافہ کیا۔

مغربی تہذیب کے ساتھ ہمارا معاملہ:...... لیکن افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ مغربی تہذیب کے ساتھ ہمارا وہ معاملہ نہیں جو ہمارے اسلاف کا ایرانی اور رومی تہذیب وتمدن کے ساتھ تھا، یہ ایک سوال ہے کہ موجودہ اسلامی معاشرہ، موجودہ مغربی معاشرہ کے سامنے کیوں شکست کھا گیا، یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آج کا مغربی تمدن اپنے دور کے لئے اس وقت کی رومی اور ایرانی تہذیب سے زیادہ ترقی یافتہ اور موثر ہے، اس وقت مسلمانوں نے اپنی تہذیب وتمدن کی بھینٹ نہیں چڑھائی بلکہ وہ فخر وعزت سے کہتے تھے کہ ہماری تہذیب افضل ہے، ہمارا ادب ولٹریچر تم سے زیادہ قدیم، ہماری تعلیمات زیادہ بہتر ہیں، ہمارے آداب واخلاق اعلیٰ واحسن ہیں۔

بجائے مقابلہ کے پیروی:...... مغربی تہذیب کے بارے میں ہمارا موقف روم وفارس کی تہذیب کے متعلق ہمارے اسلاف کے موقف سے بالکل جداگانہ ہے، اس کا سبب اولین ہمارے ایمان کی کمزوری، خوداعتمادی کا فقدان اور خودی کا زوال ہے، ہمارے سامنے مغربی تمدن کی کوئی چیز آتی ہے تو ہم لپک پڑتے ہیں، ہم بے ساختہ بول اٹھتے ہیں کہ جدید دنیا کی اس ترقی سے ہمارے آباؤ اجداد واقف نہ تھے، ہماری مثال اس بچہ کی سی ہے جس کی پرورش ونشوونما کسی گاؤں میں ہوئی ہو، اس کے بعد اس کو کسی بڑے شہر کے دیکھنے کا موقع ملتا ہے تو وہ ہر چیز کے بارے میں سوال کرتا ہے، پٹڑی پر چلنے والی ریل گاڑی، فضا میں اڑنے والے ہوائی جہاز، ساری چیزیں اس کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہیں، ہمارا معاشرہ بھی سن رشد کو نہیں پہنچا، یہ بچکانہ معاشرہ ہے، حالانکہ ہم حقدار تھے کہ ان کی تہذیب وتمدن کو چیلنج کرتے اور پوری طاقت سے کہتے: اے مغربیو! ہماری شاگردی اختیار کرو، ہم سے سیکھو، طہارت ونظافت، خوش پوشاکی اور اعلیٰ طریق زندگی، زندگی کے اصول ہم سے سیکھو، ہم سے شرم وحیا اور عفت و پاکیزگی کا سبق لو، تم اگر صفائی، ستھرائی، لطافت و جمال اور ہدایت و اصلاح کی زندگی گزارنا چاہتے ہو تو ہمارے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرو، لیکن ہم میں یہ کہنے کی جرأت نہیں، اس لئے کہ ہمیں اپنی ذات، اپنے دین، اپنے عقائد، اپنی خداداد صلاحیتوں اور اپنی فہم ودانائی پر اعتماد نہیں رہا، ہم بداعتمادی کا شکار ہوگئے، ہم تہذیب وتمدن اور انسانی قدروں میں غیروں کے دست نگر اور بھکاری ہو چکے، مغربی تہذیب سے مرعوبیت اور اس کی اہمیت وعظمت نے ہمیں بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہانکنا شروع کیا، ہمارے ہوش و ہواس باختہ کر دیئے، ہم پروانہ وار اس پر گرنے لگے، ہم اس طرح اس تہذیب پر بے تحاشہ ٹوٹ پڑے، جس طرح پیاسا پانی پر ٹوٹ پڑتا ہے، ایک دیا تھا جس کی روشنی دیکھ کر پروانے آگئے اور اس کی لو سے ٹکرا کر موت کے منہ میں چلے گے،، ہم نے مغربی تہذیب کے سامنے اپنی حقیقت اور اپنی قدرت و اختیار کو بھولی بسری کہانی بنادیا، اگر ہم کو فائدہ ہی اٹھانا تھا تو اس کا طریقہ یہ تھا کہ ہم اپنے مطلب کی نفع منداور کارآمد چیزیں اختیار کرلیتے اور ”وخذ ما صفا و دع ماکدر“ کے قدیم حکیمانہ قول پر عمل کرتے ہوئے ان صاف ستھری چیزوں کو اپناتے جو ہمارے عقائد، اخلاق واقدار سے ہم آہنگ ہوتیں، ہم مغرب کی ٹیکنالوجی اور سہولت وراحت کے مفید وسائل اختیار کرکے ان کو اپنے تابع، اپنے ماحول کے مطابق اس طرح بناتے کہ یہ تہذیب وتمدن ہمارے تابع ہو کر رہتا۔

اسلامی تہذیب کی حفاظت میں خواتین کا حصہ:...... اسلامی تہذیب وتمدن کے سلسلے میں مسلمان خواتین کا موقف ایک روشن اور باعزت موقف تھا، اگر مسلمان خواتین کا یہ رویہ نہ رہا ہوتا تو مسلمان رہنما، امراء وحکام، سلاطین وبادشاہ اور اسلامی سپاہ کے کمانڈر اسلامی سوسائٹی، اسلامی شخصیت اور اسلامی تہذیب وتمدن کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، اگر تقویٰ شعار، امانت دار، شریف پختہ ایمان والی خواتین، اسلامی تہذیب اور اسلامی تشخص کی حفاظت اور اس کی بقاء کے لئے مردوں کے ساتھ مکمل تعاون نہ کرتیں، اسلامی عائلی نظام کے قیام اور ایسے اسلامی گھر کی جو اسلامی تربیت کے زیر اثر پروان چڑھا رہا ہو اور جہاں پاکیزگی، محبت وامن کی فضاء ہو، تعمیر میں مردوں کا ہاتھ نہ بٹاتیں، اگر خدا کی باعزت صالح اور نیک بندیاں جو اسلامی تشخص کی پاسبان ہیں، باعزت اور شریف مردوں کی مدد نہ کرتیں اور ان کو سہارا نہ دیتیں تو مسلمانوں کو اپنے اسلامی تشخص، اسلامی تہذیب وتمدن کے ساتھ باقی رہنا مشکل تھا، ان خواتین کا اسلامی تشخص کی حفاظت ہی نہیں بلکہ اسلامی وجود کی بقاء میں بڑا حصہ ہے، ان کی حفاظت کے نتیجے میں دین اپنی تہذیب و تمدن اپنی معاشرت واخلاق، اپنے اقدار وتصورات کے ساتھ صحیح وسالم ہم تک پہنچا۔

خواتین سے آج بھی توقع ہے:...... آج بھی ہمیں اسلامی سوسائٹی کے اس عظیم رکن اور جسم اسلامی کے اس موثر وفعال عضو سے توقع ہے کہ وہ مغربی تہذیب کا سایہ بننے کے بجائے اپنے اوپر مغربی تہذیب کا سایہ بھی نہ پڑنے دیں گی، ان کو چاہئے کہ اس مغربی تہذیب کے پیچھے دوڑنے اور اس ریس میں شریک ہونے کے بجائے اس کے ضروری اور مفید اجزاء اختیار کریں اور اس چیز کو ترک کردیں جو دین، ان کی عزت وشرافت، ان کے اخلاق وآداب اور ان کی اسلامی شخصیت کے منافی ہو، ہمارے گھر اسلامی گھروں کا نمونہ ہوں، کوئی یورپین آدمی آئے اور کسی مسلمان کے گھر میں داخل ہو تو اسلامی نظم و نسق، ثقافت، حیا وعفت، شرم وحجاب، پردہ، احترام، چھوٹوں پر شفقت اور محبت واخوت کے اسلامی مظاہر دیکھے، وہ شوہر بیوی، بھائی بہن، ماں باپ کے درمیان تعلقات کی وہ نوعیت دیکھے اور زندگی کا وہ طرز اس کے سامنے ہو، جس سے وہ بالکل ناواقف ہے، بجائے اس کے ہم ان کی تقلید کریں، وہ ہمیں دیکھ کر جب واپس جائیں تو ان کے دل کی آواز ہو کہ ہمیں اسلامی تہذیب و تمدن کی نقل کرنا چاہئے، وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے جا کر بتائیں کہ ہم نے ایک اسلامی ملک میں تھوڑا وقت گزارا اور جو دیکھا وہ بیان سے باہر ہے، سچ یہ ہے کہ ہم نے جنت ارضی دیکھ لی، ہم نے ایک مسلمان کا گھر کیا دیکھا، گویا جنت دیکھ لی، خدا کی قسم یہی اسلامی زندگی جنت ہے اور جو زندگی ہم گزار رہے ہیں، وہ آگ کی بھٹی ہے، یہاں سے واپس ہونے والا امریکن پھر امریکنوں سے کہے گا کہ اے لوگو! تم دوزخ میں جل رہے ہو، خدا کی قسم، مسلمان جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ امریکہ اور یورپ جا کر یہاں کا آدمی دیکھتا ہے کہ سارے عرب ممالک ایک ایڈیشن ہیں، یہ سب ایک کتاب کا ایک ہی ایڈیشن ہیں، جس میں صفحہ، سطر اور حرف سب یکساں ہیں، وہیں کا آدمی یہاں آتا ہے تو اسے مغربی تہذیب کی مکمل تصویر نظر آتی ہے، اس لئے وہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ یہ سکون، امن وامان، راحت، اکرام، انس ومحبت اور قلبی اطمینان اسلامی زندگی کے خصائص ہیں۔

میں نہیں کہتا کہ آپ بجلی، کار اور دوسری تمدنی سہولتوں سے مستغنی ہوجایئے، لیکن میں کہتا ہوں کہ اعلیٰ اقدار اور ہماری تہذیب، اسلامی ہونی چاہئے اور آپ اپنی فہم ودانائی اپنے عزم وارادہ سے، جس میں عورتیں اپنے ارادہ کی پکی ہوتی ہیں، صحیح اور سچی اور اسلامی زندگی کی نمائندگی کرسکتی ہیں، معزز خواتین ایک نئی شاہراہ قائم کرسکتی ہیں، آپ پاکستانی، انڈونیشی اور ہندوستانی

عورتوں کے لئے راہ ہموار و آراستہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، کیونکہ آپ کو قیادت و رہنمائی کا مقام حاصل ہے، آپ اس اسلامی عربی شہر میں عالم انسانی اور عالم اسلامی عالمی قیادت کے منصب پر فائز ہیں۔

میں ان گزارشات کے ساتھ اپنی بات ختم کرتا ہوں اور اپنی فاضل اور معزز بہنوں سے بات کرنے کا جو مبارک موقع ملا، اس پر شکریہ ادا کرتا ہوں، مجھے امید ہے کہ جو بات کہی گئی ہے، وہ سنی بھی گئی ہوگی اور ان شاء اللہ نتیجہ سے خالی نہ رہے گی اور یہ شہر اس تجربہ کو عملی شکل دینے میں قائدانہ کردار ادا کرے گا۔

☆......☆......☆

رحمت خداوندی مرد و عورت پر عام ہے:......

فاستجاب لهم ربهم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر وانثی بعضکم من بعض (سورہ آل عمران)

اللہ تعالیٰ نے پہلے اہل ایمان کی دعاؤں کا تذکرہ کیا ہے کہ ان اہل ایمان نے خوب دعائیں کیں، یہ معمولی دعائیں نہیں تھیں، بڑی مومنانہ، بڑی مصرانہ، بڑی مردانہ دعائیں، مردانہ لفظ میں نے جان بوجھ کر استعمال کیا ہے۔

ربنا اننا سمعنا منادیاً ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا ایک مردانہ دعا ہے۔**فاغفرلنا ذنوبنا و کفرعنا سیاتنا وتوفنا مع الابرار ٥ ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیامة انک لا تخلف المیعاد** یہ ایک بلند ہستی کی دعائیں تھیں۔

انہوں نے ایک بات اور کہی:

"**ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان**" ہم نے ایک پکارنے والے کو پھر ایک منادی کو پکارتے ہوئے سنا۔"**امنوا بربکم**" اپنے رب پر ایمان لاؤ "**فامنا**" ہم ایمان لائے "**وکفرعنا سیاتنا**" ہمارے گناہوں کو معاف کر اور ہمارے گناہوں سے درگزر کر۔

ظاہر ہے کہ ان دعاؤں میں ذہن مردوں ہی کی طرف جائے گا، منادی اور قبول کرنے والے مرد اور میں یہ کہتا ہوں کہ پیش پیش رہنے والے اور اس کو مردانہ وار لبیک کہنے والے مرد تھے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ جب اجر کا اور دعاؤں کی مقبولیت کا ذکر کرتا ہے تو مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی ذکر کرتا ہے، حالانکہ وہاں پر کوئی سیاق وسباق اور قرینہ نہیں ہے، خاص طور سے مردوں کے ساتھ عورتوں کا ذکر کرتا ہے۔

"**فاستجاب لهم ربهم**" دعا کرنے والے مرد ہیں اور فرماتا ہے کہ اللہ نے ان کی دعا قبول کی۔

یہاں پر کوئی ادیب یا انشاء پرداز ہوتا، کوئی مقنن یا کوئی ماہر نفسیات ہوتا، کوئی عورتوں کی آزادی کا حامی اور محرک ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ وہ یہاں پر عورتوں کو فراموش کر دیتا، یہ کیا موقع تھا اور کیا ذکر تھا، ساری دعائیں مردوں کی اور سارے کام وہ جن میں مرد پیش پیش تھے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت دیکھئے، وہ ذکور واناث دونوں جنسوں کا خالق ہے، دونوں پر اس کی یکساں شفقت کی نظر ہے، وہ رب العلمین ہے، فرماتا ہے:

"**فاستجاب لهم ربهم انی لا اضیع عمل عامل منکم**" (ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کی اور میں کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا، عامل کا لفظ تذکیر کا ہے، یہاں تک مردوں ہی کا ذکر تھا۔"**لا اضیع عمل عامل منکم**" میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے، کسی محنت کرنے والے، کسی کوشش کرنے والے کی کوشش، کسی قربانی دینے والے کی قربانی کو ضائع نہیں کرتا، فرماتا ہے:"**من ذکر وانثی**" یہاں ایک دم سے عورتوں کو یاد فرماتا ہے اور ان کو شرف بخشتا ہے کہ وہ عمل کرنے والا، وہ دعا کرنے والا، چاہے مرد ہو یا عورت۔

...............(جاری ہے)...............

ردیف رسول حضرت
عقبہ بن عامر جہنی رض



ردیف رسول حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ، یہ ہیں رسول خدا، جو ایک طویل انتظار اور شدید بے چینی کے بعد یثرب کے بالائی حصے سے نمودار ہو رہے ہیں اور ادھر مدینہ منورہ کے باشندے ہیں، جونہی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ملاقات کی خوشی میں اپنے گھر کے دروازوں اور مکانوں کی چھتوں پر اکٹھے ہو رہے ہیں اور ان کے ہونٹوں پر تہلیل وتکبیر کے سرمدی کلمات مچل رہے ہیں اور اس طرف مدینہ کی کم سن اور بھولی بھالی بچیاں اپنے ہاتھوں میں دف اور آنکھوں میں شوق انتظار لئے نکل پڑی ہیں، ان کے لبوں پر خیر مقدمی نغمات ہیں، جنہیں وہ ایک ساتھ مل کر بار بار دہرا رہی ہیں۔

اقبل البدر علینا
من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا
مادعی للہ داع

"ثنیة الوداع کی گھاٹیوں سے طلوع ہو کر ماہ کامل ہمارے سامنے آ گیا ہے، جب تک بلانے والا اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا رہے، ہمارے اوپر اس کا شکر واجب ہے۔"

یہ رہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوس، جو دو رویہ صف بستہ کھڑے ہوئے لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا نہایت سبک خرامی اور نرم روی کے ساتھ آگے بڑھتا چلا آ رہا ہے، جس کو مشتاق روحوں اور پرشوق دلوں نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے، جس کے اوپر اشکہائے مسرت

ونشاط کے گہرہائے آبدار اور تبسم ہائے سرور و انبساط کے گلہائے اشکبار نچھاور کئے جارہے ہیں، لیکن حضرت عقبہ ابن عامر جہنی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جلوس کا مشاہدہ نہ کرسکے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کی سعادت سے محروم رہ گئے، یہ محرومی ان کے حصے میں اس لئے آئی کہ وہ اپنی بکریوں کو لے کر انہیں چرانے کے لئے وادیوں کی طرف نکل گئے، کیونکہ بھوک پیاس کی وجہ سے ان کے ہلاک ہوجانے کا اندیشہ تھا جبکہ یہ چند بکریاں ہی ان کا کل سرمایہ تھیں، جو دنیا کے متاع فانی میں سے ان کے زیر ملکیت تھیں، فرحت و سرور کی وہ کیف پرور فضا جو مدینہ میں چھائی ہوئی تھی، بہت جلد اس کی دور وقریب کی وادیوں تک عام ہوگئی، سارے کہسار و بیابان اس کی ضیا باریوں سے جگمگا اٹھے اور اس کی خوشخبریاں حضرت عقبہ ابن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کے کانوں تک بھی پہنچ گئیں، حالانکہ وہ مدینہ سے دور وسیع میدانوں میں اپنی بکریاں چراتے پھر رہے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات کیسے اور کن حالات میں ہوئی، اس کی تفصیل ہم انہیں کے الفاظ میں ہدیہ قارئین کررہے ہیں۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو میں اس وقت اپنی بکریوں میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر جیسے ہی مجھے ملی، میں نے بکریوں کو وہیں چھوڑا اور بلاتاخیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے مدینہ روانہ ہوگیا اور بارگاہ نبوی میں پہنچ کر عرض کیا:

”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میری بیعت قبول فرمائیں گے؟“

”تم کون ہو؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

”عقبہ ابن عامر جہنی“ میں نے جواب دیا۔

”کون سی بیعت تمہیں پسند ہے، تم بیعت اعرابیہ کرو گے یا بیعت ہجرت؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

”بیعت ہجرت“ میں نے جواباً عرض کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بھی انہیں باتوں پر بیعت کی، جن پر اور مہاجرین سے لی تھی، پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک رات گزار کر واپس اپنی بکریوں میں آگیا، ہم لوگ کل بارہ آدمی تھے جو اسلام لانے کے بعد اپنی بکریاں چرانے کے لئے مدینہ منورہ سے دور وادیوں میں اقامت گزین تھے، ایک دن ہمارے ایک ساتھی نے کہا: ”اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھنے اور ان کے اوپر آسمان سے نازل ہونے والی وحی کو سننے کے لئے باری باری خدمت اقدس میں حاضری نہ دے سکیں تو ہمارے اندر خیر کی کوئی بات نہ ہوگی، مناسب یہ ہے کہ روزانہ ہم میں سے ایک آدمی یثرب جائے اور اپنی بکریاں باقی ساتھیوں کی حفاظت میں چھوڑ جائے۔“ میں نے کہا کہ ”تم لوگ یکے بعد دیگرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ہر جانے والا اپنی بکریاں میرے حوالے کرجایا کرے۔ میں اپنی بکریوں کے بارے میں بہت محتاط رہتا تھا اور انہیں کسی کے سپرد کرجانا مجھے گوارا نہ تھا۔“ اس کے بعد سے روزانہ صبح کو میرا ایک ساتھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاتا اور اس کی بکریوں کو چرانے کی ذمہ داری میں انجام دیتا اور واپسی پر میں وہ تمام باتیں اس سے پوچھ کر معلوم کرلیتا، جو وہ وہاں سے سن کر اور دیکھ کر آتا تھا، لیکن چند روز کے بعد میں نے اپنے آپ سے کہا: ”تمہارا برا ہو، کیا تم ان چند حقیری بکریوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ان سے براہ راست اور بالمشافہ دین سیکھنے پر ترجیح دینا چاہتے ہو؟...... میں اپنی بکریوں سے کنارہ کش ہوکر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگیا تاکہ وہاں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر ہمسائیگی مسجد نبوی میں قیام کروں۔“ حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ جہنی جس وقت یہ اہم فیصلہ کررہے تھے، اس وقت ان کے دل میں یہ بات کھٹکی بھی نہ ہوگی کہ چند سال گزارنے کے بعد وہ اکابر علماء صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک زبردست عالم، بڑے قراء

میں سے ایک مشہور قاری، عظیم فاتحین میں سے ایک نامور فاتح اور قابل ذکر والیان اسلام میں سے ایک کامیاب والی ہوجائیں گے اور جب اپنی بکریوں سے کنارہ کشی اختیار کرکے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جارہے تھے تو ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ وہ ام الدنیا...... دمشق...... کو فتح کرنے والے لشکر کا ہراول دستہ ہوں گے اور اس کے سرسبز وشاداب باغات کے درمیان باب توما کے پاس اپنے لئے ایک شاندار محل تعمیر کروائیں گے، نیز وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کہ وہ دنیا کے سبز نگینہ اور اس کے والی...... مصر...... کو فتح کرنے والی فوج کے قائدین میں سے ایک قائد ہوں گے اور وہاں جبل مقطم کی جڑ میں ایک خوب صورت مکان بنائیں گے، یہ ساری باتیں مستقبل کے سینے میں پوشیدہ تھیں اور خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی بھی انہیں نہیں جانتا تھا، مدینہ منورہ آکر حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے مستقل طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کرلی، وہ سائے کی طرح ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں کہیں تشریف لے جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام ان کے ہاتھ میں ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جدھر بھی رخ کرتے، وہ ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلتے اور بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیتے تھے، جس کی وجہ سے وہ ”ردیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کے لقب سے پکارے جانے لگے، بارہا ایسا بھی ہوتا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی سواری سے اتر جاتے، تاکہ وہ سوار ہوجائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود پا پیادہ چلیں، خود ان کا بیان ہے کہ ”ایک دفعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام تھامے مدینہ کے ایک بن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چل رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ”عقبہ! کیا تم سوار نہیں ہوگے؟“ میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں ”نہیں“، مگر اس خوف سے کہ کہیں اس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ ہوجائے، میں نے کہا: ”جی ہاں! اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔“ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر سے نیچے اتر آئے اور میں امتثال امر کے طور پر سوار ہوگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چلنے لگے، تھوڑی دیر کے بعد میں نیچے اتر آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوگئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عقبہ! میں تم کو دو بے مثل سورتیں بتاؤں؟“ میں نے کہا: ”ہاں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ضرور بتائیں۔“ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ”قل اعوذ برب الفلق“ اور ”قل اعوذ برب الناس“ پڑھائی، اس کے بعد جب نماز کھڑی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت فرمائی اور انہیں دونوں سورتوں کو اس نماز میں پڑھایا اور مجھ سے فرمایا۔ ”سونے سے پہلے اور نیند سے بیدار ہونے کے بعد ان دونوں سورتوں کو ضرور پڑھ لیا کرو۔“ اس کے بعد سے میں زندگی بھر اس وظیفے پر عمل پیرا رہا۔

حضرت عقبہ ابن عامر جہنی رضی اللہ عنہ نے صرف دو چیزوں علم اور جہاد پر اپنی توجہ مرکوز کردی تھی اور اپنی تمام ظاہری اور باطنی صلاحیتوں کو ان کے لئے وقف کردیا تھا، وہ علم کے گہرے اور میٹھے چشمے...... چشمہ نبوت سے خوب سیراب ہوئے اور مختلف اصناف علم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسب فیض کیا، حتیٰ کہ قرآن وحدیث، فقہ و فرائض، ادب و فصاحت اور شعر و شاعری میں درجہ کمال کو پہنچ گئے، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نہایت خوش گلو شخص تھے، قرآن نہایت خوش الحانی اور ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے، جب رات کا سناٹا چھا جاتا اور فضا پر سکون اور خاموشی کی چادر تن جاتی تو یہ کتاب اللہ کی طرف متوجہ ہوجاتے اور اس کی آیات کی تلاوت شروع کرتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی قرأت کو سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہوجاتے، اس

سے بے حد متاثر ہوتے اور خدا کے خوف سے ان کے دلوں میں سوز و گداز ہو جاتا اور ان کی آنکھیں بے تحاشا اشک ریز ہو جاتیں، ایک روز حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو بلایا اور فرمایا کہ "عقبہ! مجھے کچھ قرآن سناؤ۔" انہوں نے قرآن حکیم کی آیات پڑھنی شروع کیں، ایک تو "رب السموات والارض" کا پر شوکت اور لرزہ براندام کر دینے والا کلام، دوسرے حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کی پرسوز اور دل میں اتر جانے والی آواز سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے حد متاثر، ان کے اوپر بے اختیار گریہ طاری ہو گیا اور روتے روتے ان کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی۔ انتقال کے بعد حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک مصحف چھوڑ گئے تھے، یہ مصحف مصر کی ایک جامع مسجد...... جامع عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ میں بہت زمانے تک موجود تھا، جس کے بعد آخر میں "کتبہ عقبۃ بن عامر الجہنی" کے الفاظ درج تھے، حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کا یہ مصحف دنیا میں پایا جانے والا قدیم ترین مصحف تھا، لیکن یہ بھی ہمارے دیگر قدیم اور بیش قیمت سرمایوں کی طرح زمانے کی دست برد سے نہ بچ سکا۔

جہاں تک جولا نگاہ جہاد میں ان کی سرگرمیوں اور کارناموں کا تعلق ہے، تو ہمارے لئے اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ حضرت عقبہ ابن عامر جہنی رضی اللہ عنہ غزوۂ احد اور اس کے بعد پیش آنے والے تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے، وہ ان جانبازوں میں سے ایک تھے، جنہوں نے فتح دمشق کے موقع پر غیر معمولی شجاعت اور ہمت و مردانگی کا مظاہرہ کیا اور دشمن کے چھکے چھڑا دیئے اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ابن جراح نے اس کے صلہ میں ان کو اس اعزاز سے نوازا کہ فتح دمشق کی خوشخبری انہیں کے ذریعے امیر المومنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ بھجوائی، وہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک آٹھ دن سات راتیں کہیں رکے بغیر تیز رفتاری کے ساتھ سفر کر کے وہاں پہنچے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فتح عظیم کی خوشخبری سنائی، وہ اس لشکر اسلام کے قائدین میں سے تھے، جس نے مصر کو فتح کیا تھا اور اس کا بدلہ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابن ابی سفیان نے یہ دیا کہ انہیں وہاں کا گورنر مقرر کر دیا، وہ تین سال تک اس عہدے پر فائز رہے، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں جہاد کے لئے بحر ابیض متوسط میں واقع جزیرہ روڈس بھیج دیا، جہاد سے ان کے شوق و تعلق کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے جہاد سے متعلق بہت سی احادیث نبویہ کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیا تھا اور ان کی روایت خاص طور پر مسلمانوں سے کرتے تھے، وہ بڑی جانفشانی اور شوق و دلچسپی کے ساتھ تیر اندازی کی مشق کرتے اور اس میں غیر معمولی مہارت پیدا کرنے کی کوشش کرتے، جب حضرت عقبہ ابن عامر جہنی رضی اللہ عنہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، اس وقت وہ مصر میں تھے تو انہوں نے اپنے لڑکوں کو پاس بلا کر یہ نصیحت کی، میرے جگر گوشو! میں تم کو تین باتوں سے روکتا ہوں، ان کی سختی سے پابندی کرنا:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کبھی کسی غیر ثقہ سے قبول نہ کرنا۔ (۲) کبھی قرض نہ لینا، خواہ تم فقر و احتیاج کے اس درجے تک پہنچ جاؤ کہ تمہیں کمبل اور موٹے جھوٹے کپڑے پہننے پڑیں۔ (۳) اشعار کبھی نہ لکھنا کہ اس کی مشغولیت کے نتیجے میں تمہارے دل قرآن سے غافل ہو جائیں۔

جب ان کی وفات ہو گئی تو انہیں جبل مقطم کی تلی میں دفن کیا گیا، پھر جب لوگ ان کے ترکے کی طرف متوجہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے ستر سے اوپر کمانیں چھوڑی ہیں اور ہر کمان کے ساتھ ترکش اور تیر بھی ہیں اور ان کے متعلق ان کی یہ وصیت موجود تھی ہے کہ انہیں راہ خدا میں وقف کر دیا جائے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

اللہ تعالیٰ قاری، عالم اور غازی حضرت عقبہ ابن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کے چہرے کو شاداب رکھے اور انہیں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین اجر سے نوازے۔ آمین

☆......☆......☆

وقت کا اہم تقاضا



محمد منصور الزماں صدیقی

دین اسلام ایک کامل و مکمل دین ہے، جو اپنے پیروکاروں کی ہر ہر معاملے میں قدم قدم پر رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن و حدیث میں غور کیا جائے تو ہمیں ہر عمل میں سادگی کا حکم ملتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو دیکھئے، آپ کے صحابہؓ اور ان کے بعد اکابرامت کی زندگی میں غور کریں تو ہمیں ہر جگہ سادگی اور میانہ روی کا درس ملتا ہے، لیکن افسوس صد افسوس!! آج کا مسلمان اپنے نبی کی سنتوں کو چھوڑ کر اغیار کے رسم و رواج کو اپنانے میں فخر محسوس کرتا ہے...... لیکن آج بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو انفرادی اور اجتماعی طور پر نہ صرف خود ان رسم و رواج کو ترک کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں، بلکہ دوسروں تک بھی اپنا یہ پیغام پہنچا رہے ہیں، آیئے پڑھتے ہیں ایسے ہی ایک دردمند کی کاوش!!

وآت ذا القربی حقه والمسکین وابن السبیل ولاتبذر تبذیراً ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربه کفوراً. (پارہ: ۱۵)

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:
"قرابت دار کو اس کا حق مالی وغیرہ دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی دیتے رہنا اور مال کو بے موقع مت اڑانا (کیونکہ) بیشک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا ناشکرا ہے۔"
بقول حضرت تھانویؒ کہ "اسراف وتبذیر کا حاصل ایک ہی ہے کہ محل معصیت میں خرچ کرنا، خواہ معصیت بالذات ہو، جیسے شراب وقمار وزنا، خواہ بالغیر ہو، جیسے فعل مباح میں بہ نیت شہرت وتفاخر خرچ کرنا"۔
(تفسیر بیان القرآن)
شادی ومنگنی کے موقع پر زبردست روشنی، آرائش، نمائش، بڑی بڑی دعوتیں، مسلسل مہمانداری وغیرہ سب ذریعہ شہرت وتفاخر ہوتی ہیں، یہ سب فروعات متذکرہ بالا قرآن کریم کے واضح حکم کے تحت آتی ہیں، جو ایسے انسانوں کو اخوان الشیطان کے زمرہ میں کھڑا کرتی ہیں، کوئی بھی مسلمان اور مومن اس زمرہ میں شامل ہونے کو تیار نہیں ہوگا، لیکن افسوس کہ نہ بنیادی تعلیم سے واقفیت حاصل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور نہ ہی اس کی عام تعلیم کا انتظام ہے۔
رسومات وفروعات عافیت اور آرام کے دور کی پیداوار ہیں کہ جب مصروفیات پیدا کرنے کے لئے یہ رسومات اختیار کی جاتی تھیں، مشینی دور میں فرصت عنقا ہے، اس وقت قدیمی طرز پر رسومات ادا کرنا خود کو مختلف مشکلات میں پھنسانا ہے، ان رسومات میں بہت سی رسمیں غیر مسلم پڑوسیوں سے شامل ہوگئی ہیں، لیکن آج پاکستان میں اکثریت مسلمانوں کی ہے، اس لئے اب یہ طرز فکر بھی تبدیل کرنا ہوگا۔
رسومات، اسراف اور تبذیر کی تعریف میں آتی ہیں، جس کی سختی کے ساتھ ممانعت قرآن مجید میں موجود ہے، ایک مومن اور مسلمان کے لئے تو صرف یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اسراف کرنے والوں کو ناپسند فرماتے ہیں، یہاں تک کہ تبذیر کرنے والے کو شیطان کا بھائی فرمایا ہے، لیکن ہماری بدقسمتی کہ اکثریت نہ قرآن کی تلاوت کرتی ہے، نہ اس کے معنی اور مفہوم پر غور کرتی ہے، عمل تو دور کی بات ہے، ایسی صورت میں ہماری بربادی لازمی ہے۔
ہم مسلمان جس چیز پر ایمان رکھتے ہیں، جس کی تعلیم ہر مسلمان پر فرض ہے، جس میں ایک زیر وزبر کی غلطی بھی قابل برداشت نہیں، افسوس کہ اسی قرآن حکیم سے ہم دور ہوگئے اور یہ عمل ہماری بددیانتی اور تباہی کا موجب ہے، شرعی لحاظ سے غور کریں یا خالص اقتصادی لحاظ سے فکر کریں، رسومات میں وقت اور سرمایہ کا ضیاع ہوتا ہے، رسومات کی ادائیگی میں شہرت وتفاخر کے جذبہ کو بھی بڑا دخل ہے، اگرچہ بہانہ یہ ہوتا ہے کہ برادری میں رائج ہے، برادری کا یہی طریقہ ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسے جھوٹی شہرت اور نام کمانے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، دنیاوی شہرت کا حصول ناپائیدار چیز اور فضول بات ہے، یعنی "گھر پھونک تماشا دیکھا" کا عملی ثبوت ہے۔
آسانی سے حاصل شدہ دولت بھی رسومات کے فروغ کا سبب ہے: "کمینے کی دولت شریف کے لئے مصیبت بن جاتی ہے۔"
اگر حرام مال ہے تو "مال حرام بود جائے حرام رفت" کا معاملہ ہوتا ہے، لیکن اگر حلال اور پاکیزہ کمائی ہے تو حقیقت میں امانت ہے، ملکیت نہیں ہے، مسلمان کی ہر چیز، اس کی دولت، اس کی جان، سب کچھ امانت ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس کے مالک ہیں، ایسی صورت میں ہر چیز کی حفاظت امین کی حیثیت سے ہم پر فرض ہے اور امانت کو اس کے مالک کی اجازت سے ہی خرچ کیا جاسکتا ہے، اسراف وقت کا ہو یا روپیہ کا، دونوں ہی موجب عتاب ہیں، کیونکہ اس کی اجازت نہیں ہے، مالک کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا یقیناً عذاب کا باعث ہوگا۔
غایتِ تخلیق:...... انسانی کی تخلیق کی وجہ عبادت الٰہی کے سوا کچھ نہیں ہے، اب جو کچھ بھی عطا کیا گیا ہے، جسم وجان، صحت دولت ہر چیز عبادت میں خرچ ہونی چاہئے، جس کو جس قدر حاصل ہے، اسی قدر اس پر فرض ہے کہ ہر نعمت کو عبادت کے لئے استعمال کرے، اس عقیدہ پر ایمان رکھنے والے افراد کے ساری زندگی بشمول عائلی زندگی یا تجارتی زندگی سب ہی عبادت میں شامل ہوتے ہیں، مخلوق کی خدمت بھی بہترین عبادت ہے۔
مختلف رسوم میں برباد کیا جانے والا سرمایہ اور وقت مخلوق کی خدمت میں صرف کیا جائے تو اس سے بہتر کوئی دوسری صورت نہیں ہے، نام اور کام دونوں حاصل ہوجاتے ہیں۔ آپ حساب کرلیں، نتیجہ ظاہر ہوجائے گا، مثال کے طور پر ایک شادی میں ایک لاکھ روپیہ فضولیات یعنی نمائش، روشنی اور دعوتوں میں برباد ہوجاتا ہے تو یہ رقم کتنے عرصہ کام میں رہتی ہے، چند دن میں یہ رقم خرچ ہوجاتی ہے، شادی کا ہنگامہ ختم ہوا اور کھیل ختم پیسہ ہضم والا معاملہ ہوگیا۔ فرض کریں کہ یہ رقم آپ کسی کار خیر میں خرچ کریں تو اس کا فائدہ کس قدر مخلوق کو ہوگا اور خود معطی کو کتنا فائدہ ہوگا۔ اس کا بھی اندازہ کرلیں۔ ایک معمولی ڈسپنسری جس میں ماہانہ ایک ہزار سے زیادہ مریض مفت علاج کرتے ہیں، تین ہزار روپیہ ماہوار میں بخوبی جاری ہوسکتی ہے، اس طرح تین برس تک ڈسپنسری کام کرسکتی ہے، جس کے ذریعے چالیس سے پچاس ہزار تک مریض علاج حاصل کرسکتے ہیں۔
ایک لاکھ کے سرمایہ سے پچاس کوارٹر بے گھر افراد کی آبادکاری کے لئے تعمیر کئے جاسکتے ہیں، جیسا کہ اورنگی ٹاؤن کراچی میں مہاجرین مشرقی پاکستان کے لئے تعمیر کئے گئے ہیں، بے شمار ادارے اور مخیر حضرات یہ مکانات تعمیر کراکر بلا معاوضہ ضرورت مند افراد کو دے چکے ہیں، اس کے علاوہ دینی تعلیم کے مراکز اور مساجد کی تعمیر بھی صدقہ جاریہ بن سکتے ہیں، جس کا ہمیشہ فائدہ ہوگا، یعنی موت کے بعد بھی ہوگا۔ گویا وہ دولت جو فضول خرچ کرکے موجب گناہ تھی، گناہ اور بے لذت کے مطابق تھی، اگر مناسب صورت میں خرچ کی جائے تو باعث ثواب اور موجب رحمت وبرکت ہوجاتی ہے۔ "ہم خرما ہم ثواب" نام بھی پایا اور کام بھی ہوگیا۔
رسم ورواج:...... رسم ورواج ہر علاقہ اور ہر برادری میں مختلف ہیں، مثلاً ایک شادی میں دیکھا کہ دولہا صاحب حقیقی انداز میں دولہا سے زیادہ دلہن بن کر مجلس میں تشریف لائے، سہرا اس قدر طویل کہ روئے زیبا کا دیدار ممکن نہیں، بلکہ موصوف اپنی بینائی سے کام نہیں لے سکتے تھے، اس پر ستم یہ کہ نوٹوں کے ہار گلے میں اس قدر تھے کہ بیان کرنا ممکن نہیں، معلوم ہوا کہ دوست احباب نوٹوں کے ہار تیار کراتے ہیں اور یہ اظہار محبت کے طور پر ہے، جس قدر تعلق خاطر ہوگا، اتنا ہی طویل اور قیمتی ہار ہوگا، اظہارِ دولت اور محبت کا یہ طریقہ کس قدر سوقیانہ ہے، اہل ذوق خود اندازہ کرسکتے ہیں، نمائش کی حد ہوگئی، گویا اپنی دولت کا اشتہار دینا ہے۔ ساڑھے بارہ بجے نکاح کا وقت تھا، لیکن تین بجے تک بارات نہیں آئی، چار بجے نکاح اور پھر دوپہر کا کھانا ہوا، وہ بھی اس انداز میں کہ پلیٹ ہاتھ میں لے کر چلتے پھرتے کھالیں، یہ بھی ایک نئی رسم ہے، جو تیزی سے جاری ہورہی ہے، یعنی اس قدر جدیدیت ہے کہ معمر اور سفید ریش بزرگ بھی مجبور ہیں کہ کھڑے ہوکر کھانا کھائیں، اس کے ساتھ قدامت کا یہ اظہار ہے کہ اچھا خاصا مرد مستورات میں شامل ہوگیا، یعنی نوشاہ کا حلیہ قابل دید تھا۔
علاوہ ازیں کھانے کے بعد سر مجلس بھانڈ اپنی حماقتوں اور اہل مجلس کی جہالت کا اقرار کرتے ہیں اور فحش اشارے کنائیہ اور مذاحیہ انداز میں گالیاں سناتے ہیں، افسوس کہ "یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود"۔
بعض علاقوں میں رسم ہے کہ دلہن کی رخصتی کے وقت اس کے بھائی اپنی بہن کا ڈولہ خود اٹھا کر کچھ فاصلے کے بعد برات والوں کو دیتے ہیں، شاید مغلیہ زمانہ کے

رسم "ڈولہ دینا" کی سنوری ہوئی شکل یہ رسم ہے، لیکن غور فرمائیں کہ اس کا مذہب اور شرع سے کیا تعلق ہے۔ رسومات علاقہ وار مختلف ہیں، لیکن ایک بنیادی چیز یکساں اور نمایاں ہے، وہ ہے نمائش اور آرائش، اگر بنیادی اصلاح ہوجائے تو بڑی بات ہے۔

وقت کا تقاضا:...... موجودہ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح فی زمانہ طرز رہائش، لباس و خوراک میں تبدیلیاں ہورہی ہیں، اسی طرح مروجہ رسوم میں بھی تبدیلی ناگزیر ہے، حالات ایسی تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد یہ غیر شرعی فرسودہ رسومات خود بھی ختم ہوجائیں گی، جس کی مثال یورپ اور اور امریکہ کی شادیاں ہیں، جہاں نہایت مختصر اور سادہ انداز میں شادی ہوجاتی ہے، لیکن یہ سب معاشی اور اقتصادی بنیاد پر ہوتا ہے، ہمارا ملک بلکہ یہ پورا خطہ ترقی پذیر ہے، یہ ارتقائی دور ہے اور تبدیلی ناگزیر ہے، معاشی الجھنوں میں قدم قدم پر اضافہ ہورہا ہے، ایسی حالت میں جس قدر جلد ممکن ہو، اصلاح ضروری ہے، اگر یہ اصلاح اسلامی تعلیم اور احیاء سنت کے تحت ہوتو اس کا عظیم اجر وثواب حاصل ہوگا۔

قابل تقلید کردار:...... اصلاحِ رسوم کا سلسلہ پاکستان میں جاری ہے اور بعض برادریاں ان پر عرصہ سے عمل پیرا ہیں، آغا خانی، خواجہ برادری عرصہ سے اس پر قائم ہے کہ ان کی شادیاں اجتماعی صورت میں جماعت خانہ میں ہوتی ہیں، ایک ہی وقت میں سو دو سو شادیاں ہوجاتی ہیں، ان میں نہ کسی گھر میں عام دعوت ہے، نہ روشنی کا غیر معمولی انتظام، چونکہ شادیاں اجتماعی ہوتی ہیں، اس لئے تمام برادری کا اجتماع ہوتا ہے۔

میمن برادری مسجد میں نکاح کرتی ہے اور ان کے ہاں بھی بڑی تعداد میں نکاح ایک ہی خطبہ میں ہوجاتے ہیں، شرکاء مسجد ہی سے رخصت ہوجاتے ہیں، بوہری حضرات بھی جماعت خانے میں نکاح کرتے ہیں۔

دہلی کے تاجر حضرات بھی گزشتہ بارہ چودہ برس سے اسی انداز میں شادیاں کرتے ہیں، ان کے یہاں بھی نکاح کا مسنونہ مسجد میں ہوتا ہے بلکہ اکثر شادیاں بعد عصر نیو ٹاؤن کی مسجد میں ہوتی ہیں، خواہ شادی کا گھرانہ کتنے فاصلے پر رہتا ہو، اس طرح ہر ہفتے کئی کئی نکاح ہوتے ہیں، تمام باراتوں کے مدعوین یکجا ہوتے ہیں، اس میں ایک مزید فائدہ یہ ہے کہ ایک شخص بیک وقت متعدد نکاحوں میں شمولیت کرلیتا ہے۔ ان تمام برادریوں میں جو بات مشترک ہے، وہ ہے سادگی اور وقت کی پابندی، غیر ضروری اخراجات یعنی روشنی، آرائش، بارات کے لئے نشستوں کے انتظام اور دیگر فضول رسومات سے نجات مل جاتی ہے، سواریوں کا بندوبست بھی نہیں کرنا پڑتا۔

عقد مسنونہ:...... عقد مسنونہ کی حقیقت یہ ہے کہ مرد و زن ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے عہد کرتے ہیں، اس عہد کے دو گواہ ہونے لازم ہیں اور شوہر کی طرف سے ایک مناسب رقم بطور مہر ہونا چاہئے، جس کی کوئی معتداد مقرر نہیں، یہ نقد بھی ہوسکتا ہے اور زیور اور زمین کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے، اسی کا نام عقد یا نکاح ہے، بس یہ حقیقت ہے اتنا ہی شرعی حکم ہے، گواہ اس لئے ضروری ہیں کہ انسان کی موت وزندگی کا بھروسہ نہیں، اگر بغیر گواہوں اور اعلان کے نکاح خاموشی سے کرلیا جائے، بعد میں فریقین سے ایک منکر ہوجائے یا کسی ایک کا انتقال ہوجائے تو دوسرے فریق کو بطور وارث تسلیم نہیں کیا جائے گا، گواہان کی موجودگی سے ثبوت فراہم ہوسکتا ہے، نکاح کا خطبہ نکاح کے ارکان و شرائط میں شامل نہیں، لیکن چند کلمات ماثورہ اور آیات قرآنی پر مشتمل خطبہ پڑھنا مسنون ہے۔

اس قدر سادہ وفطری انداز میں انجام دیا جانے والا کام ہم نے ایسی دشواری اور الجھنوں کا مسئلہ بنادیا ہے کہ وہ کسی طرح قابو میں نہیں آتا، نہ مہندی کا ذکر ہے اور نہ

سلامی کا، نہ مہمان داری اور نمائش کا، اصل بات معاہدہ اور اس کے گواہان تک محدود ہے۔

مشہور عام کہاوت ہے: "میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی"

قطعی درست ہے، البتہ نکاح کا اعلان سنت ہے، یہ اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس معاہدہ سے واقف ہوجائیں اور یہ صورت بآسانی مسجد میں نکاح کرنے سے بھی ہوجاتی ہے کہ کسی بھی نماز کے بعد نکاح ہوجائے، ظاہر ہے کہ تمام نمازی واقف ہوجائیں گے، اسی طرح نکاح کا مسجد میں ہونا مستحب ہے۔ (اس سلسلے میں مسجد کا ادب واحترام لازم ہے، مسجد عبادت کے لئے ہے، اس کو نکاح مسنونہ کے لئے استعمال کیا جائے، نمائش اور ہنگامہ اور غل وشور نہیں ہونا چاہئے)

مسنون دعوت:...... ولیمہ کی دعوت مسنون ہے، لیکن یہ مسنون دعوت بھی غیر مسنون طریقہ پر انجام دی جاتی ہے، جس طرح شادی ونکاح کا معاملہ انجام دیا جاتا ہے، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا جزو ایمان ہے، لیکن عمل سے قبل روحِ سنت سے واقف ہونا بھی ضروری ہے، سنت آسانی اور سادگی کا نام ہے، اسلام دین فطرت ہے، ولیمہ کی دعوت خود حضور اکرم، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی کہ ایک بار صرف ایک پیالہ میں دودھ لایا گیا، حاضرین مجلس نے ایک ایک گھونٹ لیا، ولیمہ ہوگیا۔ ایک بار کچھ کھجوریں تھیں، سب کو تقسیم کردی گئیں، ولیمہ ہوگیا، اس کے علاوہ یہ بھی طریقہ ہے کہ حاضرین یا دوست احباب اپنے اپنے گھروں سے کھانا لے آئیں اور سب مل کر ایک دستر خوان پر کھانا کھالیں، یہ بھی ولیمہ ہوگیا۔

ان سب صورتوں میں جو بات مشترک ہے، وہ یہ کہ کسی صورت میں بھی دعوت نامہ جاری نہیں ہوا، بلکہ صرف حاضرین جن کی تعداد جو بھی ہو، شریک ہوئے اور حصہ بقدر جو بھی تھا، تقسیم ہوگیا۔ ایمان داری سے فیصلہ کیجئے کہ کیا آج کے ولیمہ کی دعوتیں، دعوت مسنونہ کہلانے کی مستحق ہیں، یہ نمائش، روشنی اور آرائش، پھر اس میں فیشن پریڈ اور دولت مندی کی نمائش، بعض جگہ مخلوط اجتماع، اکثر وبیشتر بازاری انداز میں کھڑے ہوکر بلکہ ٹہل ٹہل کر کھانا کھانا کیا یہ ولیمہ مسنونہ ہے؟؟؟

لمحہ فکریہ:...... دراصل یہ تمام ذہنی عیاشیاں، فضول خرچیاں روایات کی پیروی اور برادری کے رواج پر عملدرآمد کا نمونہ ہیں اور کچھ ہماری اپنی ایجادات ہیں، ان سب کو شرعی پردہ پہنانا مزید جہالت ہے، دولت مند تو یہ سب کرلیتا ہے، لیکن نادار اور غریب خاندان کس طرح عمل کرے گا، کون یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا تمام خاندان مال دار ہے، ہر خاندان میں ایسے افراد موجود ہیں جو اکثر و بیشتر اپنی ضروریات بھی پوری نہیں کرسکتے، آپ غور کریں گے تو آپ کے عزیزوں، قریبی رشتہ داروں میں ایسے مستحق ہوں گے جو اپنی روزانہ کی ضروریات میں خود کفیل نہیں ہوں گے، ایک دادا یا ایک باپ کی اولاد، مگر ایک مالدار اور دوسرا مفلس کیا...... ہمارا یہ فرض نہیں ہے کہ ہم اپنے ضرورت مند بھائی کی بالکل اسی طرح خدمت کریں کہ جس طرح اس کا حق ہے، قرآن کریم میں اس کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ اس مضمون کی ابتداء میں درج ہے کہ قرابت دار کو اس کا حق مالی اور غیر مالی دیتے رہنا۔ ہمارا دین ہمیں پڑوسی اور ہمسائے کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے، یہ تو پھر خون کے رشتہ کے بھائی ہے، اس کا حق تو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

دل آزاری:...... شادی بیاہ اور دیگر فضول رسومات سے بچ کر اگر ہم یہ رقم اپنے غریب بھائی کو دے دیں تو عین ممکن ہے کہ وہ خود کفیل ہوجائے اور معاشرہ میں اپنا مقام حاصل کرلے، ایک جرم یہ بھی ہے کہ یہ غریب بھائی یا بہن آپ کو اس طرح دولت لٹاتے دیکھے گا، تو اس کے دل کی کیا حالت ہوگی، کیا وہ یہ غور نہیں کرے گا کہ میرے

بیوی بچے گھر میں فاقہ سے پڑے ہیں اور میرے بھائی کے ہاں گھر پھونک تماشہ ہورہا ہے، میرا خاندان دعوت کے باوجود صرف اس لئے نہیں آیا کہ مناسب لباس نہیں تھا، شرم کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے، لیکن یہاں میرے بھائی کی اولاد فیشن کی تصویر بنی ہوئی ہے۔

مستحسن فیصلہ:......کراچی کی صدیقی برادری نے اصلاح رسوم کی درج ذیل تجاویز حال ہی میں منظور کی ہیں، جن پر عملدرآمد ہورہا ہے۔

(۱)......نکاح مسجد میں ہوگا۔

(۲)......نمائش جہیز اور پینڈیوں کی رسم متروک قرار دے دی گئی۔

(۳)......برات کی دعوت نہیں ہوگی۔

جس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے اور دوسرے لوگ بھی اپنی اصلاح وفلاح کے لئے اب اس کی تقلید کرنے لگے ہیں۔

مفید تجاویز:......یہ بنیادی تجاویز ہیں، ان پر عمل پیرا ہوکر اندرون خانہ رسومات بھی ختم کی جاسکتی ہیں۔

(۱)......نکاح مسجد میں کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ گھر میں اجتماع کا انتظام کرنا اور نوشہ سازی اور چندہ بازی میں یعنی سلامی کی نامناسب رسم میں وقت ضائع ہونا ختم ہوجائے گا، اجتماع فریقین کا براہ راست مسجد میں ہونا چاہئے، نکاح بعد نماز عصر فوری طور پر ہونا بہتر ہے، اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ وقت کی پابندی ہوگی، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ دولہا اور براتی باوضو ہوں گے اور جماعت سے نماز ادا کر کے نکاح منعقد کریں گے، برات نماز سے قبل آئے اور نماز کے فوری بعد نکاح ہوجائے، ورنہ مزید انتظار میں وقت ضائع ہوگا۔

(۲)......نکاح کے بعد سادہ چھوہارے تقسیم ہوجائیں، اس میں میوہ جات، یا مٹھائی وغیرہ کا جو اضافہ ہوتا جارہا ہے، نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ چھوہارے ہی سنت ہیں، باراتی مسجد سے رخصت ہوجائیں اور دولہا اور چند قریبی عزیز دلہن کو رخصت کرانے اس کی رہائش گاہ چلے جائیں۔

(۳)......رخصتی بعد نماز مغرب اور قبل عشاء ہونا ضروری ہے کیونکہ برات کا کھانا نہیں ہے، لیکن ہر دو فریق اپنے مقیم مہمانوں کو اور خود گھر والوں کو کھانا کھلائیں گے، ظاہر ہے کہ رخصتی سے قبل نہ لڑکی والے کھانا کھائیں گے اور نہ لڑکے والے اپنے گھر کھانا کھانے جائیں گے، اس لئے جلد رخصتی ضروری ہے، یوں بھی نصف شب اور اس کے بعد رخصتی ہونا تمام براتیوں کے لئے تکلیف دہ ہوتا ہے۔ دولہا اور اس کے احباب کی یا دلہن کو رخصت کرانے والی مستورات کی مشروبات سے تواضع کی جاسکتی ہے، کھانا نہیں ہونا چاہئے۔ اگر اصلاح مقصود ہے تو مکمل طور پر ہونی چاہئے، جو عمل ہو، مکمل ہو اور اس کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہو، نہ کہ برادری یا قانون کا خوف، کیونکہ برادری یا قانون صرف ظاہر کو دیکھے گا، نیت اور باطن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہے تو پھر ظاہر و باطن ایک جیسا رکھنا ضروری ہے۔

(۴)......شادی یا ولیمہ کے دن غیر معمولی روشنی اور آرائش قطعی ناجائز اور اسراف ہے، ضرورت کے مطابق روشنی ہونی چاہئے، نمائش کی ضرورت نہیں۔

اصل چیز:......نمائش ہی ہے جس سے ایک طرف لڑکی والے فخر وافتخار محسوس کر کے جھوٹی طمانیت حاصل کرتے ہیں اور دوسری جانب خاندان بھر کی مستورات اپنے یہاں ہونے والی شادیوں کی فہرست میں نئی نئی رسوم کا اضافہ کرتی ہیں۔

غلط دستور:......بعض علاقوں میں لڑکی والوں کی طرف سے سمدھیانے کے ہر فرد کے لئے جوڑے اور زیور وغیرہ دینے کا رواج ہے، یہ بھی محض رسم ہے، اسی طرح ہر طبقہ میں غیر ضروری لین دین ہوتا ہے، جس کا بنیادی طور پر شادی سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن رواج پر عمل کرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے، بیاہ شادی میں ناچ گانے کی محفلیں گم کم ہوگئی ہیں، لیکن فلم شو، ورائٹی پروگرام، فلمی گانوں کی ریکارڈنگ نے اس کی جگہ لے لی ہے، یہ سب خلاف شرع اور اسلامی شعائر کے خلاف ہے۔

منگنی:......حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے شادی کو قیامت کبریٰ اور منگنی کو قیامت صغریٰ فرمایا ہے، منگنی بھی ایسی ضروری رسم قرار دے دی گئی ہے، حالانکہ نہ اس کی کوئی شرعی ضرورت ہے اور نہ اس کی اہمیت، تاہم جہاں کسی وجہ سے ایسی ضرورت ہو تو مضائقہ نہیں، لیکن فضول اور مسرفانہ رسومات سے دور رہنا ضروری ہے۔

منگنی بھی اچھی خاصی شادی ہوجاتی ہے، لین دین، دعوت، مہمانداری، غرضیکہ شادی کے لوازمات سب پورے ہوجاتے ہیں، منگنی کا مقصد صرف یہ ہے کہ برادری اور رشتہ داروں کو علم ہوجائے کہ اس لڑکے یا لڑکی کا رشتہ طے ہوگیا ہے، اس کے علاوہ کوئی افادیت نہیں، صرف اس اعلان کے لئے اس قدر اہتمام اور اسراف بے معنی ہے۔

اعلان اور شگون کے لئے چند کلو مٹھائی اور معمولی تحائف فریقین کے استعمال کے لئے تبادلہ کرلئے جائیں تب بھی اعلان ہوجاتا ہے، جب اس سادگی سے مطلب برآری ہوسکتی ہے تو پھر فضول اور لغو رسومات پر عمل کر کے وقت اور سرمایہ ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

حرف آخر:......درحقیقت اصلاح تو زندگی کے ہر شعبہ اور معاشرہ کے ہر جز کی ہونی چاہئے، ہماری بداعمالیاں ہمیں اس حال میں لے آئی ہے کہ نام کے مسلمان رہ گئے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ہم تو مسلمان کے معنی و مفہوم بھی نہیں جانتے۔ ہم نے اپنے لباس، اپنی تہذیب، اپنی معاشرت سب کچھ تبدیل کرلی ہے اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ ہمیں اس کا احساس تک نہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ اچھے مسلمان اور اچھے انسان بن کر زندگی گزاریں۔ یہ مسئلہ کسی ایک فرد یا برادری کا مسئلہ نہیں، کسی ایک ملک کا بھی نہیں، پورے عالم اسلام کا ہے، البتہ اصلاح کی کوشش ہر فرد کو ذاتی طور پر شروع کرنی چاہئے کہ سب سے پہلے اپنی ذات کی اصلاح ہو، اس کے بعد اپنی اولاد اور اپنے گھر کی اصلاح ممکن ہے، پوری ملت کی اصلاح کی کوشش اپنی اصلاح کے بعد ہی ممکن ہے جو ہم سب پر لازم ہے کیونکہ

فطرت افراد سے اغماض تو کرلیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

عہد:......آیئے! ہم عہد کریں کہ آج سے بلکہ ابھی سے زندگی کے ہر شعبہ میں اسراف ونمائش سے بچیں گے اور اپنے گھر والوں اور متعلقین کو تلقین کریں گے، خاص طور پر شادی بیاہ، غمی وسوگ کے موقعوں پر خلاف شرع رسومات سے سختی کے ساتھ اجتناب کریں گے اور تمام کام اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے حصول کے لئے عمل میں لائیں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆

خون کا قطرہ

☆......ایک دن حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کہیں جارہے تھے کہ بچے آپ کے پیچھے لگ گئے اور آپ کو مجنون سمجھ کر تنگ کرنے لگے، آپ ان کی طرف توجہ دیئے بغیر چلے جارہے تھے، ایک لڑکے نے کنکر اٹھا کر آپ کی طرف پھینکا جو آپ کی پنڈلی پر لگا، حتیٰ کہ خون نکلنے لگا، ایک شخص نے یہ منظر دیکھا تو بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیا اور آپ کے قریب ہوا کہ زخم کو صاف کردے، مگر یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ آپ کے جسم سے خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا تھا اس سے اللہ کا لفظ بن جاتا، سبحان اللہ، اس جسم میں محبت الٰہی کتنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوگی کہ جس سے خون کا قطرہ زمین پر گرتے ہی اللہ کا لفظ بن جاتا تھا، اللہ ہمیں بھی اپنی ایسی ہی محبت عطا فرمائیں۔ (آمین)

نقوش و تاثرات

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

تیسرا حصہ

والد ماجد کی قبر پر:..... سب سے پہلے والد ماجد مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا، ان کا ایک جملہ جو مرض وفات میں فرمایا تھا اور میں اسے کبھی نہیں بھولتا، اس وقت مستحضر ہوگیا، فرمایا تھا کہ ”شفیع! مرنے والوں کو بھول تو جایا ہی کرتے ہیں، مگر اتنی بات کہتا ہوں کہ جلدی نہ بھول جانا۔“

والد مرحوم کا یہ جملہ خدا جانے کیا چیز تھی کہ آج پچیس سال کے بعد بھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسی وقت فرما رہے ہیں۔

والد مرحوم دارالعلوم دیوبند کے قرنِ اول کے طالب علم تھے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس دارالعلوم، حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلوی، حضرت ملا محمود صاحب دیوبندی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمہم اللہ سے علوم حاصل کئے، حضرت حکیم الامت سیدی مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت حافظ مولانا محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم وغیرہ حضرات ہم سبق تھے، تحصیل علوم سے فراغت کے بعد قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ سے شرف بیعت حاصل کیا اور گنگوہ کی حاضری کو سرمایۂ سعادت سمجھا، اکثر پاپیادہ سفر ہوتا تھا۔

اپنے شیخ کے عاشق تھے، ہوش سنبھالتے ہی گھر میں حضرت گنگوہیؒ اور دوسرے بزرگوں کے تذکرے روزانہ ہمارے کانوں میں پڑتے تھے، جس نے دل میں بزرگوں کی عظمت و محبت کی تخم ریزی کی۔

علم و فضل کے اونچے معیار پر ہونے کے باوجود اساتذہ کے زمانہ میں کسی وقتی ضرورت کے ماتحت درجۂ فارسی کی خدمت میں لگا دیا گیا تھا، تمام عمر اسی خدمت میں گزاری، قصبہ دیوبند کا شاید ہی کوئی گھرانہ ہو جس میں ان کے شاگرد نہ ہوں، دادا سے لے کر پوتوں تک کی تعلیم ان کے ذریعے ہوئی، دیوبند سے باہر بھی ہزاروں شاگرد ہیں، حق تعالیٰ نے بزرگوں کی صحبت سے ان کی تعلیم میں یہ برکت عطا فرمائی تھی کہ جس نے کچھ بھی پڑھ لیا بے کار نہیں رہا۔

ان کے متصل ہی عم محترم منشی منظور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر تھی، اس پر حاضری ہوئی، موصوف والد ماجد کے ساتھ درجۂ فارسی کے مدرس دوم تھے، حساب و کتاب اور ریاضی کی تعلیم کے بڑے ماہر استاذ تھے، والد مرحوم کی طرح ان کے بھی ہزاروں شاگرد ہیں۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتویؒ:..... اس قبرستان کے سب سے مقدس بزرگ جن کے نام سے قبرستان معروف ہے، بانیٔ دارالعلوم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کا مزار ہے، مولانا موصوفؒ کی وفات میری ولادت سے بہت پہلے ہوچکی تھی، مجھے ان کا زمانہ نصیب نہیں ہوا، مگر دارالعلوم میں رہ کر جو کچھ لکھا پڑھا، وہ سب انہیں کے خوانِ کرم کا ایک حصہ تھا۔ وہ علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے آفتاب تھے، ان کا ذکر محتاج تعارف نہیں، ان کی مختصر سوانح حیات تو ان کے ہم عصر بزرگ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت تحریر فرمائی تھی، پھر حال میں مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے آخری دور میں ایک مفصل ”سوانح قاسمی“ لکھی، دو تین ضخیم جلدوں میں شائع ہوچکی ہے، لیکن جو حضرات موصوفؒ کے حالات سے واقفیت رکھتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ اب بھی جو کچھ صفحات قرطاس پر آیا ہے، وہ محض ایک نمونہ کی حیثیت سے زائد نہیں۔

حضرت مولانا محمد احسن صاحبؒ:..... حجۃ الاسلام کے برابر ہی درمختار کے مترجم اور احسن القواعد وغیرہ کتابوں کے مصنف مولانا محمد احسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا مزار ہے، موصوف مولانا ممدوح (نانوتویؒ) کے ہم قرن بزرگوں میں سے ایک جامع کمالات بزرگ ہیں، ان کا تذکرہ کراچی میں محترم دوست محمد ایوب صاحب نے لکھا ہے، جو عنقریب شائع ہوگا۔

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ:..... مولانا موصوف کے پائے تانہ میں چند عظیم بزرگوں کی قبریں ہیں، ان میں سب سے مقدم شیخ الہند سیدی حضرت مولانا محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ ہیں جن کی ذات گرامی کسی مسلمان کے لئے محتاج تعارف نہیں، حضرت نانوتویؒ بانی دارالعلوم کے خاص شاگرد اور سفر و حضر کے رفیق تھے، ان کی وفات کے بعد حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی صحبت اختیار فرمائی اور انہیں سے بیعت طریقت کی اجازت حاصل ہوئی، عمر کا بڑا حصہ دارالعلوم دیوبند میں صدر مدرس کی حیثیت سے تعلیمی خدمات میں صرف فرمایا، آپ کے ہزارہا تلامذہ میں سے سینکڑوں کی تعداد ایسے علماء کی ہے جو اپنے زمانے کے مقتدا مانے گئے، جنہوں نے علم و عمل کے ہر میدان میں نمایاں کام کئے۔

عمر کے آخری دور میں من جانب اللہ جذبۂ جہاد سارے مشاغل پر غالب آگیا اور اس بوریا نشین بزرگ نے اپنے حجرہ میں بیٹھ کر یہ سوچنا شروع کردیا کہ ہندوستان کو انگریزوں کے ہاتھ سے رہائی اور اسلامی مملکت بنانے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اس سلسلے میں جو کچھ ہوا اس کا مختصر خاکہ آپ کے خاص شاگرد حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ نے ”سفرنامۂ مالٹا“ کے نام سے جمع فرمادیا ہے اور مستقل سوانح استاذ محترم حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ”حیات شیخ الہند“ کے نام سے شائع فرمادی ہے۔

احقر نے حضرتؒ کا زمانہ پایا مگر ضابطہ کا تلمذ اس لئے نہیں ہوسکا کہ میں اس وقت متوسط کتابیں پڑھتا تھا، مگر حضرت قدس سرہٗ کے ساتھ قلبی عظمت و محبت مجھے اکثر ان کے درس بخاری میں لے جایا کرتی تھی۔

قید مالٹا سے پہلے دو سال تک رمضان المبارک میں حضرت ممدوح کے ساتھ رات بھر کی تراویح میں شرکت کا شرف حق تعالیٰ نے عطا فرمایا، مالٹا سے واپسی کے بعد حضرتؒ ہی سے بیعت سلوک کا شرف حاصل ہوا جبکہ احقر دارالعلوم میں ابتدائی مدرس کی حیثیت سے خدمت تعلیم میں مشغول تھا۔

مزار مبارک پر حاضری کے وقت حضرت قدس سرہٗ کی شفقتوں اور عنایتوں کا ایک وسیع میدان سامنے آگیا۔

حضرت شیخ الہندؒ کا ایک زریں کلمہ:..... اور قید مالٹا سے واپس تشریف لانے کے بعد رمضان المبارک کی ایک رات میں تراویح کے بعد دارالعلوم کے قدیم

دارالافتاء کی چھت پر علماء وفضلاء کے ایک عظیم مجمع کے سامنے آپؒ کے فرمائے ہوئے دو جملے، جو مسلمانوں کی ساری مشکلات کا صحیح حل ہیں، مستحضر ہو گئے، ان کو یہاں بھی بغرض افادہ لکھتا ہوں، ارشاد فرمایا کہ "ہم نے تو قید مالٹا کی تنہائیوں اور اس کی چار سالہ زندگی میں صرف دو سبق سیکھے ہیں، اول یہ کہ مسلمانوں کی تمام مصائب و آفات کا اصلی سبب یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا اور علاج بھی اس میں منحصر ہے کہ پھر اس کی پوری جدوجہد کی جائے کہ قرآن کریم کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے، کسی مسلمان کو اس سے خالی نہ چھوڑا جائے کہ روزانہ کچھ نہ کچھ تلاوتِ قرآن کیا کرے، معانی سمجھ کر پڑھے تو سبحان اللہ، ورنہ بے سمجھے پڑھنا بھی ایک عظیم نور و برکت اور مسلمانوں کی صلاح و فلاح میں ایک خاص اثر رکھتا ہے، بچوں کے مکاتب قائم کئے جائیں، بڑوں کو قرآن پڑھانے کا انتظام کیا جائے اور مدارس عربیہ کے درس تفسیر کے علاوہ عوامی درس قرآن مختلف محلوں میں، ہر شہر میں قائم کئے جائیں، تاکہ عوام کو کچھ نہ کچھ مضامین قرآنیہ سے آگاہی ہو، دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے آپس کے اختلافات کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔"

یہ دو جملے جو علوم اسلامیہ کے اس دریائے ناپیدا کنار نے پوری عمر درس و تدریس اور تعلیم میں صرف کرنے کے بعد ستر سال سے زائد عمر میں قید مالٹا کے خلوت خانے سے حاصل کئے ہیں، اس کی قدر و منزلت پہچانئے کہ یہ کوئی اکتسابی چیز نہیں، خالص الہامی ہے اور غور کریں تو ہمارے تمام موجودہ مصائب کا حل اسی میں مضمر ہے، چنانچہ خود حضرت ممدوح نے اپنی عمر کے باقی ایام میں انہیں دونوں مقصدوں کو سامنے رکھ کر کام شروع کیا اور درس قرآن خود شروع کر دیا جس میں حاضری کی سعادت احقر کو بھی حاصل ہوئی، مگر افسوس کہ اس وقت یہ غروب ہونے والا آفتاب افق کے قریب پہنچ چکا تھا اور چند روز بعد ہی غروب ہو گیا۔

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ:

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے متصل حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر ہے، اس پر حاضری ہوئی۔ حضرت ممدوح کی ذاتِ گرامی ایک بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہے، عرب و عجم میں مسلمان تو مسلمان بہت سے غیر مسلم بھی آپؒ کے کمالات سے بے خبر نہیں، آپ نے بڑا اکرم فرمایا کہ اپنی سوانح حیات خود اپنے قلم سے تحریر فرما دی جو "نقش حیات" کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، بعد میں اور بھی کچھ حضرات نے آپ کے مختصر تذکرے لکھے ہیں۔

ملک کے سیاسی نظریات میں مجھے حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے تابع، آپؒ کے نظریات سے اختلاف رہا، لیکن آپ کی عظمتِ شان اور کمالات بحمد اللہ ہر حال میں مستحضر رہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھول سکتا کہ مجھے درس حدیث کی خدمت پر سب سے پہلے انہوں نے لگا دیا، جب آپ سلہٹ میں تشریف رکھتے تھے، وہاں حدیث پڑھانے کے لئے ایک مدرس کی ضرورت پیش آئی، مجھے والا نامہ تحریر فرما کر بلایا، میں نے عذر کیا کہ اس وقت تک دارالعلوم میں مجھے کبھی حدیث پڑھانے کا اتفاق نہیں ہوا، میرا مشغلہ زیادہ تر ادب اور دوسرے فنون رہے، اس پر تقاضے کا خط آیا کہ ایسا کیوں کیا، حدیث کی تعلیم کو ضروری سمجھو، پھر دیوبند تشریف آوری کے وقت دوبارہ وہ حکم دیا، میں نے عذر کیا کہ حضرت! جہاں استاذ محترم حضرت شاہ صاحب درس حدیث دیتے ہوں، وہاں ایسا احمق کون ہوگا جو مجھ سے حدیث پڑھنے کو گوارا کرے، فرمایا: نہیں! کوئی نہ کوئی کتاب حدیث کی ضرور پڑھایا کرو اور پھر بار بار اس کا تقاضا فرمایا، بالآخر دارالعلوم کی طرف سے سب سے پہلے مؤطا امام مالک کا درس میرے سپرد ہوا اور اس کے بعد دورہ حدیث کی دوسری کتابیں پڑھانے کی نوبت آئی۔

مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ:..... آپؒ کے قریب ہی عارف باللہ مفتی اعظم استاذ محترم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا مزار ہے، اس پر حاضری کے وقت آپ کے مقدس سیرت و صورت اور ہزاروں کمالاتِ ظاہری و باطنی کا جامع ہونے کے ساتھ ان کی سادگی اور تواضع ایک حلیم و کریم بزرگ کی صورت میں گویا ایک بچھڑے ہوئے خادم کی ضیافت خاطر کرنے لگی، دارالعلوم میں فتوے کے لئے مستقل عہدہ آپ ہی کی ذاتِ گرامی سے شروع ہوا، اس سے پہلے دارالعلوم کے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ہی فتوے کی خدمت انجام دیتے تھے، کوئی مستقل مفتی نہ تھا، اس لئے دارالعلوم کے سب سے پہلے مفتی آپؒ ہی ہیں، احقر نے مشکوٰۃ، جلالین وغیرہ کتابیں بھی آپؒ سے پڑھی تھیں اور فتویٰ نویسی کا کچھ کام بھی آپؒ کی زیر ہدایت کیا تھا۔

آپ بھی دارالعلوم میں قرنِ اول کے طالب علم اور قرنِ ثانی کے استاذ تھے، مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ نقشبندیہ میں مقاماتِ سلوک طے کر کے ان کے خلیفۂ مجاز ہوئے، آپؒ کے افاضات کا طویل سلسلہ ایک طرف ہزاروں شاگردوں کی صورت سے دنیا میں پھیلا، دوسری طرف فتاویٰ کی خدمت سے، تیسری طرف ارشاد و سلوک سے، حضرت قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھی آپؒ کے معروف خلفاء میں سے تھے، جن کے خلیفہ حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدینہ آج بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں علم و معرفت کی خدمات انجام دے رہے ہیں اور آپؒ کے بڑے صاحبزادے مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے دہلی میں ندوۃ المصنفین کے نام سے علوم دینیہ کی اشاعت کا ایک بہترین کامیاب ادارہ قائم کیا ہوا ہے اور چھوٹے صاحبزادے قاری جلیل الرحمٰن صاحب دارالعلوم دیوبند میں تجوید و قرأت کے مدرس ہیں۔

علم و فضل اور تقدس کے اونچے معیار کے ساتھ سادگی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ پڑوسیوں کے گھروں کا بھی سودا سلف اور بازاری ضروریات خود بازار سے خرید کر لاتے اور ایک ایک کو پہنچاتے تھے، فتوے کے ساتھ شغف کا یہ عالم کہ وفات کے وقت ہی ہاتھ سے قلم چھوٹا اور فتویٰ سینہ پر رہا۔

افسوس ہے کہ اس سوانح نگاری کی گرم بازاری کے زمانے میں بھی اس عظیم شخصیت پر کسی نے کچھ نہ لکھا اور یہ موقع بھی سوانح لکھنے کا نہیں ہے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم:...... علم و فضل کے انہیں سیاروں میں ایک قبر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم کی ہے، جن کے حسن تدبیر اور حسن نظام نے دارالعلوم کو بام عروج پر پہنچایا اور پورے دارالعلوم کی انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ ان کے علمی کمالات اپنی جگہ تازہ تھے، ان کی مشہور و معروف تصنیف "اشاعت اسلام" ان کی وسعت معلومات اور تدقیق نظر کی کافی شہادت ہے، عربی زبان کے بہترین ادیب تھے۔ "قصیدہ لامیۃ المعجزات" اور متعدد قصائد آپؒ کے طبع ہو چکے ہیں، ان سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، میری تعلیم و تربیت میں ان کی عنایات کو بڑا دخل ہے، یہ عظیم الشان شخصیت بھی انہی ہزاروں علماء میں سے ہے جن کو تاریخ و سوانح کی دنیا نے یکسر بھلا دیا ہے، آپؒ ہی کی قبر پر پہنچ کر اور اس کو شکستہ حالت میں دیکھ کر عرصہ ہوا، میں نے ایک عربی نظم لکھی تھی، جس کے چند اشعار یہ ہیں:

ایھا الواقف عند جدث

قد محتہ الھوج والغیث الھتن

اے اس قبر کے پاس کھڑے ہونے والے، جس کو سخت ہواؤں اور تیز بارشوں نے مٹا دیا ہے۔

فھل تعلم ما ھذا الثری

او ھل تعرف ھذا قبر من

کیا تو جانتا ہے کہ یہ مٹی کیا چیز ہے اور کیا تجھ کو معلوم ہے کہ یہ کس کی قبر ہے؟

قبر من اعطی وولی و عزل

قبر من اعیا مرارات المحن

یہ اس شخص کی قبر ہے، جس نے داد ودہش کی بہتوں کو عہدہ دیا، بہتوں کو معزول کیا اور جس نے مصائب کی تلخیوں کو دھکا مارا۔

قبر من جاد و ساد وارتقیٰ

قبر من کان ملاذاً فی الفتن

یہ قبر اس شخص کی ہے، جس نے سخاوت کی، سرداری کی، ترقی حاصل کی اور جو فتنوں کے وقت لوگوں کی پناہ گاہ تھی۔

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ:......

انہیں نجوم علوم و ہدایت میں جو اس مقدس قبرستان میں زیر زمین ہیں، ایک تازہ قبر استاذ محترم شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی ہے۔ آپؒ میرے ان اساتذہ میں سے ہیں جن کی تعلیم وتربیت میری تعلیم کا اصل قوام تھی، میں نے عربی ادب کی کل کتابیں مفید الطالبین سے لے کر حماسہ تک آپؒ ہی سے پڑھیں، عربی ادب نظم ونثر آپؒ ہی سے سیکھا، عربی ادب سے آپؒ کو طبعی شغف اور اپنے تلامذہ کو تعلیم وتربیت دینے میں ایک خداداد مہارت اور برکت تھی۔

ایک مرتبہ نادیۃ الادب کے نام سے ایک ہفتہ وار مشاعرہ عربی زبان میں جاری فرمایا، جس کی صدارت استاذ الکل حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند فرمایا کرتے تھے اور استاذ محترم اپنے تلامذہ کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنی نظم سناتے اور دوسروں کی سنا کرتے تھے۔

دارالعلوم میں درس وتدریس کی والہانہ خدمت آپؒ کا شب وروز کا محبوب مشغلہ تھا، اس کے ساتھ ادب اور فقہ کی بہت سی کتابوں پر حواشی لکھے جو اہل علم میں نہایت مقبول ہوئے۔

سخت افسوس رہا کہ میری حاضری دیوبند سے چند سال پہلے یہ شفیق استاذ بھی رحلت فرما چکے تھے، مگر ان بھی ان کی قبر پر پہنچ کر ان کی شفقتوں اور عنایتوں کا تصور ایک خاص رنگ میں میری دلجوئی کر رہا تھا۔ آپؒ کی مختصر سوانح حیات بنام "تذکرۂ اعزاز" شائع ہو چکی ہے۔

یہ تو ان مشاہیر اور اکابر کی قبریں تھیں، جن کے نشانات قائم اور معروف تھے، ورنہ اس زمین کا تو ایک ایک ذرہ علم و فضل، زہد وتقویٰ کا درخشندہ ستارہ ہے، خدا تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کتنے علماء وفضلاء اس زمین میں آرام فرما ہیں۔

اساتذہ میں سے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ ہزاروی اور حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندیؒ بھی اس خطے میں مدفون ہیں جن کے صاحبزادے مولانا عبدالاحد صاحب آج بھی دارالعلوم کے اچھے مدرسین میں سے ہیں، میری ایک حقیقی بہن اور سینکڑوں عزیز وقریب اور ہم سبق ہم عصر اسی غیر آباد بستی میں بستے ہیں، مگر ان میں بہت سوں کی قبروں کے نشان ہی ختم ہو گئے اور بہت سے پہچانے نہیں گئے۔

یاد گار شمع محفل تھی یہ پروانے کی خاک
صبح تک وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا

ہاں! میرے عزیز بھانجے مولانا سید حسن صاحب مدرس دارالعلوم ساتھ تھے، انہوں نے اپنے والد ماجد مولانا نبیہ حسن صاحب مرحوم کی تربت تک مجھے پہنچا دیا، مولانا موصوف میرے استاذ بھی تھے، بہنوئی بھی اور ہر وقت ساتھ رہنے کے اعتبار سے ایک بے تکلف دوست بھی، متوسط تعلیم آپ کی پورے دارالعلوم میں ضرب المثل تھی، اسی طرح فنون ریاضی ہیئت وغیرہ کے ممتاز استاذ تھے، آپؒ کے پانچ صاحبزادے ہیں جن میں بڑے صاحبزادے مولانا سید حسن صاحب سلمہٗ آج بھی بحمد اللہ دارالعلوم کے قابل اور مقبول اساتذہ میں سے ہیں۔

......(جاری ہے)......

اپنی خوشی سے

بینا رانی

"ارے سدرہ...... تم...... اُف...... کتنے دن کے بعد آئی ہو...... جلدی اندر آؤ ناں......" فروا خوشی سے نہال ہوئے جارہی تھی۔

"تو اتنے دن میں تمہیں کون سی توفیق ہوگئی ملنے آجانے کی۔" سدرہ نے کہا تو فروا کھلکھلا کے ہنس دی۔

"تم ادھر بیٹھو، میں بس بھابھی کو یہ چائے اور سر درد کی ٹیبلٹ دے آتی ہوں، دراصل بھابھی کے سر میں بہت درد ہے، میں نے انہیں آرام کرنے کو کہا ہے، اب یہ چائے اور ٹیبلٹ دے آتی ہوں، طبیعت ذرا سیٹ ہو جائے گی ان کی۔" یہ کہہ کر فروا سدرہ کو انگشت بدنداں چھوڑ کر بھابھی کے کمرے کی طرف لپکی، چند منٹ کے بعد اس کی واپسی ہوئی۔

"اور سناؤ کیا کر رہی ہو آج کل......؟" فروا اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

"میں...... میں سلائی سیکھ رہی ہوں آج کل۔" سدرہ دور کہیں خلاؤں میں گھورتے ہوئے بولی۔

"ہوں، بہت اچھی بات ہے، ارے یاد آیا...... میں ذرا بھابھی کو کمرے میں بند کر آتی ہوں، ورنہ تمہارے پاس مجھے بیٹھا دیکھ کر فائدہ اٹھائیں گی۔" باتوں کے دوران فروا ایک دم چہک کر بولی۔

"فائدہ اٹھائیں گی...... کیا مطلب؟" سدرہ نے شکن آلود پیشانی کے ساتھ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں فروا کی طرف دیکھا۔

"ہاں یار...... وہ میں نے شام کے برتن دھونے ہیں، میں تمہارے پاس بیٹھی ہوں تو بھابھی آ کر برتن دھونا شروع ہو جائیں گی، طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے ناں ان کی۔" فروا کہتی جارہی تھی اور سدرہ کے ذہن میں جھماکے ہو رہے تھے، فروا نے اٹھ کر چپکے سے بھابھی کے کمرے کو باہر سے لاک کر دیا۔

"ارے ارے فروا کی بچی...... میں کہتی ہوں دروازہ کھولو۔"

"بھابھی، بس تھوڑی دیر اور آرام کر لیں پلیز......"

"میں...... میں فروا...... سچ بہت پٹائی کروں گی تمہاری...... جلدی کھولو۔" فروا کی امی سلائی کرتی کرتی ان کی حرکتوں سے محظوظ ہو رہی تھیں اور سدرہ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے، فروا اور سدرہ ان کے گھر کے درمیان صرف دو گھروں کا فاصلہ تھا، فروا دو بھائیوں کی ایک بہن تھی جبکہ سدرہ کے پانچ بھائی تھے، دونوں ایک دوسرے کو بہن ہی کہا کرتی تھیں، ہر معاملے اور دل کی ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کرنا ان کی بچپن کی عادت تھی، دونوں کے ایک ایک بھائی کی شادی ہو چکی تھی، سدرہ کے بھائی کی شادی کو دو سال ہو چکے تھے جبکہ فروا کے بھائی کی شادی ڈیڑھ سال پہلے ہوئی تھی، دونوں کے گھروں کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق تھا، سدرہ کے گھر سے اکثر لڑائی جھگڑوں کی آوازیں محلے والوں کو سنائی دیتیں، مگر فروا کے گھر کی آواز کبھی گھر سے باہر نہیں سنی گئی تھی، سدرہ فون پر بھی اکثر اپنی بھابھی کی کام چوری کا رونا روتی رہتی تھی، ادھر فروا اپنی بھابھی کے گن گاتے

نہ تھکتی تھی۔

"فروا دروازہ کھولو۔"

"نہیں کچھ دیر بعد۔" فروا بھی اڑی ہوئی تھی، سدرہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا، فروا تو بھابھی کی تعریف میں قصیدے پڑھتی رہتی تھی مگر یہ تو اس نے کبھی نہیں بتایا تھا کہ وہ خود بھی بھابھی کے ساتھ اس قدر حسن سلوک کے ساتھ رہتی ہے۔

"فروا...... وہ......" سدرہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ پوچھ سکی۔

"کیا بات ہے سدرہ، کیا کہنا چاہ رہی ہو تم...... مجھے پریشان پریشان لگ رہی ہو......؟" فروا ایکدم سنجیدہ ہوگئی۔

"پریشان نہیں حیران......"

"حیران......؟ کیا مطلب؟" اب حیران ہونے کی باری فروا کی تھی۔

"فروا وہ...... وہ...... میری امی تو کہتی ہیں کہ......" وہ چاہتے ہوئے بھی جملہ پورا نہ کرسکی۔

"کیا کہتی ہیں تمہاری امی؟"

"میری امی کہتی ہیں کہ گھر میں بھابھی آجائے تو نندیں کام کرتی اچھی نہیں لگتیں اور یہ کہ ایسی بھابھی کا کیا فائدہ، جس کے آنے کے بعد بھی نندوں کو کام کرنا پڑے اور...... اور میری بھابھی کی طبیعت خراب ہو تو بھی اسی نے سب کام کرنے ہوتے ہیں، بھابھی کی طبیعت پوچھنا یا نازنخرے اٹھانا کوئی اچھا فعل نہیں گردانا جاتا ہمارے گھر۔"

"اوہ...... اوہ...... تو یہ وجہ ہے تمہارے گھر کے جھگڑوں کی۔"

"آج تو...... میں بھی یہی سوچ رہی ہوں فروا...... جب سے بھابھی آئی ہیں، امی جان نے مجھے بہت ہی آرام پرست بنادیا ہے، امی کہتی ہیں، بیٹیاں تو مہمان ہوتی ہیں، میری بھابھی صبح سے شام تک کام کرتی ہیں اور کبھی تھک کر یا تنگ آکر بول پڑیں تو گھر میں وہ فساد ہوتا ہے کہ اللہ کی پناہ۔"

"دیکھ سدرہ...... ایک لڑکی جب اپنا گھر بار چھوڑ کر پرائے گھر آتی ہے تو اسے کسی کی دلجوئی کی ضرورت ہوتی ہے اور صرف نندیں ہی انسان نہیں، بھابھیاں بھی انسان ہوتی ہیں، مٹی سے ہی بنی ہوتی ہیں، ان کے بھی احساسات ہوتے ہیں، جذبات ہوتے ہیں، ان کے سینے میں بھی دل موجود ہوتا ہے، ان کے بھی کچھ دکھ سکھ ہوتے ہیں، اگر ان کے ساتھ بیٹیوں اور بہنوں والا رویہ رکھا جائے تو وہ بیٹیاں اور بہنیں ہی بن کر دکھاتی ہیں، یہ الگ بات ہے کہ بعض بھابھیاں اپنے سکھ کو خود ہی لات مار دیتی ہیں، میری امی جان نے شادی سے چند دن پہلے مجھے یہ سمجھایا تھا کہ "دیکھو فروا، تمہاری بھابھی کے آجانے سے گھر میں صرف ایک دو برتن اور ایک دو کپڑے (دھلنے والے) کا اضافہ ہوگا، باقی گھر کا سارا کام وہی کا وہی ہوگا، تم کبھی خود بھابھی کو کام کا مت کہنا......" میں نے اپنی امی جان کی ہدایت پر بالکل اسی طرح عمل کیا، آج دیکھ لو، بھابھی کا بس چلے تو مجھے چارپائی سے نیچے قدم نہ رکھنے دیں، مگر اپنی خوشی سے...... مطلب ان پر جبر کسی قسم کا نہیں۔"

"تت...... تم...... تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو فروا۔"

☆......☆......☆

"بھابھی یہ...... یہ اچھی بات نہیں ہے، دیکھیں آپ نے صبح کے برتن دھو لئے تھے ناں...... بس شام کے برتنوں کو ہاتھ مت لگائیں، میں بس یہ قمیص مکمل کرکے آرہی ہوں۔"

"ارے کیا ہوا گڑیا...... تم اپنی قمیص آرام سے مکمل کرو...... میں برتن دھولوں گی تو گھس نہیں جاؤں گی۔"

یہ فروا کی بھابھی کی نہیں...... سدرہ کی بھابھی کا جملہ تھا، سدرہ نے فروا کے نقش قدم پر چل کر اپنے گھر سے لڑائی جھگڑوں کو نکال پھینکا تھا اور اب وہ ایک خوشگوار ماحول میں زندگی گزار رہی تھی۔

☆......☆......☆

بوڑھا شہزادہ، بوڑھی شہزادی

ہادیہ رحمٰن سحر

"انا" کے خول میں ڈوبی ایک لڑکی کی داستان، جو اپنی "انا" اور "اسٹیٹس" کی خاطر "خوابوں کا شہزادہ" پانے کے لیے ہر رشتے کو ٹھکرا رہی تھی...... بالآخر، اسے "انا" کے اس خول کو توڑنا پڑا...... اور اسے اپنے خوابوں کا شہزادہ تو مل گیا، مگر...... بوڑھا......

آؤ بیٹا!!! ادھر بیٹھو...... دیکھو تو سہی، میں نے تمہارے لئے کیا کیا بنوایا ہے!" عروشہ جہاں نے ایک کرسی عکاشہ کی طرف گھسیٹتے ہوئے کہا اور خود دوسری کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"واؤ ممی! آپ نے تو میری پسندیدہ ڈش فرائیڈ چکن اور قورمہ مٹن پلاؤ بنوائے ہیں۔"

"شکریہ مام!" عکاشہ نے چہکتے ہوئے کہا تو عروشہ جہاں مسکرانے لگیں۔

"ارے نصیراں! یہ رائتہ کہاں ہے؟ جلدی سے رائتہ لاؤ اور ساتھ میں سلاد بھی لیتی آنا، جلدی کرو نصیراں! تمہیں یہ چیزیں سب سے پہلے میز پر رکھنی چاہئے تھیں، سلاد اور رائتہ تو کھانے کا حسن ہیں۔" عروشہ جہاں یک دم چلائیں۔

"لائی بیگم صاحبہ!" نصیراں تقریباً دوڑتے ہوئے سلاد اور رائتہ لے آئی۔

"ارے عکاشہ! یہ کیا؟ تم نے فرائیڈ چکن تو چکھا ہی نہیں۔" عروشہ جہاں نے عکاشہ کو صرف قورمہ مٹن پلاؤ پر ہاتھ صاف کرتے دیکھا تو بول پڑی۔

"کھاتا ہوں ممی! پہلے ایک چیز تو کھالوں، دوسری بھی چکھ لوں گا۔" عکاشہ نے تسلی دی۔

"بھئی چکھنا نہیں ہے اسے، کھانا ہے کھانا!" عروشہ جہاں نے سلاد کی پلیٹ میں سے کھیرے اٹھاتے ہوئے کہا تو عکاشہ ہنسنے لگا۔

"اوکے مام!"

"شکر خدایا!" اتنے دنوں بعد عکاشہ کو اچھے موڈ میں دیکھ کر وہ شکر بجالائی۔

"عکاشہ! میں نے تم سے ایک بات کرنی تھی۔" وہ اچانک ہی کام کی بات پر آگئی، نجانے کتنے دنوں سے وہ موقع کی تلاش میں تھی کہ عکاشہ کا موڈ کچھ اچھا ہو اور وہ کام کی بات کریں۔

"مام! میرے کان بالکل صاف ہیں، آپ کھل کر اپنی بات کریں۔" عکاشہ نے شگفتہ انداز سے کہا تو عروشہ جہاں بات کرنے کے لئے الفاظ ڈھونڈنے لگیں۔

"عکاشہ! تم جانتے ہو کہ ہر والدین اپنے بچے کا گھر اپنی نگاہوں کے سامنے بستا دیکھنا چاہتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ عکاشہ کی طرف دیکھنے لگیں جو اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔

"اور عکاشہ! اب میں چاہتی ہوں کہ تمہاری شادی کردوں اور وہ بھی اپنے خاندان میں...... تمہارے ماموں، خالہ وغیرہ کی لڑکیاں تمہارے سامنے ہیں، ان میں سے جو تمہیں اچھی لگتی ہیں، میں اسی سے تمہارا رشتہ طے کردوں گی، بس تم نام مجھے بتا دینا......!"

یہ الفاظ تھے یا بم جو اس کے سر پر پھٹ پڑے تھے، کھانا کھاتے ہوئے اس کے ہاتھ اچانک رک گئے، چہرے کا رنگ گرگٹ کی طرح بدلنے لگا، ممی اس کے جواب کی منتظر تھیں، وہ پہلو بدل کر بولا۔

"میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا اور جب کروں گا تو اپنی پسند کی کروں گا، مجھے اپنے خاندان کی بیک ورڈ لڑکیاں پسند نہیں...... پلیز آپ ان سے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کیجئے گا، میں خاندان سے باہر شادی کروں گا۔" وہ حتمی لہجے میں بولا تو عروشہ جہاں اندر سے کٹ کر رہ گئیں۔

"مگر کیوں عکاشہ! خاندان کی لڑکیوں میں کون سی کمی ہے؟ ساری ہی تعلیم یافتہ، سلیقہ مند اور شریف ہیں، آخر تم کیسی لڑکی چاہتے ہو؟؟" آخری فقرہ کہتے ہوئے وہ چیخ پڑی تھیں۔

"میں نے ایک بار کہہ دیا ہے کہ میں خاندان میں شادی نہیں کروں گا، کروں گا بھی تو اپنی پسند سے...... بس!" یہ کہہ کر وہ پلیٹ میز پر پٹختا ہوا غصے سے کمرے سے نکل گیا جبکہ عروشہ جہاں نے اپنا سر ہاتھوں سے تھام لیا۔

☆......☆......☆

"امیہ! دانیہ کو بتا دو کہ آج تیار ہو جائے، اسے دیکھنے کے لئے کچھ مہمان آنے والے ہیں۔" بھابھی نے کہا تو امیہ اٹھ کر دانیہ کے پاس آگئی، وہ نوٹس تیار کر رہی تھی، اپنے کام میں مگن دانیہ کو احساس ہی نہ ہوا کہ کوئی اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا اسے تک رہا ہے۔

اپنی بہن کو آواز دینے سے پہلے امیہ نے اس کے سراپے پر نگاہ ڈالی...... گلابی اور بلیک سوٹ میں اس کا سراپا نکھر رہا تھا، سلکی بال کمر کو چھو رہے تھے، جن میں سے پانی کی بوندیں ٹپک ٹپک کر اس کی قمیص کو بھگو رہے تھے شاید وہ کچھ دیر پہلے نہا کر آئی تھی۔

"کیا کمی ہے میری بہن میں...... پھر بھی نجانے بات پکی کیوں نہیں ہوتی، درمیان میں ٹوٹ کیوں جاتی ہے؟ اللہ کرے یہ رشتہ بڑا اچھا نکلے اور بات پکی ہو جائے۔" یہ سوچ کر وہ کھنکھاری تو دانیہ چونک پڑی اور سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"دانیہ! آج اچھی طرح سے تیار ہو جانا، خاص مہمان آرہے ہیں۔" امیہ نے خاص مہمان پر زور دیتے ہوئے شرارت بھرے لہجے میں کہا تو دانیہ نے کھینچ کر اسے صوفے کا کشن دے مارا۔

"ظالم مجھے ستاتی ہو۔" دانیہ نے خفگی کا اظہار کیا۔

"ارے نہیں، ستاتی نہیں دعا کرتی ہوں بہنا!" امیہ نے باقاعدہ ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا تو دانیہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"اچھا، اچھا، میں سمجھ گئی! تم چاہتی ہو کہ جلدی سے میری بات پکی ہو، تاکہ میری اور تمہاری اکٹھی شادی ہو سکے۔" دانیہ نے کہا تو امیہ شرمندگی کے مارے ادھر ادھر دیکھنے لگی، دانیہ نے اس کے دل کا چور پکڑا تھا۔

دراصل امیہ انگیجڈ تھی، اس کے سسرال والے چاہتے تھے کہ جلدی سے اس کی شادی ہو جائے، لیکن بھائی یہ چاہتے تھے کہ دانیہ کی بھی ساتھ ہی شادی ہو، تاکہ دونوں کا فریضہ ادا ہو جائے، والدین کی وفات کے بعد یہ فریضہ ان کے کاندھوں پر آپڑا تھا، اسی لئے وہ ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ جلدی سے دونوں اپنے گھر کی ہو جائیں، امیہ کا رشتہ انہوں نے اپنی بہن کے ہاں کر دیا تھا اب دانیہ کے رشتے کا انہیں انتظار تھا۔

☆......☆......☆

"عکاشہ! کیسا رہا فنکشن! زبردست تھا نا!" دانیال نے گاڑی گھر کے سامنے روکتے ہوئے کہا۔

"واقعی یار، فنکشن زبردست رہا...... پر وہ بھورے بالوں والی لڑکی......؟" عکاشہ نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑا۔

"وہ میڈم ملیحہ یار!"

"ہاں، ہاں، وہی پھر بات کر رہے ہو نا! تمہاری تو اس سے اچھی خاصی سلام دعا ہے یار۔" عکاشہ نے گاڑی کے دروازے پر ہاتھ جماتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کرو یار...... تمہاری بات اس کے گوش گزار دوں گا میں، امید ہے وہ تمہیں مایوس نہیں کرے گی۔" دانیال نے ہنستے ہوئے اسے دلاسا دیا تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

"اچھا یار، گڈ نائٹ!" عکاشہ نے دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے کہا، کیونکہ دسمبر کا وسط آپہنچا تھا اور سردی جوبن پر تھی۔

"اوکے بائے یار!" دانیال یہ کہہ کر گاڑی آگے لے گیا تو وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا، جیسے ہی وہ لاؤنج سے گزر کر اپنے کمرے میں جانے لگا، ممی کی آواز نے اس کے اٹھتے قدم روک دیئے، وہ سیدھا ہو کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"یہ اتنی رات کو کہاں سے آرہے ہو؟" عروشہ جہاں کی آواز میں غصہ نمایاں تھا۔

"وہ ممی دراصل میرے دوست کی منگنی تھی آج، وہاں گیا تھا۔" اس نے سچ اگلا۔

"دوست کی منگنی اٹینڈ کرتے پھر رہے ہو، اپنی منگنی کب کروانی ہے تمہیں...... تمہیں پتہ ہے کہ ناز اور رباب کی بات پکی ہو گئی ہے؟ عکاشہ! اب تم ہوش کے ناخن لو! صدف اور منابل ابھی رہتی ہیں، تم کہو تو ان سے بات کروں میں۔" عروشہ جہاں نے رشتہ کی بات دوبارہ چھیڑ لی۔

"نو ممی! اس کی ضرورت نہیں، میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ مجھے اپنے خاندان کی لڑکیاں پسند نہیں، میں اپنی پسند سے شادی کروں گا، پلیز امی! یہ ٹاپک دوبارہ نہ چھیڑیئے گا، مجھے تو سر میں درد ہونے لگتا ہے یہ باتیں سن کر......" عکاشہ نے غصے سے پاؤں زمین پر مارتے ہوئے کہا اور کمرے میں جا کر زور سے دروازہ بند کر لیا۔ عروشہ جہاں کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا، وہ وہیں صوفے پر

ڈھے گئی، جب یونس صاحب کمرے سے باہر آئے۔
''ارے بیگم! کیا ہوگیا آپ کو! کیوں اتنی ٹینشن لے رہی ہیں آپ، بھئی وہ جوان ہے، اپنی پسند کی شادی کرنا چاہتا ہے تو کیا حرج ہے! آخر زندگی بھی اسی نے گزارنی ہے۔'' یونس صاحب نے تسلی دی تو عروشہ جہاں ان پر ہی برس پڑیں۔
''یونس صاحب! آپ نے خراب کیا ہے اس کو!'' یہ کہہ کر وہ غصے سے بھری کمرے میں چلی گئی اور یونس صاحب کندھے اچکا کر رہ گئے۔

☆......☆......☆

''مبارک ہو دانیہ! وہ تمہیں پسند کر گئے ہیں اور ہمیں آنے کی دعوت دے گئے ہیں، کل جانے کا ارادہ ہے ہمارا، امیہ! تم بھی ساتھ چلنا۔'' بھابھی نے ٹیبل پر کھانا رکھتے ہوئے کہا تو امیہ نے سر اٹھا کر دانیہ کے تاثرات جاننے کی کوشش کی۔ وہ چاولوں کی پلیٹ میں یونہی چمچ گھما رہی تھی، اس کا چہرہ سپاٹ تھا، ہر قسم کے تاثرات سے عاری۔
''عجیب بہن ملی ہے مجھے، لڑکیاں تو رشتے کا سن کر حیا سے سرخ ہو جاتی ہیں اور ایک یہ ہے کہ اسے کوئی خوشی نہیں، شاید پے در پے رشتوں کے انکار نے اسے بے حس بنا دیا ہے مگر...... سارے رشتے تو اسی نے ٹھکرائے تھے، یہ کہہ کر کہ یہ میرے اسٹینڈرڈ کے اہل نہیں...... ہوں!'' امیہ سوچ کر رہ گئی۔
''امیہ! جلدی سے کھانا کھاؤ، تیاری بھی کرنی ہے ابھی!'' بھابھی کی آواز اسے سوچوں کے سمندر سے نکال لائی۔
''اچھا بھابھی!'' یہ کہہ کر وہ چاولوں پر جلدی سے ہاتھ صاف کرنے لگی۔

☆......☆......☆

''اچھا، آپ ہیں مسٹر عکاشہ! مجھے دانیال نے بتایا تھا آپ کے متعلق، شاید اس نے آپ کو میرے متعلق بتایا ہو۔'' میڈیم ملیحہ نے کہا، اس وقت دونوں ایک ہوٹل میں موجود تھے۔

''جی ہاں! دانیال نے بتایا تھا کہ آپ ایک مل کی اونر ہیں اور ساتھ میں این جی اوز کی ہیڈ بھی......'' عکاشہ نے شگفتہ لہجے میں کہا تو میڈم ملیحہ نے ایک ادا سے اپنے بھورے بالوں کو جھٹکا دیا۔
''اور آپ؟'' میڈم نے اس کا تعارف چاہا۔
''میں ایم بی اے کر چکا ہوں اور اب والد صاحب کا کاروبار سنبھالتا ہوں، تقریباً دو سو سے زائد پاور لومز ہیں ہماری۔'' عکاشہ نے تعارف کرایا۔
''سنا ہے آپ اکلوتے ہیں!'' میڈم ملیحہ نے اچانک ہی سوال کر ڈالا، وہ عکاشہ سے ایسے ہی ملاقات کرنے نہیں چلی آئی تھی، اسے عکاشہ کے متعلق مکمل معلومات تھی، اب وہ تصدیق چاہتی تھی۔
''جی ہاں! میرے علاوہ دو بہنیں ہیں، دونوں شادی شدہ ہیں...... ایک امریکا میں اور دوسری جرمنی میں۔''
''ہوں!'' میڈم نے ہوں پر اکتفا کیا۔
''ارے آپ یہ زنگر برگر تو کھائیے! آپ تو صرف جوس پر اکتفا کئے بیٹھی ہیں۔'' عکاشہ نے پلیٹ اس کے آگے کھسکائی تو وہ مسکرانے لگی۔
''مستقبل کے بارے میں آپ کا کیا ارادہ ہے...... میرا مطلب ہے شادی کے بارے میں، آپ کی امی یقیناً آپ کے رشتے کی تلاش میں ہوں گی۔'' عکاشہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے میڈم ملیحہ نے سوال کیا۔
''ممی تو چاہتی ہیں کہ میں خاندان میں شادی کروں، لیکن میں انہیں بتا چکا ہوں کہ شادی میں اپنی پسند کی کروں گا اور وہ بھی اپنے خاندان سے باہر۔'' عکاشہ نے جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔
''ویری نائس! اس کا مطلب ہے کہ ہم دونوں کے خیالات ایک ہی رو میں بہتے ہیں...... میری بھی یہی سوچ ہے جو آپ کی!'' میڈم ملیحہ نے ایک ادا سے اپنے بھورے بالوں کو جھٹکا دیا تو عکاشہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

☆......☆......☆

''دانیہ! آج تو بہت مزہ آیا، لڑکے والے تو بہت اچھے لگے مجھے، خاص کر اس کی چار بہنیں تو بڑی خوش اخلاقی سے ملیں، بس اب تم ہاں کر دینا، خامیاں نہ ڈھونڈنے بیٹھ جانا، اچھا!'' امیہ آج لڑکے والوں کے ہاں گئی تھی، اس لئے ان کی باتیں سنا رہی تھی۔
''گھر کیسا تھا؟'' یہ پہلا سوال تھا جو دانیہ نے کہا۔ امیہ نے بھابھی کی طرف دیکھا، انہوں نے آنکھوں سے اشارہ کیا تو وہ بات سمجھ گئی۔
''دانیہ! گھر بڑا سا ہے ان کا، لڑکا بھی اچھا ہے، شریف فیملی ہے، لڑکے کی جاب یونیورسٹی میں ہے۔'' امیہ نے تفصیل بتائی۔
''یونیورسٹی میں پروفیسر ہے، ڈین ہے، ہیڈ ہے یا پھر معمولی ملازم!'' دانیہ نے پوچھا تو امیہ کو سچ بتانا پڑا۔
''وہ...... دراصل لڑکا کلرک ہے وہاں!''
''کیا! کلرک! پھر تو اس رشتے سے انکار ہی سمجھو، ایک تو معمولی ملازم اور اوپر سے چار عدد بہنیں، نا بھئی نا! میں تو کبھی نہ کروں ایسے گھرانے میں شادی۔'' دانیہ نے صاف انکار کر دیا۔
''دانیہ! بات کو سمجھنے کی کوشش کرو، ہم کوئی جدی پشتی امیر نہیں جو امیر زادے یہاں رشتہ لے کر آئے، امیہ کو دیکھو...... اس کا فیانسی عام پوسٹ پر ہے، اس نے رشتے کا معاملہ ہم پر چھوڑ دیا، اس لئے جلد اس کی بات طے ہوگئی...... اس کے سسرال والے کہہ رہے ہیں کہ اگلے ماہ ہم اس کی شادی کی ڈیٹ فکس کرنے آ رہے ہیں، تمہارے بھائی جان چاہتے ہیں کہ دونوں کی اکٹھی شادی ہو جائے، تاکہ کوئی بات نہ بنائے کہ چھوٹی کی ہوگئی، بڑی بیٹھی رہ گئی۔'' بھابھی یہ کہہ کر ننھے ولید کو اٹھائے کمرے سے نکل گئی۔ کچھ دیر کمرے میں سکوت رہا، پھر امیہ اپنی کرسی گھسیٹتی ہوئی دانیہ کے پاس لے آئی۔
''دانیہ! انکار مت کرو پلیز! ہم جیسے تھرڈ کلاس لوگوں کے لئے ایسے ہی رشتے آتے ہیں، ہم کوئی پرستان کی شہزادیاں نہیں جو شہزادے ہمارے لئے آئیں۔'' امیہ نے سمجھایا۔
''امیہ! تھرڈ کلاس تم ہوگی، میں نہیں، اللہ کا شکر ہے اپنی جاب ہے، اچھا عہدہ ہے، اپنا بینک اکاؤنٹ ہے، یہ معمولی کلرک میرے ہم پلہ نہیں، اس کے لئے تم جیسی لڑکی صحیح رہے گی، پلیز ڈونٹ ڈسٹرب می!'' دانیہ نے تلخی سے کہا تو امیہ بجھے دل کے ساتھ وہاں سے اٹھ گئی۔

☆......☆......☆

میڈم ملیحہ سے چند ملاقاتوں کے بعد عکاشہ پر یہ واضح ہوگیا کہ دونوں کے خیالات، احساسات اور جذبات ایک دوسرے سے میچ کرتے ہیں اور زندگی گزارنے کے لئے اسے ایسی ہی لڑکی کی ضرورت ہے۔
''کب بھیج رہے ہو اپنے والدین کو میرے گھر!'' ملیحہ نے پوچھا تو اس نے چونک کر اپنا سر اٹھایا۔
''میں اپنی ممی سے بات کر چکا ہوں، شاید وہ کل آئیں آپ کے گھر!'' عکاشہ نے کہا تو ملیحہ نے اوکے کا سر سے اشارہ کیا۔

☆......☆......☆

آج امیہ کی شادی تھی، گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا، خود دانیہ کا دل اداس تھا، وہ سوچ رہی تھی کہ اب تو وہ اکیلی ہی رہ گئی ہے، دوسری طرف امیہ دلہن بنی یہ سوچ رہی تھی کہ اگر آج دانیہ بھی دلہن بنی بیٹھی ہوتی تو کتنا اچھا لگتا، میرے بعد تو وہ اکیلی رہ جائے گی۔ پھر اچانک اسے دانیہ پر غصہ آنے لگا کہ اس کی ضد اور فرمائشوں کی وجہ سے اتنے اچھے اور شریف رشتے ہاتھ سے جاتے رہ گئے، کیا تھا کہ اگر وہ رشتے کا معاملہ بھائی پر چھوڑ دیتی! اب وہ تیس سال کے لگ بھگ ہوگئی ہے، پر ابھی تک کہیں بات پکی نہیں ہوئی۔

☆......☆......☆

عکاشہ لان میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا اور اس کی نگاہیں بار بار گیٹ کا طواف کر رہی تھیں کہ اچانک گاڑی

کے ہارن کی آواز سنائی دی اور اگلے لمحے سفید مرسڈیز آگے بڑھتی چلی گئی...... وہ لپک کر گاڑی کے پاس پہنچا، عروشہ جہاں گاڑی سے اتر کر لاؤنج کی طرف جانے لگی تو عکاشہ ان کے پیچھے لپکا، یونس صاحب تو سیدھا کمرے میں چلے گئے جبکہ عروشہ جہاں ماسی نصیراں سے کافی بنوانے کا کہہ کر وہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"ممی! کیسے لگے آپ کو وہ لوگ؟ ملیحہ ملی تھی آپ سے؟؟ پھر آپ کب کر رہی ہیں میری بات پکی؟" عکاشہ نے لاڈ اٹھانے والے انداز سے کہا تو عروشہ جہاں برس ہی پڑیں۔

"عکاشہ! تم پاگل ہو گئے ہو کیا، جو اس قسم کی بازاری لڑکیوں سے دوستیاں نبھاتے پھر رہے ہو؟ مجھے تو وہ لوگ بالکل پسند نہیں آئے، آوارہ کہیں کے اور ملیحہ! جس کی تم تعریفوں میں زمین و آسمان ایک کر دیتے ہو...... وہ ملیحہ تو بالکل عجیب ہی لگی مجھے...... لڑکیاں تو شرماتی ہیں رشتے کے نام سے، مگر عجیب لڑکی تھی وہ، ایسے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی کہ جیسے مجھے برسوں سے جانتی ہو...... بے حیا کہیں کی...... کان کھول کر سن لو تم! میں تمہاری شادی ایسی آوارہ قسم کی لڑکیوں سے کبھی نہیں کروں گی، ایسی لڑکیاں کبھی بھی خاندان کو جوڑ نہیں سکتی، الٹا خاندان کا شیرازہ بکھیر دیتی ہیں۔" عروشہ جہاں غصے کی وجہ سے کانپ رہی تھی۔

"آوارہ...... بازاری...... بے حیا......!! کہیں بھی شرافت، حیا اور پاک بازی کا ذکر ہی نہ تھا۔ اُف خدایا!! اب کیا بنے گا! اتنی خوبصورت لڑکی ممی کو پسند نہیں آئی!" عکاشہ سر تھام کر رہ گیا، پھر کچھ سوچ کر وہ کمرے میں آیا اور ملیحہ کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"ہیلو ملیحہ!"

"خیریت ہے عکاشہ!"

"وہ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم نے ایسی کون سی بات ممی سے کہی ہے کہ وہ تمہارے خلاف ہو گئی ہیں، کم از کم اپنا حلیہ ہی درست کر لیتی تم تو انکار نہ ہوتا ممی کی طرف سے اور کچھ دیر خاموش بیٹھ جاتی تو کیا قیامت آجانی تھی!! میں نے تمہیں پہلے بھی یہ سمجھایا تھا مگر تم......" عکاشہ ممی کا غصہ ملیحہ پر نکال رہا تھا۔

"عکاشہ! یہ تم کس لہجے میں بات کر رہے ہو؟ کیا مجھے سبق پڑھانا چاہتے ہو؟ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ مجھے تمہاری بیک ورڈ سی ممی بالکل پسند نہیں آئی۔"

"ملیحہ! زبان تھام کر بات کرو، وہ میری ممی ہیں!" عکاشہ چیخا۔

"اوے واہ! اپنی ممی کی طرف داری کرتے ہوئے تم کیسے بول اٹھے ہو، میں تو اب یہ کہوں گی کہ تمہاری ممی اور تم دونوں ہی بیک ورڈ ہو۔" ملیحہ کہاں پیچھے رہنے والی تھی۔

"اسٹوپڈ لڑکی!" عکاشہ چیخا۔

"شٹ اپ!" یہ کہہ کر دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا، جو حالت کچھ دیر پہلے عروشہ جہاں کی تھی، اب وہ عکاشہ کی تھی، دونوں کی دوستی کا باب بند ہو گیا تھا، عکاشہ نے غصے سے موبائل بیڈ پر اچھال دیا۔

☆......☆......☆

"السلام علیکم دانیہ!" دانیہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کی کلاس فیلو حبیبہ کھڑی تھی۔

"وعلیکم السلام! حبیبہ کیسی ہو؟" دانیہ نے فرط محبت سے اسے گلے لگایا، دونوں اس وقت پارک میں تھیں، مارچ کے حسین موسم نے پھولوں کے رنگ برنگے گلدستے سجا مہکا کر ہر ایک کو باہر نکلنے پر مجبور کر دیا تھا، دونوں ایک بینچ پر بیٹھ گئیں۔

"اور تم سناؤ! یہ بچے کس کے ہیں۔" حبیبہ کے ساتھ گول مٹول سے بچے دیکھ کر دانیہ پوچھ بیٹھی۔

"بھئی میرے بچے ہیں یہ تینوں اور تمہارے بچے کہاں ہیں؟ کیا گھر چھوڑ کر آئی ہو؟" حبیبہ نے پوچھا تو نجانے کیوں ایک لمحے کے لئے وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"میری تو ابھی شادی نہیں ہوئی۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"اچھا!!" حبیبہ نے حیرانی کی وجہ سے الف کو کچھ زیادہ ہی کھینچ دیا تھا۔

"شادی کروائی نہیں یا ہوئی نہیں، ویسے میں نے سنا تھا کہ تمہاری بہت اچھی جاب لگ چکی ہے اور جاب والی لڑکی کے رشتے تو لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں، کیا کوئی مسئلہ ہے؟؟" حبیبہ اپنا بولتی جا رہی تھی جبکہ دانیہ کی حالت پتلی ہوتی جا رہی تھی، اس نے سوچا تک نہ تھا کہ اسے ایسی باتیں بھی سننی پڑیں گی۔

"نہیں حبیبہ! کوئی مسئلہ نہیں ہے، بس کوئی رشتہ اچھا نہیں لگا مجھے، اس لئے شادی نہیں کی!" دانیہ نے اپنا کمزور سا دفاع کیا۔

"اچھا دانیہ! میں دعا کروں گی کہ تم جلد اپنے گھر کی ہو جاؤ!" حبیبہ نے اسے بے چارگی کی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اس کی آنکھوں کی تاب نہ لا سکی اور جلد ہی اس سے اجازت لی۔

بات صرف حبیبہ تک محدود رہتی تو وہ اس بات کو نظر انداز کر دیتی لیکن ہر آنے والی خاتون، ملنے والی سہیلیاں جب یہ بات کرتیں تو اس کا دل پارہ پارہ ہو جاتا، تنہائی میں وہ اس پہلو پر سوچتی تو اسے اپنا آپ قصوروار نظر آتا، انا کے جس خول میں وہ بند تھی، اب وہ ٹوٹنے لگا تھا، جس مال و دولت، حسن و جوانی پر اسے ناز تھا، اب یہ ساری چیزیں بیکار لگتی تھیں، اگر وہ رشتے کا فیصلہ بھائی پر چھوڑ دیتی تو کب کی امیہ کی طرح اپنے گھر بار کی ہو گئی ہوتی، اتنا عرصہ وہ اپنے آپ سے لڑتی آ رہی تھی، مگر اب ایسا لگتا تھا کہ وہ اپنے آپ سے شکست کھا گئی ہے۔

☆......☆......☆

عروشہ جہاں نے عکاشہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا، وہ یہ جان گئیں تھیں کہ عکاشہ اپنی من مانی چھوڑنے والا نہیں، جب سے وہ ملیحہ کے گھر سے آئی تھیں، تب سے عکاشہ سے ان کا سامنا نہیں ہو پا رہا تھا جبکہ دوسری طرف عکاشہ مسلسل بے چینی اور کرب میں ڈوبتا نظر آتا تھا، اپنی بے چینی دور کرنے کے لئے وہ بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا یا پھر کمرے میں بند رہتا، کاروبار پر اس کی توجہ بہت کم ہو چکی تھی۔

آج بھی وہ یونہی گاڑی سڑکوں پر دوڑا رہا تھا کہ ایک جگہ رش دیکھ کر وہ نیچے اتر آیا...... شاید کوئی ایکسیڈنٹ ہوا تھا، لوگ زخمی کو اسپتال لے جا چکے تھے، وہ کندھے اچکا کر گاڑی کی طرف بڑھا، ابھی اس نے دروازے پر دباؤ ڈالا ہی تھا کہ کسی نے اس کے کندھے پر اچانک ہاتھ رکھ دیا، وہ چونک کر مڑا، کچھ دیر بے یقینی کی کیفیت میں کھڑا رہا اور پھر آنے والے کے گلے لگ گیا۔

"سلمان! تم سلمان ہو نا!!"

"جی ہاں! عکاشہ صاحب! میں سلمان ہوں عرف گلو میاں!" آنے والا شوخی سے مسکرایا۔

"آؤ...... کسی ہوٹل میں چل کر بات کرتے ہیں۔" عکاشہ نے سلمان کا ہاتھ تھام کر کہا تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"عکاشہ! تمہیں یاد تو ہوگا نا کہ استاد جی سے مجھے کتنی مار پڑتی تھی۔" سلمان ہنستے ہوئے ماضی کے اوراق پلٹ رہا تھا۔

"ہاں! گلو میاں! تم تو لطیفے سنا سنا کر ساری کلاس کو پاگل بنا دیتے تھے، جیسے ہی کوئی بات ہوتی، تمہیں لطیفہ یاد آ جاتا، کیا اب لطیفے سنانے چھوڑ دیئے ہیں۔" عکاشہ نے آئس کریم کے مزے لیتے ہوئے کہا۔

"یار! تمہیں تو ساری باتیں یاد ہیں، اب میں لطیفے اپنے بچوں کو سناتا ہوں۔" یہ کہہ کر سلمان نے آئس کریم کا کپ مزید قریب کیا، پھر کچھ یاد آتے ہی اچانک بول اٹھا۔

"یار عکاشہ! کیسی ہے تمہاری وائف! کیسی گزر رہی ہے لائف! آدھے درجن بچے ہیں یا ایک درجن!"

"سلمان! تمہارا شوخ پن ابھی تک نہیں گیا، بھابھی کو تو خوب تنگ کرتے ہو گے۔" عکاشہ بولا۔

"ارے نہیں، وہ چڑتی نہیں ہے، خوش ہوتی ہے، بڑی اچھی وائف ملی ہے مجھے۔" سلمان فخر سے بولا۔

"اپنی پسند کی ہے یا والدین کی!" عکاشہ رازداری سے بولا تو سلمان قہقہہ لگا کر گویا ہوا۔

"کیا بات کرتے ہو یار! اپنی پسند کی؟ توبہ، توبہ..... مجال ہے میری جو بڑوں والے فیصلے خود کر بیٹھوں؟؟ کچھ اپنی بھی سناؤ نا!!"

"میری تو ابھی تک شادی نہیں ہوئی!" نجانے کیوں وہ یہ کہتے ہوئے افسردہ ہو گیا تھا۔

"ہیں؟ مگر کیوں؟؟" سلمان کی حیرت عروج پر تھی۔

"عکاشہ! اس وقت تم 35 سال کے لگ بھگ ہو چکے ہو گے، کیونکہ میری اور تمہاری عمر ایک ہی ہے، یار! آدھی عمر گزار لی، اب تو شادی کرلو..... کیا 60 سال کے بوڑھے ہو کر کسی بوڑھیا سے شادی کرنے کا ارادہ ہے!" سلمان نے آئس کریم کا کپ خالی کرتے ہوئے کہا تو نجانے کیوں وہ ہنس پڑا، حالانکہ دل اس کا رونے کو چاہ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

امیہ کے آنے سے اسے کچھ حوصلہ ہوا، ورنہ تو وہ اندر سے بالکل ٹوٹ گئی تھی، امیہ اپنے بچوں سمیت آئی تھی، دونوں بچے بڑے شرارتی تھے، بار بار دانیہ کی گود میں بیٹھ جاتے اور پرس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے۔

"خالہ جان! چاکلیٹ!" بچوں کی معصوم باتیں اور شرارتیں دیکھ کر نجانے کیوں اسے عجیب سا احساس ہو رہا تھا، ایک دن موقع پا کر امیہ اس کے پاس آئی اور پھر کہنے لگی۔

"دانیہ! اب اپنی ضد چھوڑ دو اور سیدھے طریقے سے شادی کروالو، دیکھو تمہاری عمر کی لڑکیاں بچوں والی ہو چکی ہیں، شادی کرو گی تو اپنا گھر بار تو ہو گا نا، اب بھائی کو تنگ کرنا چھوڑ دو، انہوں نے خاص طور پر مجھے اسی لئے بلوایا ہے کہ میں تمہیں سمجھاؤں..... دانیہ! اب تمہارے لئے پرستان سے کوئی پری زادے نہیں آنے کہ جس کا تمہیں انتظار ہے، اگر آئے بھی تو یہ کہہ کر چلے جائیں گے کہ یہ تو بوڑھی ہو چکی ہے۔" آخری فقرہ شرارت سے بھرپور تھا۔

دانیہ سر جھکائے خاموشی سے سنتی رہی، گویا کہہ رہی ہو کہ جیسے تمہاری مرضی!

"سچ دانیہ! تم راضی ہو!" امیہ کے خوشی کے مارے پاؤں زمین پر نہیں لگ رہے تھے۔

"اچھا، میں بھائی سے بات کرتی ہوں، دعا کرو، تمہارا برسوں کا خواب پورا ہو جائے!" امیہ اسے چھیڑ کر چلی گئی جبکہ شکست کا احساس لئے وہ پھولوں کی بیلوں کو دیکھنے لگی۔

☆.....☆.....☆

"کیا ہوا بیٹا! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے!" ایک دن جب ماں، بیٹے کا سامنا ہوا تو بیٹے کی حالت دیکھ کر عروشہ جہاں کی ممتا جاگ اٹھی۔

"کچھ نہیں ممی!" عکاشہ پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"بیٹا! اپنی صحت کا خیال رکھا کرو، دیکھو تو سہی کیسے رنگ زردی مائل ہو گیا ہے!" یہ کہہ کر عروشہ جہاں نے ماسی نصیراں سے جوس منگوایا۔

"عکاشہ! کل مجھے تمہارا دوست حسان ملا تھا، تمہارا پوچھ رہا تھا وہ..... جب اسے معلوم ہوا کہ تمہاری شادی نہیں ہوئی تو وہ حیرت سے مجھے دیکھتا رہ گیا اور وہ جاتے ہوئے تمہارے لئے ایک پیغام چھوڑ گیا ہے، پتہ ہے پیغام کیا ہے؟؟" عکاشہ نے سوالیہ نگاہوں سے اپنی ممی کی طرف دیکھا۔

"وہ کہہ رہا تھا کہ عکاشہ کو کہہ دیجئے گا کہ شادی کرلے!" عکاشہ نے چونک کر سر اٹھایا، نجانے کتنے دوست اسے یہ پیغام دے چکے تھے، اس نے سر دوبارہ جھکا دیا، گویا کہہ رہا ہو کہ مجھے اس کا پیغام قبول ہے، عروشہ جہاں آخر ماں تھی، ساری بات سمجھ گئی۔

"چلو اچھا ہوا تم سیدھی راہ پر تو آئے! پانی ابھی سر

گزرا نہیں ہے، میں کوشش کرتی ہوں کہ کوئی اچھی سی لڑکی مل جائے..... پر بیٹا! تم نے بات کو سمجھنے میں بہت دیر لگا دی..... بڑوں کے فیصلوں پر چلتے تو آج بچوں کے ساتھ ہنستے مسکراتے نظر آتے....." یہ کہہ کر عروشہ جہاں نے جوس کا گلاس اسے تھمادیا اور خود سوچ میں غرق ہو گئیں۔

☆.....☆.....☆

"دانیہ! مبارک ہو تمہیں! ایک رشتہ آیا ہے تمہارا، وہ ایمن تھی نا تمہاری سہیلی..... اس کی امی آج رشتہ لے کر آئی تھیں تمہارا، بھائی جان نے ہاں کر دی ہے، وہ جلد شادی کرنا چاہتی ہیں..... انہیں بہت جلدی ہے..... اس لئے ٹھیک ایک ماہ بعد تم اپنا بوریا بستر یہاں سے گول سمجھنا!" امیہ نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اسے خوش خبری سنائی، یہ سن کر دانیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ امیہ کسی سوال کی منتظر تھی، مگر دانیہ کو خاموش دیکھ کر خود ہی بول پڑی۔

"اور سنو! لڑکا تمہارے خوابوں کے عین مطابق ہے، میرا مطلب ہے کہ اکلوتا ہے، تعلیم یافتہ ہے، خوب صورت ہے، اسمارٹ ہے اور سب سے بڑھ کر اپنا کاروبار ہے۔" دانیہ نے چونک کر سر اٹھایا، اسے آج اندازہ ہوا تھا کہ اس کی فرمائش کی فہرست کتنی لمبی تھی۔

"اب تیاریاں شروع کرو شادی کی..... میں تو تمہاری شادی کے بعد ہی سسرال جاؤں گی!" امیہ نے اسے چھیڑا تو اس نے شرم کے مارے اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں سے چھپا لیا۔

☆.....☆.....☆

"لڑکی بڑی عمر کی لگتی ہے۔" کسی کی سرگوشی اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"تو لڑکا کون سا چھوٹا ہے؟ وہ بھی تو زیادہ عمر کا ہے!" ایک اور سرگوشی ابھری۔ نجانے کیوں یہ سن کر اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"اوہ نو..... رونا نہیں..... میک اپ خراب ہو جائے گا..... ابھی تو دلہا بھیا نے بھی تمہیں نہیں دیکھا!" اسے روتا دیکھ کر اس کی عزیز ترین بہن بول اٹھی تو وہ بے اختیار مسکرا پڑی۔ اس افراتفری میں پتہ ہی نہ چلا کہ کب کھانا کھایا گیا اور رخصتی کا وقت آن پہنچا۔

سجے سنورے کمرے میں وہ دلہن بنی بیٹھی تھی، انجانے اندیشوں سے لرز رہی تھی کہ ہاتھ میں بندھے موتیے کے کنگن کو سونگھا تو فرحت کا احساس ہوا..... اچانک دروازہ کھلا..... اس نے بے اختیار نظریں اٹھا کر دیکھا اور پھر فوراً نگاہیں جھکا لیں۔

آنے والا اس کے خوابوں کا شہزادہ تھا، مگر بوڑھا..... بوڑھا شہزادہ..... یہ سوچ کر وہ بے اختیار مسکرادی۔

"دانیہ جی! یہ کیا؟ آپ تو آپ ہی آپ مسکراتے جارہی ہیں، اپنی مسکراہٹ میں ہمیں بھی شریک کرلیا ہوتا!" ایک شوخ سی آواز ابھری۔

"عکاشہ صاحب! مسکراہٹ نہ ہوئی بلکہ کھانا ہو گیا۔" جواب ترکی بہ ترکی تھا، وہ مسکرا کر رہ گیا۔

اسے بھی شہزادی مل چکی تھی، مگر بوڑھی..... بوڑھی شہزادی..... شاید میرا انتظار کرتے کرتے بوڑھی ہو گئی ہے، وہ سوچ کر رہ گیا۔ انا کے خول سے باہر آتے آتے انہیں بہت دیر ہو چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

مختصر پُر اثر

☆..... حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے کسی کو دنیا کی باتوں میں مصروف دیکھ کر فرمایا: "کیا تمہیں ان باتوں پر ثواب کی امید ہے؟" اس شخص نے کہا: "نہیں!" اس پر آپ نے فرمایا: "کیا تم ان کی وجہ سے اللہ کے عذاب سے بچ سکتے ہو؟" جواب ملا۔ "نہیں!" یہ سن کر حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا: "پھر ان باتوں سے کیا فائدہ، جن پر نہ ثواب کی امید ہے اور نہ ہی عذاب سے بچنے کی توقع، لہٰذا اللہ کا ذکر کرو۔"

☆.....☆.....☆

ممتا کے سائے

قسط نمبر: 8

صبا یونس



یعنی "ہزاروں کیمیا حق تعالیٰ نے پیدا فرمائے، لیکن صبر جیسی کیمیا حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد نے نہ دیکھی۔" جن لوگوں نے صبر اختیار کیا، وہ دین میں مضبوط ہو کر ولایت کے اعلیٰ اور انتہائی منزل، صدیقیت

سے مشرف ہو گئے۔ تکالیف پر صبر اگرچہ تلخ ہے، لیکن عجیب کیمیا ہے، سالک کو کندن بنا دیتا ہے، جو مقامات سالہا سال کے مجاہدہ اور ذکر و شغل سے نہیں ملتے، صبر کی برکت سے وہ جلد سے جلد عطا ہو جاتے ہیں، لہٰذا سالک کو چاہیے کہ وہ صبر کی تلخی کو اس نعمت عظمیٰ کی وجہ سے شیریں سمجھے۔

گفت پیغمبر خدا ایماں
نداد ہر کہ نبود صبوری در- نہاد

یعنی "پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ خدا اس بندہ کو ایمان بھی عطا نہیں فرماتا، جس کی سرشت میں صبر کی خصلت ودیعت نہیں فرماتا۔"

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ "مصیبت میں یہ خاصیت ہے کہ اخلاق درست ہو جاتے ہیں، انسان اللہ کو یاد کرنے لگتا ہے، توبہ نصیب ہو جاتی ہے، تنبہ ہوتا ہے کہ فلاں امر کی وجہ سے ہوا، تو یہ کھلے فائدے نظر آتے ہیں، مگر بعض لوگ اس کو یاد نہیں رکھتے۔"

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ "ہر اطاعت گزار کو ناپ تول کر ثواب دیا جائے گا، سوائے صابروں کے، ان پر تو لپ بھر بھر کر ثواب پھینکا جائے گا۔"

"عروہ کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان کے ساتھ دل بھی کھول دیا ہے جبکہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھی خنساء کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ان کے ہرے زخموں پر ٹھنڈے چھینٹے پڑ رہے ہوں، ان کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ خاص یہ سب ان کو سنایا جا رہا ہے کہ ان کا کوئی عمل اللہ رب العزت کے ہاں بے کار نہیں۔"

"بعض اوقات بندہ اپنی عبادات کی وجہ سے اللہ رب العزت کے قرب کے وہ مقامات نہیں پا سکتا، جو اللہ تعالیٰ اس کو دینا چاہتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ پھر اس کے اوپر کچھ برے حالات بھیج دیتے ہیں، جب بندہ ان حالات میں صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سبب بنا کر اس بندے کو بلند مقام عطا فرما دیا کرتے ہیں۔

حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ "خوشیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ کر روزانہ کھڑی ہوتی ہیں کہ اے اللہ! ہمارے لئے کیا فیصلہ ہے؟"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "فلاں فلاں ظالمین اور مخالفین کے پاس چلی جاؤ، خوشیوں کو ان کے ہاں بھیج دیا جاتا ہے۔"

اس کے بعد فاقے، پریشانیاں اور غم وغیرہ رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اچھا، تم میرے پیاروں کے پاس چلے جاؤ۔"

حدیث میں آیا کہ "جس بندے کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہو، اس پر تو پریشانیاں اس طرح آئیں گی، جیسے پانی ڈھلوان کی طرف تیزی کے ساتھ چلتا ہے۔"

"صبر احکام الٰہیہ کی مخالفت سے دور ہونا، مصیبت کے وقت رنج والم سہتے ہوئے پُرسکون ہونے اور حالت فقر میں غنا کے ظاہر کرنے کا نام ہے۔"

"صبر نفس کو ہر اس چیز سے روکنے کا نام ہے، جس سے رکنے کا تقاضا عقل یا شریعت کرتی ہے۔"

اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ جو میرے فیصلے پر راضی نہ ہوا، میری آزمائش پر صبر نہ کیا، میری نعمت پر شکر نہ کیا اور میرے دیئے ہوئے پر قناعت نہ کی تو اس کو چاہئے کہ میرے علاوہ کوئی اور رب تلاش کرے۔

☆......☆......☆

خود میرے دل نے تراشے ہیں غموں کے پیکر
میرے مولا نے تو ہر غم سے بچا رکھا ہے
دل کا ہر داغ تبسم یاد بنا رکھا ہے
ہم نے ہر غم کو غم یار بنا رکھا ہے

"اللہ رب العزت دنیا میں مسلمانوں کو مصائب و تکالیف دے کر ان کا میل صاف کرتے ہیں، یعنی گناہوں سے جو غفلت دل میں پیدا ہو جاتی ہے، اس کو دور کرتے ہیں، یہ تو آخرت کی بھلائی ہے اور دنیا کی بھلائی یہ ہے کہ مصائب و تکالیف سے انسان کے اخلاق

درست ہوجاتے ہیں اور اخلاق کی درستگی سے بہت راحت ملتی ہے، کیونکہ بدخلق سے سب کو وحشت ہوتی ہے، لوگ اس کو ذلیل سمجھتے ہیں اور اس شخص کے دل پر دنیا کی حقیقت بھی کھل جاتی ہے کہ دنیا دل لگانے کی جگہ نہیں ہے۔"

جہاں عروہ کی باتوں سے خنساء بیگم کو ڈھارس مل رہی تھی، وہیں مجمع پر سکتہ سا طاری تھا۔ عروہ کا طرز تخاطب ہی اتنا میٹھا تھا کہ سامنے والا سننے پر خود کو مجبور محسوس کرتا اور پھر اس کا موضوع حالات کے بالکل موافق تھا۔

"جو مصیبت کسی گناہ کی سزا میں پہنچتی ہے، اس میں پریشانی محسوس ہوا کرتی ہے اور جو رفع درجات (بلند درجات) کے لئے ہوتی ہے، اس میں پریشانی نہیں ہوتی۔"

خنساء بیگم نے بے ساختہ ہی رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا تھا کہ اللہ پاک نے کبھی بھی کسی بھی چھوٹی بڑی پریشانی میں ان کو خود سے دوری محسوس ہونے نہیں دی تھی۔

دوران بیان ہی عروہ پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے ہر بندے سے ہی محبت کرتے ہیں، وہ اپنی ماں کی حالت کو ابھی تک سزا گردان رہی تھی، مگر دوران بیان اللہ پاک نے اس کو احساس دلایا کہ یہ تو اللہ پاک کی ثریا بیگم سے محبت ہے کہ ان کو ایسی شدید تکلیف میں مبتلا کیا، وگرنہ اگر اللہ چاہتا تو بغیر توبہ کی توفیق کے ان کو اٹھا لیتا۔ مگر نہیں، بیماری تو گناہ کے معاف ہونے کا سبب بنتی ہے، چونکہ حدیث مبارکہ میں آیا کہ جب کوئی بیمار آدمی صحت یاب ہوتا ہے تو اپنے گناہوں سے ایسے پاک ہوجاتا ہے، جیسے اس دن جب اس کی ماں نے اس کو جنم دیا تھا، خزاں کے موسم میں درخت کے پتے گرتے ہیں، اسی طرح بیمار آدمی کے جسم سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دور کردیا کرتے ہیں۔

عروہ کی آواز میں واضح لرزش تھی اور خنساء بیگم کی آنکھیں متواتر بہہ رہی تھیں۔

"اللہ پاک بھی کس کس طرح اپنے بندوں کی تسلی کا سامان کرتے ہیں۔"

ایسا نہیں تھا کہ خنساء بیگم یہ سب نہیں جانتی تھیں، وہ سب جانتی تھیں، عرصہ دراز سے مکتب علم دین سے جڑی ہوئی تھیں، بس تازہ تازہ اسماعیل صاحب سے ملاقات کا اثر اور موت کو بہت قریب دیکھ لینے والی بیماری کے فوراً بعد اللہ نے ان کو یہ سب سنوایا تھا، خنساء بیگم کے چہرے پر بہت آسودہ مسکراہٹ تھی، عروہ کا بیان ابھی بھی جاری تھا۔ خنساء بیگم آنکھیں موندیں تبسم چہرے کے ساتھ سماعت کررہی تھیں، باقی سارے مجمعے پر بھی سکوت طاری تھا، خود عروہ کے لئے بھی دوران بیان حکمت الٰہیہ کے بہت سے در وا ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

"اللہ اکبر!"

اللہ سب سے بڑا ہے، اس نے نیت کے بعد ہاتھ بلند کرتے ہوئے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے کہا تھا:

"پاک ہے تو اے اللہ اور سب تعریف تیرے لئے ہے اور برکت والا ہے نام تیرا اور بلند ہے بزرگی تیری، اور نہیں ہے کوئی معبود سوا تیرے۔"

حرف حرف اس کی زبان سے ادا ہونے کے ساتھ ساتھ من میں نور بکھیر رہا تھا۔ وہ آج کل قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

"اعوذ باللہ" "میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی۔" "من الشیطن الرجیم" "شیطان مردود سے۔"

"اس کو محسوس ہوا کہ اس کے گرد نور کا ایک حصار بندھ رہا ہے۔"

"بسم اللہ" "اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں۔"

"الرحمن الرحیم" "جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔"

"وہ لفظ سنبھل سنبھل کر ادا کررہا تھا۔"

"الحمد" "تمام تعریفیں"

"للہ" "اللہ کے لئے ہیں"

"رب العالمین" "جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔"

"رب" "اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے، رب کے لفظی معنی ہیں پرورش کرنے والا، تربیت کرنے والا، پالنے والا، جس نے ہمیں پیدا کیا، وہی بنی آدم کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے، وہ ہمیں جسمانی روزی بھی دیتا ہے اور روحانی بھی۔"

"تربیت اس کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کو اس کے تمام مصالح کی رعایت کرتے ہوئے درجہ بدرجہ آگے بڑھایا جائے، یہاں تک کہ وہ حد کمال کو پہنچ جائے۔"

یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے لئے مخصوص ہے، کسی مخلوق کو بغیر اضافت رب کہنا جائز نہیں۔ کیونکہ ہر مخلوق خود محتاج تربیت ہے۔

"اللہ اول سے ابد تک رب ہے، تخلیق سے پہلے بالقوۃ تھا اور تخلیق و تربیت کے بعد بالفعل رب ہوگیا۔"

یہ صفت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ہے کہ وہ ہر ایک مخلوق کو پیدا کرتا ہے اور اسے احکام طبیعت و فطرت کے مطابق بڑھاتا، پالتا اور شرف نوعی میں درجہ بدرجہ بلند کرتا ہے اور انتہائے کمال تک پہنچا دیتا ہے۔

جمادات ونباتات وحیوانات:...... ناسوت و جبروت ولاہوت کے عالم میں کروڑ در کروڑ ایسی ایسی مخلوق موجود ہیں، جن کی پرورش کی ضروریات ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں۔ ظاہر ہے جو "رب" ہوگا، وہ رحمان ورحیم، لطیف وخبیر، کریم و بشیر، غفور و غفار...... الغرض سب ہی کچھ ہوگا، پرورش تو وہی کرے گا جو مہربان ورزاق بھی ہوگا تو گویا "رب" بہت سے اوصاف کا جامع ہے۔

چونکہ اللہ "رب" ہے، لہٰذا ذرا ذرا سی باتوں کا خیال رکھتا ہے۔ "رب" مختصر لفظ ہے، تاہم اس کے معانی میں اتنی وسعت و گہرائی ہے کہ ساری زندگی مجاہدہ کرنے کے بعد اس لفظ کا یقین دل میں آتا ہے۔

"اس کی زبان سے الفاظ جاری تھے اور آنکھوں سے جذبات ٹپک ٹپک کر اس کے قدموں کے درمیان کے فاصلے کو بھگو رہے تھے۔"

وہ اسی آیت "الحمدللہ رب العالمین" کی تکرار کئے جارہا تھا، اس پر نیا جہاں منکشف ہورہا تھا، مولانا ابراہیم نے "رب" کی جتنی تفصیل اس کو بتائی تھی، اس کو لگا، اس ذات کے سامنے کھڑے ہوکر تعریف کرنا، اس جیسے گناہگار کے بس کا کام نہیں۔

پھر بھی...... پھر بھی اسی رب کی مہربانی سے وہ اس کے سامنے کھڑا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے "الحمدللہ رب العالمین" کی تکرار کررہا تھا، جتنا وہ اس آیت کی اس کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کرنے کے لئے تکرار کرتا، اتنا ہی وہ مہربان اس کا شرح صدر فرما دیتا، بھلا وہ کیسے آگے بڑھتا۔

"الرحمٰن الرحیم" "بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا۔"

"اس کی اس سے زیادہ مہربانی کیا ہوگی کہ میرے جیسے گناہ گار، عاجز، نافرمان کو اپنے سامنے کھڑے ہونے کی توفیق سے نواز دیا۔" اس کی دھڑکنیں یکدم ہی منتشر ہوئیں۔

"نیک بختی کے راستے پر چلنے والوں کی نماز یہ ہے کہ جب نماز کی طرف متوجہ ہو اور ظاہری طہارت کرنے لگے تو دل کو توبہ اور استغفار کے پانی سے خوب دھوئے اور ذوق وشوق کی پونجی جو جان کو شیرینی بخشنے والی ہے، تلاش کرے اور جب مسجد یا مصلے پر قدم رکھے تو اپنے دل کو جو خداوند تعالیٰ کے نور اور بھیدوں کے ظاہر ہونے کی جگہ ہے، غیر اللہ کے خیالات سے پاک کرے، جس طرح اپنے منہ قبلہ کی طرف کرتا ہے، دل کے منہ اور باطنی توجہ کو حقیقی قبلہ یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب لائے اور دل پر خیال کی نظر جمائے۔"

"جب تکبیر کہے تو دونوں جہاں سے الگ ہوکر دنیا و آخرت پر تکبیر کہے اور جب عبادت کے بچھونے پر کھڑا ہو

تو خداوند تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر نہایت ادب و مقصود سے اس بلند درجوں پر پہنچانے والے اللہ رب العزت کے کلام قرآن مجید کے پڑھنے میں لگ جائے۔"

"بدنِ عارف جب کامل نماز میں آتا ہے تو بدن عبادت میں، دل حضور میں، جان، محبت اور قرب میں ہو، نفس فضا در فضا میں، تو اللہ اکبر کہتے ہی اپنے آپ سے گم ہو جاتا ہے اور حق کے سامنے حاضر۔"

"وہ نیستی کے سمندر میں ایسا ڈوب جاتا ہے کہ اس وقت اس کو نہ اپنی ذات کی خبر ہوتی ہے، نہ بشر ہونے کی بو اس میں کچھ اثر رکھتی ہے۔" "کیونکہ نماز کے ہر رکن میں عالم قدس سے اتنا فیض اس کے دل پر پڑتا ہے کہ اس کو اپنے آپ سے گم کر کے بے خودی کے عالم میں خدا کے پاس حاضر کرتا ہے۔"

ایک بزرگ نے کہا کہ "ایک نماز جس میں تجھ کو ایسی محویت ہو جائے کہ اپنی بھی خبر نہ رہے، وہ ایسی ہزار نمازوں سے بہتر ہے کہ تو اپنے آپ میں ہو۔" اس لئے اللہ تعالیٰ نماز کی حقیقت اس شخص پر ظاہر کرتے ہیں، جو اپنی ذات سے فانی ہو کر خدا کے ساتھ باقی رہے۔

"شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے فرمایا کہ عام لوگوں کی نماز ظاہری اعضاء کی نگہبانی کرنا ہے اور خاص لوگوں کی نماز اللہ کے سوا ہر چیز سے منہ پھیر لینا اور مشاہدہ الٰہی کے سمندر میں ڈوب جانا ہے۔"

شیث بھی ہر ہر آیت کے ساتھ مشاہدہ الٰہی کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔

"مالک یوم الدین"

"مالک ہے روز جزا (قیامت کے دن) کا۔"

اس پر لرزہ سا طاری ہونے لگا۔

"ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک"

"اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کر کہ گویا تو اس کو دیکھتا ہے اور اگر تجھ سے یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس طرح ہی کہ وہ تجھ کو دیکھتا ہے۔"

جب انسان حالت نماز میں اِدھر اُدھر متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! تو کس کی طرف توجہ کر رہا ہے؟ حالانکہ میری ذات توجہ کے لئے سب سے بہتر ہے۔

"ایاک نعبد وایاک نستعین"

"ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔"

وہ خود کو ایسے جال میں مقید محسوس کر رہا تھا جس سے رہائی کی تمنا نہیں تھی۔

"اھدنا الصراط المستقیم"

"دکھلا ہم کو سیدھا راستہ"

"صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولاالضالین"

"راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا، نہ ان لوگوں کا جن پر غصہ کیا گیا، اور نہ گمراہوں کا۔"

"آمین"

"قبول کر"

"بسم اللہ الرحمن الرحیم"

"تبت یدا ابی لھب وتب"

"ہلاک ہوں دونوں ہاتھ ابی لہب کے اور ہلاک ہو وہ خود۔"

اس کی آنکھیں پھر بہنا شروع ہو چکی تھیں۔

"ما اغنی عنہ مالہ و ماکسب"

"نہ غنی کیا اس کو اس کے مال نے اور نہ اس کی کمائی نے۔"

"سیصلیٰ ناراً ذات لھب"

"عنقریب وہ داخل ہو گا شعلہ والی آگ میں۔"

"وامراتہ حمالۃ الحطب"

"اور اس کی بیوی، لکڑیاں اٹھانے والی۔"

"فی جیدھا حبل من مسد"

"اس کی گردن میں رسی ہو گی بٹی ہوئی۔"

شدتِ خوف سے اس کی چیخ نکل گئی۔

"یہ قرآن کریم کیسی کتاب ہے، سیدھا دل پر اثر کرتی ہے، جھنجوڑ کر رکھ دیتی ہے، انسان اگر غور کرے تو یہ کتاب دنیا کو جلا کر خاک کر سکتی ہے، اتنی سچی کتاب ہے۔"

اللہ اکبر کہتے ہوئے وہ رکوع میں داخل ہوا۔

"سبحان اللہ ربی العظیم"

"پاک ہے میرا رب بزرگی والا۔"

"اس کے دل کو عجیب سا قرار مل رہا تھا، یہ تسبیح پڑھتے ہوئے، جیسے ابلتے زخموں پر، گہرے گھاؤ پر کسی نے ٹھنڈا پھایہ رکھ دیا ہو۔"

جانے کتنی دیر وہ اسی حالت میں دل کی گہرائیوں سے اپنے رب کی بزرگی کا اعتراف کرتا رہا۔ نماز بھی اللہ اور بندے کے درمیان کتنا عجیب تعلق ہے، جاندار مخلوق کی طرح اللہ تعالیٰ نے نماز کو بھی ایک صورت اور روح مرحمت فرمائی ہے۔

"چنانچہ نماز کی روح تو نیت اور حضور قلب ہے اور قیام وتعوذ نماز کا بدن ہے اور رکوع وسجود نماز کا سر اور ہاتھ پاؤں ہیں اور جس قدر اذکار وتسبیحات نماز میں ہیں، وہ نماز کے آنکھ، کان وغیرہ ہیں اور اذکار وتسبیحات کے معنی کو سمجھنا گویا آنکھ کی بینائی اور کانوں کی قوتِ سماعت وغیرہ ہے اور نماز کے تمام ارکان کو اطمینان اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا، نماز کا حسن یعنی بدن کا سڈول اور رنگ وروغن کا درست ہونا ہے۔"

"سمع اللہ لمن حمدہ"

"سنتا ہے اللہ جو اس کی تعریف کرتا ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ خود سن رہا ہے اس وقت میں جو کچھ اپنی زبان سے ادا کر رہا ہوں، یہ کیسی ملاقات ہے اللہ اور بندے کی، حقیر سے حقیر بندہ بھی نماز میں شہنشاہ رب کریم سے مخاطب ہوتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے۔ "سمع اللہ لمن حمدہ"

میں اس قابل کہاں کہ اللہ خود مجھے سنے۔ مگر اللہ کا وعدہ تو سچا ہے وہ تو سنتا ہے مگر میں ہی غافل نماز ادا کرتا رہا، اس کی ہچکی بندھ گئی، وہ قیام میں کھڑا سسک رہا تھا۔

"ربنا لک الحمد"

"اے ہمارے رب تیرے لئے ہی سب تعریفیں ہیں۔"

دل کی گہرائیوں سے اس نے یہ کلمہ ادا کیا تھا، آج وہ جان رہا تھا کہ نماز کیا ہے؟ اللہ کا کتنا بڑا عطیہ ہے؟ اللہ اکبر کہتے ہوئے وہ سجدے میں چلا گیا۔

"سبحان ربی الاعلیٰ"

"پاک ہے میرا رب بلند شان والا۔"

رب کریم کے قدموں میں سر رکھ کر خود کو نیست ونابود سمجھ کر یہ جملہ ادا کرتے ہوئے آج حقیقی سجدے کا لطف اس نے لیا تھا۔

"کیا کسی ماں کی آغوش بھی اتنی پر سکون ہو سکتی ہے جبکہ وہ رب اعلیٰ ہے، ماں کو ماں اس نے بنایا، ماں کو ممتا اس نے عطا کی، ماں کو محبت کے جذبے سے آشنائی اس نے دی۔"

"میں اس قابل کہاں کہ تیرے قدموں میں اپنا سر رکھ سکوں، صرف تیری عطا، صرف تیری مہربانی، صرف تیری نظر کرم...... سبحان ربی الاعلیٰ کا معنی کیا ہے یہ تو میں آج سمجھا۔"

"خود کو فنا کر کے تیرے حضور پیش کرنے کا نام سجدہ ہے۔"

"انسان کی ہستی کا معزز عضو سر، تیرے قدموں میں رکھ کر پتہ چلتا ہے کہ سجدہ کیا ہے۔"

"اپنے نہ ہونے کا یقین تیرے قدموں میں سر رکھ کر سبحان ربی الاعلیٰ ادا کر کے ہوتا ہے۔"

"ماں کی آغوش کیا ہوتی ہے، میں نہیں جانتا، مگر میں نے جان لیا اللہ کریم غفور رحیم کہ تیری رحمت کیا ہے؟؟؟"

...............(جاری ہے)...............

تیسرا حصہ

اماں جی

مرحومہ ومغفورہ

مولانا عبدالقیوم حقانی کی سحر انگیز قلم سے ایک حیرت انگیز، روح پرور اور ایمان افروز داستانِ عبرت جسے پڑھ کر پتھر دل نرم اور آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں، ایک ایسی داستان، جو سبق آموزی میں سب کے لئے یکساں ہے

جب استاذ کا دل خوش ہوگیا:...... مگر اماں جی مرحومہ ومغفورہ نے لوگوں کے غلط پروپیگنڈے کا کوئی اثر نہیں لیا، مجھے اسکول کی گرمیوں کی تعطیلات کے زمانے میں قاری صاحب کی درسگاہ میں باقاعدہ بھیجتی رہیں، جب چھٹی کرکے درسگاہ سے واپس گھر آتا تو اماں جی مرحومہ ومغفورہ مجھ سے روزانہ کا سبق سنتیں اور خوش ہوتیں، قاری صاحب نے اپنے تلامذہ کے لئے اپنے گھر میں ہندوستانی طرز کی قاریانہ ٹوپیاں بنائیں تو اماں جی مرحومہ نے اپنی جیب خاص سے ہدیہ دے کر وہ ٹوپی خریدنے اور پہننے کی تاکید فرمائی اور کہا کرتیں:

"اس سے استاذ کا دل خوش ہوگا اور اہل علم سے مناسبت ہوگی، ان کی مشابہت اور نقل کروگے تو اللہ اصل میں تبدیل کردے گا۔"

اماں جی مرحومہ ومغفورہ کے پاس مترجم قرآن تھا، تاج کمپنی کا عمدہ اور شاندار مطبوعہ نسخہ، خود بھی اس میں تلاوت کرتیں، مجھ سے بھی اس میں سنتیں، مجھے بھی اس میں تلاوت کے لئے تاکید فرماتیں اور بین السطور ترجمہ دیکھنے کی ترغیب دیتیں، میری تلاوت ختم ہوجاتی تو اردو ترجمہ دیکھتا رہتا، اس سے فکر وعمل کی تشکیل ہوتی اور فکری پختگی کی جانب پیش رفت ہوتی، قربان جاؤں! کیا ترغیب کا انداز تھا۔

قاری صاحب آگئے:...... جب عصر کی چھٹی ہوتی اور میں قاری عبدالرحمٰن صاحب سے خریدی ہوئی ٹوپی پہن کر والد مرحوم کی دکان پر آتا تو آپ مجھے دور سے دیکھ کر باآواز بلند فرماتے: ماشاء اللہ! قاری صاحب آگئے، قاری صاحب آگئے، ان کے الفاظ کی تکرار ہوتی اور میں سمجھتا کہ واقعی قاری صاحب بن گیا ہوں، خوشی سے پھولے نہ سماتا، اپنی کوتاہی آڑے آئی، قاری صاحب نہ تب بن سکا اور نہ اب ہوں اور اب جو قراء اور اہل علم کی تھوڑی بہت نقل ہورہی ہے، بسا غنیمت ہے، یہ بھی تو والدین کی تربیت، دعاؤں، توجہات اور نیک توقعات کا ثمرہ ہے، اللہ کریم کی رحمت حق سے بعید نہیں کہ وہ نقل کو اصل سے تبدیل کردے۔

خیال تھا کہ اب اپنی اولین مادر علمی نجم المدارس میں تعلیم وتربیت، تحصیل علم اور مسافرت اور اماں جی مرحومہ ومغفورہ ومعاونت، معاملت اور رافت ورحمت اور شفقت ومحبت اور کمال توجہ وعنایت کی حسین یادوں کو زیب قرطاس کروں، مگر یادداشتوں کی دنیا بھی عجیب ہے

دماغی کمپیوٹر نے ماضی کے کئی روشن دریچے وا کردیئے ہیں، ہر واقعہ اور ہر قصہ ایک سے ایک بڑھ کر، عبرت انگیز بھی، حیرت انگیز بھی اور سبق آموز بھی۔

بچوں میں دینی اور نیم سیاسی کام:...... دسویں جماعت میں زیر تعلیم تھا، جمعیت علمائے اسلام پاکستان کی انتخابی مہم زوروں پر تھی، یہ وہ دور تھا، جب جمعیت ایک تھی، اسی دور میں بی بی سی نے ایک تجزیاتی رپورٹ میں کہا تھا کہ عنقریب پاکستان گورنمنٹ کی باگ ڈور جمعیت علمائے اسلام سنبھال لے گی۔

جمعیت کی ذیلی تنظیم جے ٹی آئی بی، احقر اسکول کا طالب علم تھا، عمر بہت چھوٹی تھی، مگر اس کے باوجود درابن، چودھوان اور موسیٰ زئی شریف جیسے شہروں کے سیاسی شعور اور انقلابی ولولوں سے ناآشنا لوگوں کی چھوٹی اولاد میں اپنی تنظیم بنانے میں کامیاب ہوگیا، درابن میں، موسیٰ زئی میں اور چودھوان میں چھوٹے چھوٹے بچوں کے جلوس نکالے، جلسے کئے، تقریریں بھی کیں اور دعوتیں بھی چلائیں، بچپن کے ان دوستوں میں مولانا قاری رشید احمد اخوندزادہ موسیٰ زئی شریف، صاحبزادہ حافظ محمود مرحوم چودھوان، مولانا حافظ عبدالمجید جامی (گنڈی عیسب) کے نام ہمیشہ یاد رہتے ہیں کہ بچپن کے ان معرکوں میں یہ لوگ میرے دست وبازو ہوا کرتے تھے، اس سلسلے کے ہر کام اور ہر قدم کے آغاز میں اماں جی مرحومہ ومغفورہ سے مشورہ لیتا، مرحومہ مشورہ بھی دیتیں اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازتیں، کاندھے پر تھپکی دیتیں، گھر سے نکل کر چل پڑتا، جدھر رخ ہوتا، ادھر کامیابیاں اور کامرانیاں میرا استقبال کرتیں۔

علاقائی اور خاندانی ماحول اگرچہ اس کے موافق نہیں تھا، میرے ایک چچا مرحوم نے بار بار کہا اور سمجھا سمجھا کر کہا، بھتیجے! مولوی (مسجد والا) بن کر کیا کروگے، پہلے سے نکمیاں کھانے والے (گھر گھر سے روٹی، نیم روٹی کا وظیفہ اور ٹکڑے جمع کرنے والے) اور کوئی تھوڑے ہیں کہ تم بھی اس راستے پر چل نکلے ہو، مگر اماں جی مرحومہ نے تو کبھی اسے عار سمجھا، نہ خاندانی وقار کے خلاف سمجھا، بلکہ میری روئیداد سن کر خوش ہوتیں، حوصلہ افزائی فرماتیں اور کہتیں، بیٹا! یہ اعمال ایسے ہیں، جو ہماری نجات کا ذریعہ بنیں گے۔

مہمانوں کی خدمت اور سخاوت:...... بہر حال قدرت لم یزل نے مجھے اب دین کے راستے پر گامزن کردیا تھا، اماں جی مرحومہ ومغفورہؒ کی دعائیں، توجہات اور شب بیداری کی بے قراریاں میری پشت پناہی کررہی تھیں، بلکہ مجھے آگے بڑھا رہی تھیں، نویں، دسویں کی طالب علمی کا زمانہ تھا، اس میں کیا عمر ہوتی ہے؟ اور کیا شعور ہوتا ہے، مگر دین کی نسبت کے حوالے سے خدا نے مجھے گویا "اندھوں کا کانا راجہ" بنادیا تھا، مڈل میٹرک کے درجہ کے طلبہ کی اپنی چھوٹی سی تنظیم بنالی تھی، میں اس کا سیکریٹری بن گیا، آبائی گاؤں چودھوان میں جے ٹی آئی کا دفتر بھی کھولا تھا، میرے ہم عمر اسکول کے طلبہ وہاں آکر دینی ومذہبی لٹریچر سے استفادہ بھی کیا کرتے تھے۔

میں دفتر کا انچارج بھی تھا، اماں جی مرحومہ ومغفورہؒ یہ حالات سن سن کر خوش ہوتی تھیں، ظاہر ہے جب اس نوعیت کی ذمہ داری اور مرکزیت میرے سر تھی تو مہمان بھی آتے تھے، اماں جی مرحومہ ومغفورہؒ اپنی حیثیت، وسعت اور طاقت سے دس گنا بڑھ کر میرے مہمانوں کے لئے ضیافت کا اہتمام کرتی تھیں، غربت وافلاس اور فقر وعسرت کے سائے بھی ساتھ ساتھ لگے رہتے تھے، چائے بسکٹ، کھانا، پھر کھانا بھی عمدہ کھانا، سبزی گوشت اور علاقہ کی روایات کے مطابق ثرید کا اہتمام ہوتا تھا اور اس خدمت پر خوش ہوتی تھیں کہ میرے بیٹے کے مہمان آتے ہیں۔

اچھے دوست:...... اماں جیؒ کی دعائیں اس عمر میں رنگ لاتی رہیں اور مجھے نویں دسویں جماعت میں اچھے رفقاء مل گئے، ان کی صحبت، معیت، محبت اور رفاقت نے

میرے اسلامی اور دینی ذہن میں پختگی پیدا کی اور علمی فکر کو جلا اور استحکام ملتا رہا، اس زمانے کے دوستوں میں جناب ڈاکٹر احسان الحق (چودھوان) جناب احمد جان (گرہ مدہ) جناب رشید درابن کے نام بھی، کام بھی اور احسانات بھی میرے ذہن کے دریچوں میں محفوظ ہیں۔

محلّہ کی مسجد پر جمعیت کا جھنڈا:......اسی دور کا ایک یادگار واقعہ یہ بھی محفوظ کرنے کے قابل ہے کہ پورے شہر میں دینی دعوت اور جمعیت کی بات نوخیز لڑکوں میں میرے حوالے سے چلنے لگی تو مجھے یہ فکر جنون کی حد تک دامن گیر ہوگئی کہ ہمارے محلّہ کی مسجد کو بھی اس کا مرکز ہونا چاہئے، مگر اس وقت مسجد کے پیش امام ایک جید عالم دین، عظیم مصنف و ادیب تھے، ان کا تعلق کسی دوسری جماعت سے تھا اور میری جمعیت سے وابستگی انہیں پسند نہ تھی، مگر اس کے باوجود بھی ایک مرتبہ گاؤں کے چھوٹی عمر کے لڑکوں کو جمع کیا، عصر کے بعد ان کے سامنے تقریر کی، جو اماں جی مرحومہ و مغفورہؒ اپنے گھر میں بیٹھ کر سنتی رہیں، کیونکہ ہمارے گھر کے کمروں کی پشت کی دیوار مسجد میں تھی اور پھر ان بچوں کو ساتھ لے جاکر بازار میں جلوس نکالا، اب مسجد پر جمعیت کا جھنڈا لگانے کے جذبے نے انگڑائی لی، میں جھنڈا لے کر مسجد کی چھت پر چڑھ گیا کہ مولانا موصوف آموجود ہوئے اور سختی سے منع کر دیا، میں کب رکنے کا تھا، اپنا کام کر ڈالا تو انہوں نے محلّہ کے بعض شرپسند جوانوں کو میری مرمت کرنے کا مشن سونپ دیا، اماں جی مرحومہ و مغفورہؒ کو علم ہوا تو بے قراری، بے چینی، اضطراب اور تشویش کے بجائے پورے وثوق، یقین، اعتماد اور بھرپور جرأت اور بہادری سے مجھے اس کام پر مبارک باد دی، استقامت کی دعا فرمائی اور فرمایا:

”بیٹے! بہت اچھا کیا ہے، ان شرپسندوں اور مولانا صاحب موصوف سے میں خود نپٹ لوں گی، اپنا کام کئے جاؤ کہ سارا گاؤں تم سے خوش ہے اور تمہارے کاموں پر سب لوگ مجھے مبارک باد کہتے ہیں۔“

ماموں کے گھروں میں شادیاں:...... والد مرحوم کے انتقال کو ابھی دس دن پورے نہیں ہوئے تھے کہ میرے دونوں ماموں کے گھروں میں میرے خلیریوں (ماموں زاد بھائیوں) کی شادیاں رچائی گئیں، ڈھول باجے، کبڈیاں، میلے، اخراجات اور اسراف و تبذیر اس کے علاوہ، مغرب کے بعد چاند کی چاندنی میں ہم یتیم بہن بھائی اپنے گھر میں والدہ کے دائیں بائیں بیٹھے تھے، ماموں جان کے گھروں سے ڈھولوں باجوں کی آوازوں کی گونج ہمارے گھر تک پہنچ رہی تھی، انہوں نے نہ تو اپنے بہنوئی (میرے والد مرحوم) کے سوگ کا لحاظ کیا اور نہ اپنی ستم رسیدہ بہن کو اپنی خوشیوں میں شرکت کی دعوت دی، جرم غربت و افلاس تھا، ناداری اور یتیمی وجہ اعراض تھی کہ اس دور کا سب سے بڑا جرم افلاس ہے، گناہ امارات کی آغوش میں نیکی کہلاتا ہے اور نیکی افلاس کے دامن میں گناہ کہلاتی ہے، غربت کی دنیا بہرحال حسرتوں کا نشیمن ہے۔

خدا کی رضا دین کے کام میں ہے:......خدا جانے طبلے کی ایک ایک تھاپ اور ڈھول کی ایک ایک آواز سے اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے دل پر کتنے کتنے زخم اور کیسی کیسی چوٹیں وارد ہوتی ہوں گی، مگر آپ سراپا صبر و تحمل کا نمونہ بنی بیٹھی تھیں، فرمایا:

”بیٹے! تم جو کام کر رہے ہو، قرآن پڑھتے ہو، بچوں میں دینی تنظیم بناتے ہو، دین کی اور جہاد کی اور اصلاح و اسلام کی بات کرتے ہو، سب لوگ آفرین کہتے ہیں، خدا بھی راضی اور مخلوق بھی خوش، مجھے سب لوگ مبارک باد کہنے آتے ہیں، ڈھولوں، شادیوں، میلوں، ٹھیلوں اور تماشوں پر خدا راضی نہیں ہوتا، تم جو دین کا کام کر رہے ہو، اللہ پاک نے پہلے سے ایسے حالات بنا دیئے ہیں کہ تمہیں اس گندے ماحول میں جانا ہی نہ پڑے، اگر وہ بلاتے اور ہم بھی رشتہ داروں اور خاندانی روایات کو نبھاتے اور وہاں جاتے تو تمہیں فکری نقصان

ہوتا اور ڈھول و طبلہ کی دنیا میں بہہ جاتے۔“

فرمایا: ”بیٹے! اب بچپن میں اللہ نے مجھے تمہارے دینی کاموں سے مطمئن کر دیا ہے، بھائی مجھے نہیں اپناتے اور تمہارے والد مرحوم کے خاندان میں بھی میرے لئے اپنائیت نہیں ہے تو نہ ہو، اللہ کے ہاں ضرور ہے کہ وہ ہماری اولاد کو نیک کام کی توفیق سے نواز رہا ہے۔“

اماں جی مرحومہ و مغفورہؒ کا یقین تھا کہ اس بزم سود و زیاں میں کامرانی کا جام کبھی کوتاہ دستوں کے لئے نہیں بھرا گیا، وہ ہمیشہ ان ہی کے حصہ میں آیا، جو خود بڑھ کر اٹھا لینے کی جرأت رکھتے ہیں۔

یہ بزم مئے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

بڑی ہمشیرہ صاحبہ، امتحان کا ایک اور مرحلہ:......جی چاہتا ہے آگے بڑھوں اور اپنے قارئین کو بھی ساتھ لے کر چلوں، مگر کیا کروں، یہ تو دکھوں کی داستان ہے، بات پر بات یاد آتی ہے، اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی ادائیں ایک ایک کر کے سامنے آتی ہیں، کوئی بھی ایسی ادا نہیں، جسے بھلایا جاسکے، یا چھوڑا جاسکے، یتیمی کا زخم تازہ تھا، والد مرحوم کے انتقال کے بعد بظاہر اسباب کچھ ایسے وسائل بھی نہ تھے، جن پر بھروسہ کیا جاسکے، اماں جی مرحومہ و مغفورہؒ کے لئے میری تعلیم کا مسئلہ تمام مسائل پر اہم اور مقدم تھا، وہ اسی پر اپنی تمام توجہ مرکوز کئے ہوئے تھیں کہ بڑی ہمشیرہ صاحبہ کے نکاح کے بعد کی سنگین صورتحال کے طوفان بلاخیز کے گردابوں نے پورے خاندان کو آگھیرا، والد مرحوم نے اپنے پڑوس کے ایک یتیم غریب کو بربنائے شفقت و محبت اپنا داماد بنا لیا تھا، مگر ان کے مزاج میں تمرد تھا، وہ والد مرحوم کی کمال شفقت و مروت اور احسان کو ان کی کمزوری پر محمول کر گیا اور اس کا بے جا فائدہ اٹھانا چاہا۔

کسی کے ظرف سے بڑھ کر نہ مہر و وفا ہرگز
کہ اس بے جا شرافت کا بڑا نقصان ہوتا ہے

وہی ہوا، جو محسنین کے ساتھ ہوتا آیا ہے، والد مرحوم کے جان سے مارے ڈالے جانے کی کوشش کی گئی، ان پر شدید حملہ کیا گیا، وہ زخمی ہوئے اور پھر طویل علالت کے بعد اسی بیماری سے جنت کو سدھار گئے، اب والدہ کے لئے بڑی ہمشیرہ کے مستقبل کی صورت گری اور ظالم داماد سے گلو خلاصی کا مرحلہ سامنے تھا، مخالفین نے عدالت میں دعویٰ کر دیا، ادھر مظلوم اور بوڑھی اماں جی اور ہم یتیموں کی بے چارگی، مقابلے میں مرد اور تمام تر وسائل، مگر اس بوڑھی خاتون نے ہمت نہیں ہاری، ڈٹ کر قانونی جنگ لڑی، بڑی جرأت، بہادری اور پامردی کے ساتھ ڈٹ گئیں، اس میں میرے چچازاد بھائی جناب ممریز خان صاحب اخوند زادہ کے احسانات اور حسن تدبیر کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، مگر ایک خاتون ہو کر جس طرح اماں جی مرحومہ و مغفورہ مسلسل عدالتوں کی پیشیاں، چودھوان سے ڈی آئی خان کے مسلسل اسفار اور زحمتیں برداشت کرتی رہیں، انہی اسفار میں نماز کی پابندی اور اوراد و وظائف کا تسلسل، تلاوت قرآن کے معمولات تک میں فرق نہیں آنے دیا، اماں جی مظلومہ تھیں، مظلوم اگرچہ کیسا ہی نحیف ہو، کمزور ہو، ظالم کے ظلم کے تاب لاسکتا ہے، مگر ظالم مظلوم کی آہ کی کبھی بھی تاب نہیں لاسکتا۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

احقر ان دنوں ہائی اسکول درابن کلاں میں زیر تعلیم تھا، ان کے ڈی آئی خان آتے جاتے یہاں ملاقات ہو جایا کرتی تھی، بالآخر خدا نے اماں جی مرحومہ و مغفورہ کو کامیاب فرمایا اور بڑی ہمشیرہ کی گلو خلاصی ہوئی، صبر و تحمل، برداشت اور رضا بالقضا کے بدلے اللہ نے انعام سے نوازا، ہمشیرہ کی دوسری جگہ شادی ہوئی اور اب الحمدللہ صاحب اولاد، خوشحال اور مطمئن ہے، ان کی آج کی مسرتوں اور خوشحالیوں میں اماں جی مرحومہ و مغفورہؒ کی قربانیوں، ریاضت بلکہ خون پسینے کا دخل ہے۔

چمن میں حسن گل و لالہ دیکھنے والو
گلوں میں عکس رخ باغباں بھی ہوتا ہے

گندم کی روٹی پر لڑائی:...... یہ تو پہلے بارہا اور بہ تکرار لکھ چکا ہوں کہ والد مرحوم کے سانحے کے بعد ہماری معیشت اور معاشی حالت حد درجہ ناگفتہ بہ تھی، مہینوں مہینوں ہمارے گھر میں جوار (مکئی نہیں، یہ وہ جوار ہے جو چھوٹے چھوٹے دانے ہوتے ہیں اور حیوانات کو کھلائی جاتی ہے) کے ڈھوڈے پکتے تھے، گاہے گاہے اور وہ بھی ہفتوں بعد، کسی نیک دل یا رحم دل پڑوسی سے ایک دو گندم کی روٹیاں مل جایا کرتی تھیں، وہ روٹی گھر آتی تو ہم بہن بھائی آپس میں لڑ پڑتے، بہنیں کہتیں کہ ہم کھائیں گے، میں کہتا کہ یہ روٹی مجھے ملنی چاہئے، والدہ مرحومہ ومغفورہ یہ منظر دیکھ کر کبھی دل نہ ہارتیں اور نہ اس پر روتیں بلکہ بڑے اطمینان سے فریقین میں صلح صفائی کرا دیتیں اور فرماتیں:

"تمہاری محنت ہے، اللہ تمہیں اجر دے گا، چیز تمہاری ہے، تم ہی نے کھانی ہے، مگر عبدالقیوم تو پھر بھی تمہارا بھائی ہے اور ایک بھائی ہے، اسے نہیں دو گے تو اور کسے دو گے؟"

والدہ ماجدہ اور ہمارا پورا خاندان اس طرح کی عسرت اور فقر و فاقہ کے مرحلوں سے گزر رہا تھا، مگر اماں جی مرحومہ ومغفورہ نے ان حالات و کیفیات کو گھر کی چار دیواری سے باہر کبھی آؤٹ نہیں ہونے دیا، نہ پڑوسیوں کو علم ہونے دیا اور نہ کبھی ایسا حیلہ بہانہ تراشا، جو پڑوسیوں سے یا رشتہ داروں سے یا دور کے لوگوں سے حسن طلب پر محمول ہو۔

پیشہ حصول رزق حلال:...... اماں جی مرحومہ ومغفورہ نے میری چھوٹی چھوٹی بہنوں کو چٹائیاں بنانا سکھایا تھا، چٹائیاں بن بن کر میرے تعلیمی اخراجات کی کفالت کی، پھر اس سے، بچا بچا کر اپنی ذات اور اپنی بیٹیوں کے لئے قوت لایموت مہیا کیا، اس سے بھی بچا بچا کر اتنی رقم جمع کر لی کہ ایک کپڑوں کی سلائی مشین خرید لی، میری بہنوں کو کپڑوں کی سلائی سکھلائی، پھر اتنا ارزاں سا کہ بازار میں اگر دو روپے میں جوڑا سیا جاتا تھا، تو ہمارے گھر یہ جوڑے کی سلائی کی مزدوری ایک روپیہ ہوا کرتی تھی، اور میری بڑی ہمشیرہ صاحبہ نے سلائی مشین سیکھی تو میرے تعلیمی اخراجات سمیت گھر کے تمام مصارف کا بوجھ ان کے کاندھوں پر آپڑا، وہ صبح سویرے کپڑے سینے بیٹھتیں مغرب تک اور پھر لالٹین جلا کر رات گئے تک محنت مشقت کرتی رہیں، اماں جی مرحومہ ومغفورہ تمام مرحلوں میں ساتھ رہتیں، مسلسل بیٹھے رہنے، مسلسل کام کرتے رہنے اور نظر ایک جگہ جمائے رکھنے سے بڑی ہمشیرہ کو مستقل دردِ سر کا عارضہ لاحق ہوا تو اس کے بعد کی دونوں چھوٹی بہنوں نے سلائی کا کام سیکھ لیا، مگر بایں ہمہ گھر کے تمام افراد نے قرآن کی تلاوت، نماز کی پابندی، اذکار کے معمولات میں ناغہ نہیں آنے دیا۔

ارباب علم وکمال کے محرکات:...... اللہ پاک نے مجھ گنہگار سے "ارباب علم وکمال اور پیشہ رزق حلال" لکھوائی، میں سمجھتا ہوں کہ اس کے پس منظر میں بھی اماں جی مرحومہ مغفورہ اور یتیم بہنوں کی میری تعلیم کے سلسلے میں سلائی کے رزق حلال میں انہماک اور میرے تعلیمی اخراجات کی تحصیل کے وہ جذبات ضرور شریک، بلکہ محرک ثابت ہوئے ہوں گے، جن مخلصانہ جذبات سے انہوں نے اپنے گھر کے واحد چشم و چراغ، اپنے اکلوتے بھائی کو تند ہواؤں، باد مخالف کی یلغار سے، بچا بچا کر آج اس مقام تک پہنچایا کہ وہ ہاتھ میں قلم لئے بیٹھا ہے، کبھی تفسیر لکھتا ہے، کبھی حدیث کی شرح، کبھی فقہ پر لکھتا ہے، کبھی تاریخ پر، کبھی حالات حاضرہ پر، کبھی تدریس کرتا ہے، کبھی تبلیغ، کبھی مدرسہ بناتا ہے، کبھی اسکول اور کبھی اسپتال، یہ پیشہ رزق حلال (والدہ مرحومہ اور یتیم ہمشیرگان کی اپنے ہاتھوں کی کمائی سلائی) کی برکتیں ہیں کہ اہل کمال کا مقام تو نہیں، مگر ان کی نقل اور مشابہت کی سعادتیں ہیں، جو اللہ نے عنایت فرمائی ہیں، اللہ کریم سے استقامت کی دعا بھی ہے۔

واجرھم علی اللہ...... (جاری ہے)

تعلیم ذریعہ معاش یا تعمیر کردار

مسز عاصمہ عامر

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ تعلیم سے تعمیر کردار تو ہوتی ہے، مگر اب وہ ذریعہ معاش بھی بن چکا ہے، ہمارے معاشرے میں نوجوان حصول علم سے تزئین کردار تو کرتے ہیں، مگر جب انہیں معاش نہیں ملتا تو کیا ہوتا ہے؟ تو یہی نوجوان بات بات پر جھگڑا کرتا ہے، نشہ کرتا ہے اور خودکش بمبار بنتا ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں، ہمارے معاشرے میں فکر معاش کی وجہ سے جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے اور خودکشیوں کا رجحان بڑھ رہا ہے، جب ایک پڑھے لکھے مگر بے روزگار باپ نے اپنی تین بیٹیوں کو موت کے گھاٹ اتارا تو وہ بزبان حال کہہ رہا تھا

عجب رسم ہے چارہ گروں کی محفل میں
لگا کر زخم، نمک مساج کرتے ہیں
غریب شہر ترستا ہے اک نوالے کو
امیر شہر کے کتے بھی راج کرتے ہیں

آج ہمارے معاشرے میں جہاں صدارت، وزارت اور امارت کے پڑھے لکھے اور اعلیٰ کردار کے حامل افراد اپنے کردار کو پستیوں میں ڈالتے ہوئے کبھی ڈاکٹر عافیہ جیسی بیٹیوں کو بیچ ڈالتے ہیں اور کبھی مسجدوں کے تقدس کو پامال کرتے ہیں۔

نثار میں تیری گلیوں پر اے وطن
جہاں چلی ہے رسم کوئی نہ سر اٹھا کر چلے

آج ضرورت ہے کہ ہم علم کو تعمیر کردار کے لئے ضرور استعمال کریں، کیونکہ علم کے بغیر تو انسان اشرف المخلوقات کے عظیم مرتبہ پر پہنچ ہی نہیں سکتا، مگر اس کے ساتھ ساتھ ہم ایسا نظام تعلیم متعارف کروائیں جو نئی نسل کو فکر معاش سے آزاد کردے، ایسی فنی مہارت، جس کی معاشرے کو ضرورت ہے، جب میرے ملک کو اس کی ضرورت کے مطابق ڈاکٹر، انجینئر، تاجر، مل اونر اور مزدور ملے گئے تو آپ دیکھئے گا کہ میرے ملک کا نوجوان اعلیٰ کردار کا حامل ہوگا اور معاشی طور پر مستحکم بھی، جب پیٹ کا ایندھن بھرا ہوتا ہے تو منہ سے خود ہی پھول جھڑتے ہیں، ایک خوددار اور اعلیٰ کردار کا حامل شخص کسی کے آگے جھکنا اپنی توہین سمجھتا ہے، آج ضرورت ہے کہ ہم خود بھی اور اپنی اولادوں کی تربیت بھی اس نہج پر کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا اصل رازق سمجھے، تعلیم اور معاش کے وسیلے صرف کے طور پر استعمال کریں اور اپنا سر اپنی قادر مطلق کے سامنے جھکائیں تو پتھر میں کیڑے کو بھی رزق دیتا ہے۔

☆......☆......☆

واپسی کا سفر

رومان جمیل

وہ مجھے بہت عزیز تھی، بالکل بہنوں کی طرح، وہ تھی بھی ایسی پیاری، جو دیکھتا، بس دیکھتا ہی رہ جاتا، سرخ و سفید رنگت، نیلی نیلی آنکھیں، گلابی ہونٹ، لمبے لمبے بال، وہ کوئی جنت کی حور لگتی تھی، نام بھی اس کا حور تھا۔ حور کالج میں میرے ساتھ پڑھتی تھی، میں عبایا لیتی تھی لیکن وہ بس ایسے ہی دوپٹے میں آتی تھی، اس کے سارے رشتے دار فیشن ایبل مشہور تھے، وہ بھی ویسی ہی تھی، اس کے سامنے زندگی صرف اسی کا نام تھا۔ ''کھاؤ پیو چلو پھرو'' اور بس، یہ اس کی ڈیتھ سے کچھ ماہ پہلے کی بات ہے، میں کالج کے گراؤنڈ میں بیٹھی اس (حور) کا انتظار کر رہی تھی اور اس نے پیچھے سے آ کر میری آنکھ پر ہاتھ رکھ دیا اور اپنی میٹھی آواز میں بولی۔ ''کون'' تو میں جلدی سے بولی، دنیا کی حور، تو وہ مسکراتے ہوئے میرے سامنے آ بیٹھی، کچھ خاموشی کے بعد میں نے اس سے پوچھا، حور تم نماز پڑھتی ہو، بولی، جب وقت ملتا ہے تو پڑھتی ہوں۔ ''کیا وقت؟؟'' اگر نہ ملے تو نہیں پڑھتی ہو، وہ خاموش رہی، حور نے کہا، آپ کے پاس چوبیس گھنٹوں میں صرف آدھا گھنٹہ بھی نہیں ہوتا، اس دن تو صرف اتنی ہی بات ہو سکی، کیونکہ حور کا بھائی اسے لینے آ گیا تھا اور میں بھی چلی گئی۔

صبح میں موقع کی تلاش میں تھی کہ کل والی بات حور سے کروں، آخر وہ وقت آ ہی گیا، جیسے میں کہہ رہی تھی کہ حور کو سمجھاؤں گی، سمجھا تو کیا، اس نے تو مجھے اپنے رنگ میں رنگ دیا، ہاں میں کبھی وہ تھی کہ کوئی تقریب ہو یا کچھ اور، نماز کبھی نہ چھوڑتی تھی، میرا دن تب تک نہ گزرتا، جب تک میں تلاوت نہ کر لیتی، کبھی کسی غیر محرم کے سامنے نہ جاتی تھی، ہاں ہاں، کبھی میں ایسی ہی ہوتی تھی، لیکن اب تو میرے عبائے کی جگہ دوپٹے نے لے لی، ہاں، اب تو میرا تلاوت کا وقت حور کے گھر فلمیں دیکھنے میں گزرتا اور نماز ہاں، نماز کے وقت تو میں اکثر سو رہی ہوتی تھی اور گھر سے کالج کے بہانے سے جاتی تھی اور حور کے ساتھ اکثر باہر نکل جاتی، کبھی کبھی احساس ہوتا کہ میں پہلے کیسی تھی اور اب کیسی ہو گئی ہوں، دل کہتا، یہی تو زندگی ہے، حور کی طرح اب میں بھی یہی کہتی تھی، زندگی بس اسی کا نام ہے۔ ''کھاؤ پیو چلو پھرو'' اور بس یہ حور سے سنے ہوئے الفاظ تھے، جواب میرا دل بھی کہہ رہا تھا، ضمیر کہتا نہیں، زندگی اس کا نام ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم مانو، پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو اپناؤ، اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دو گی، ساری زندگی اس کی نافرمانی کرتی رہی

ہو، دل کہتا، بڑھاپے میں عبادت کرنا، اللہ اللہ کرنے کا وقت وہی ہوتا ہے، ضمیر ملامت کرتا کہ تجھے امید ہے کہ تیری زندگی بڑھاپے تک جائے گی، زندگی کے چار دن ہیں، کیا خبر تیری زندگی میں دو دن لکھے ہوں قدرت نے، زندگی پانی کا بلبلا ہے، سنبھل جا اور میں ہمیشہ دل کا کہا مانتی تھی، ضمیر کو جھٹلا دیتی تھی، زندگی پر لگا کر اڑ رہی تھی اور میں دین سے نا آشنا ہو گئی تھی۔

وہ دن مجھے بھولے نہیں بھلے گا، مجھے سیدھے راستے سے بھٹکانے والی وہ لڑکی دوپہر دو بجے میرے پاس آئی اور کہا، دوست آج شام چھ بجے ایک دوست کی برتھ ڈے ہے، تم بھی چلنا، یہ کہہ کر وہ جانے کے لئے پلٹی ہی تھی کہ میں نے اس کی کلائی پکڑ لی، حور مم...... میرا دل نہیں چاہ رہا، مجھے ڈر لگ رہا ہے، جیسے آج...... اس نے میری بات کاٹ لی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی، دوست کس سے ڈر لگ رہا ہے، بس تم تیار رہنا، وہ مجھے بہت اداس اور خاموش لگی، لیکن میں اس سے پوچھ نہ سکی کہ ایسا کیوں ہے۔

شام کو پورے چھ بجے وہ مجھے لینے آ گئی، حور بدستور خاموش تھی تو اس خاموشی کو میں نے توڑا، حور...... ہوں...... لوگ اپنے جنم ڈے پر پر خوشی کیوں مناتے ہیں، ان کی زندگی میں ایسے ایک ایک کر کے سال ختم ہو رہے ہوتے ہیں، تو یہ اپنی زندگی کے سال ختم ہونے کیوں خوشی مناتے ہیں، ہوں...... حور...... ہوں...... حور کہاں گم ہو...... ہوں...... حور میں آپ سے بات کر رہی ہوں، یہ کیا ہوں ہوں لگا رکھی ہے۔ ''کون سی بات'' کوئی بھی نہیں، میں غصے سے بولی، کچھ آگے چلنے کے بعد حور نے ایک محل نما گھر کی بیل پر ہاتھ رکھ دیا۔

رات کو عشاء سے پہلے جب ہم دونوں گھر لوٹ رہی تھیں، تو حور مجھے اور بھی زیادہ خاموش اداس سی لگی اور میں اپنے خیالوں میں گم اس کے پیچھے چلی جا رہی تھی، چیخ کی آواز پر میں جلدی سے حور کو سہارا دینے کو لپکی، لیکن وہ میرے ہاتھوں سے پھسلتی ہوئی زمین پر گر گئی، وہ ٹرک جس سے حور کو ٹکر لگی تھی، اپنے پیچھے گرد و غبار چھوڑتا ہوا گم ہو گیا تھا اور میں بھی آہستہ آہستہ زمین پر بیٹھی چلی گئی، اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہ رہا، آس پاس کے لوگوں نے حور کو ہاسپٹل اور مجھے گھر پہنچا دیا۔

جونہی میرے ہوش کچھ بحال ہوئے، میں جلدی سے ہاسپٹل پہنچ گئی، حور کو دیکھتے ہی میری چیخ نکل گئی، کیونکہ وہ پہچانی نہیں جا رہی تھی، اس کے چہرے پر بہت زیادہ زخم تھے، مجھے دیکھتے ہی وہ رو دی، دوس...... دو دوست...... رو...... مم...... میں اب...... ابھی...... ابھی نہیں مرنا...... مم...... مجھے...... میں...... تو کہتی تھی...... کے...... بڑھاپے...... میں، عبا...... عبادت...... کروگی...... پھر مم...... مجھے...... بب...... بچاؤ نہ...... میری دوست...... بب بچاؤ...... بچاؤ...... میں اپنے...... پیا...... پیارے اللہ کو...... کک کیا...... جوا...... جواب دوں...... گی بب...... بچاؤ بچاؤ...... وہ چیخ پڑی، حور میری دوست چپ کر جاؤ، پلیز چپ کر جاؤ...... دو...... دوست...... مم...... مجھے پتا ہے...... میں مر...... میں مر جا...... حور چپ پلیز خاموش ہو جاؤ، ابھی تو آپ بہت سا جیو گی، بس تم کلمہ پڑھتی رہو، اللہ تعالیٰ آپ کو شفا دے۔ آمین۔

دو...... دوست...... مجھے پپ...... پتا ہے...... میں مر...... جاؤں...... گی...... تو...... اپنے اللہ کو...... کک...... کیا جواب...... دو...... گی...... تت...... تم...... بھی جیسی...... بب...... بن...... جا...... وَ...... مجھے...... معا...... ف...... کر...... دینا، حور کیسی باتیں کر رہی ہو، پلیز چپ کر جاؤ، میں رو پڑی، دوست...... رو...... نہیں...... میر...... میرے لئے دعا...... کرنا...... اللہ...... مم...... میرا...... اللہ...... مجھے...... معاف...... کر...... دے...... میرے...... رشتے...... داروں...... اور...... مما پپا کو...... بھی......

ہدایت دے...... یہ کہہ کر حور نے اپنی مما کی طرف دیکھا، جو چپ چاپ آنسو بہا رہی تھیں...... میرا...... اللہ...... بخش دے...... اللہ...... میرا...... میرا اللہ...... میں گنا...... گناہ گار...... کو...... سے...... راضی...... ہوجا میرا...... اللہ...... اللہ...... اللہ...... اللہ...... مم...... میرے...... پپ...... پیارے...... اللہ...... اللہ...... اللہ

اس کے بعد اونچی آواز میں کلمہ پڑھنے لگی، پھر چپ چاپ چھت کی طرف دیکھا اور سکون سے آنکھیں موندھ لیں ہمیشہ کے لئے...... مجھے سیدھے راستے سے بھٹکانے والی مجھے دوبارہ سیدھا راستہ دیکھا گئی...... میری محسن...... میری بہن...... اللہ تعالیٰ اسے جنت میں جگہ دے۔ آمین

اے دنیا!
تجھے سب جانتے ہیں
تو کیسی ہے...... تیری رونق کو
کہ یہ روشنی ہے یا تاریکی
تیری مٹھاس کو
کہ یہ میٹھی ہے یا کڑوی
تیری زندگی کو
کہ تو باقی ہے یا فانی
سبھی کو معلوم ہے
تیری تلخ حقیقت

اے دنیا!
تجھے سب جانتے ہیں
تو کیسی ہے
آج تخت ہے تو
کل تو تختہ
آج وسیع ہے تو
کل کو تنگ کوٹھری
آج دوست ہے تو
کل کو دشمن جان

اے دنیا!
تجھے سب جانتے ہیں
لیکن پھر بھی
تجھے سب مانتے ہیں

☆......☆......☆

غصہ دور کرنے کی تدابیر

☆...... جب بھی آپ کو غصہ آئے تو فوراً دھیان میں لائیے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر بھی اسی طرح غصہ کرنے لگے تو یقیناً میں چاہوں گا کہ مجھے معاف کر دیا جائے۔ تو بالکل اسی طرح مجھے بھی چاہئے کہ اس شخص کو معاف کر دوں۔ اور سوچئے کہ یہ شخص میرا اتنا خطاوار تو نہیں ہوگا۔ جتنا میں اللہ تعالیٰ کا گنہگار ہوں۔ پھر جب میں معافی کا آرزومند ہوں تو اس کو کیوں نہ معاف کروں۔

☆...... فوراً یہاں سے جُدا ہو جائیے جب تک غصہ بالکل فرو (زائل) نہ ہو جائے۔ ان شاء اللہ اس تدبیر سے آپ غصہ کے شر سے محفوظ رہیں گے۔

☆...... کوئی وقت متعین کر کے اپنے عیوب کا دھیان کیجئے اور سوچا کیجئے کہ میں سب سے بدتر ہوں، اس سے کبر کی جڑ کٹ جائے گی۔ اور کیونکہ غصے کا سبب کبر ہی ہے۔ کبر کے معنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا۔

☆...... اگر آپ اس بات کا التزام کر لیں تو زیادہ سودمند ہوگا کہ آپ کو جس پر غصہ آ رہا ہے اسے کچھ ہدیہ دے دیں۔ چاہے وہ قلیل مقدار میں کیوں نہ ہوں۔

☆...... اپنے آپ سے اونچی آواز میں کہیں کہ یونہی احمق بننے کی کوشش مت کرو، اس سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

☆......☆......☆

فاصلے ضروری تھے!!

شگفتہ کنول

دوستی اور دشمنی، ہر دو عمل میں اعتدال ضروری ہے اور دینِ اسلام کی تعلیم بھی ہر عمل میں اعتدال کی ہے۔ لیکن جب انسان اعتدال کی حدود سے نکل جاتا ہے تو بُری طرح ٹھوکر کھاتا ہے...... معاشرے میں پائے جانے والی اسی خرابی کو اجاگر کرتی ایک سنسنی خیز تحریر، جس میں ایک دوشیزہ اپنی حدود کو پار کرتے ہوئے اس قدر آگے نکل جاتی ہے کہ واپسی کے تمام راستے اس کے لیے مسدود ہو جاتے ہیں

موسم نے اچانک ہی رُت بدلی تھی، اُسے سب کچھ سراب بن کے بکھرتا نظر آیا، وہ چیخنا چاہتی تھی، مگر آواز کہیں دُور حلق میں ہی اٹک کر رہ گئی تھی۔

بہار جیسی خوب صورت پُرسکون اور حسین زندگی کے سرسبز پتے اُس نے خود ہی نوچ ڈالے تھے اور اب خزاں رسیدہ درخت کی مانند حیران و پریشان، بے یقینی کی اتھاہ گہرائیوں میں خود کو ڈوبتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

جن راستوں کو وہ عیش پرستی اور آزادی سمجھتی تھی، اُنہی راستوں کی پُرخار جھاڑیوں نے اُسے بُری طرح اُلجھا کر رکھ دیا تھا، اُسے الگ رہا تھا کہ...... اگر ان

جھاڑیوں سے نکلنے کی کوشش کی تو اِن کے سخت اور نوکیلے کانٹے اُس کے پور پور کر زخمی کر دیں گے۔
اُسے حیرت ہو رہی تھی کہ لوگ کتنی ہوشیاری سے چہرے بدل بدل کر سامنے آتے ہیں اور معصوم اور سیدھے سادے لوگ کتنی آسانی سے اُن کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں۔
دُور کہیں اُس کی سماعت میں اپنی ماں کی آواز کی بازگشت سُنائی دی:
"بیٹا! ہمیشہ اپنی حیثیت کے لوگ کے ساتھ تعلق رکھنا۔"
پھر کہیں سے بابا کی پُر شفقت نصیحت سُنائی دی:
"بیٹا! تعلق میں ہمیشہ اعتدال رکھنا۔"
الفاظ بہت سادہ اور عام سے تھے، مگر بہت طاقت ور تھے، جو کئی پُر فریب مناظر کا نقاب چاک کر رہے تھے، اُس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں، ایک کھلکھلاتی ہوئی شوخ لڑکی اُس کے سامنے آ کھڑی۔
"دوستی کرو گی؟؟"
کچھ جھجکتے ہوئے اُس نے ہاتھ آگے بڑھا دیا، جسے نو وارد نے گرم جوشی سے تھام لیا۔
"مجھے ربائشہ کہتے ہیں۔"
"اور میرا نام صباء ہے۔"
دوستی کا آغاز ہوا تو پھر پتہ ہی نہ چلا، تمام حدود کو کراس کرتے ہوئے پہلے اُن دونوں کی دوستی کالج میں مشہور ہوئی، پھر پتہ ہی نہ چلا، تمام فاصلوں کو چھوڑ کر گھروں میں آنا جانا شروع ہو گیا۔
ان دونوں کے معیار میں بالکل بھی توازن نہیں تھا، ربائشہ بہت سٹرانگ فیملی سے تعلق رکھتی تھی، اُن کے گھر کا ماحول بھی بہت ایڈوانس تھا، کسی بھی قسم کا گھٹیا فیشن کرتے ہوئے اُسے کوئی عار محسوس نہ ہوتی، نہ ہی کوئی روک ٹوک ہوتی جبکہ صباء ایک متوسط اور سفید پوش طبقے سے تعلق رکھتی تھی، اِسی لئے پہلے پہل ربائشہ سے دوستی میں وہ کچھ ہچکچاہٹ کا شکار ہوئی، مگر بہت جلد ربائشہ کے بے تکلف ہونے کی وجہ سے اُس کا احساس کم مائیگی جاتا رہا۔
ربائشہ کو گھر سے بلا روک ٹوک کہیں بھی جانے کی اجازت تھی جبکہ صباء کے والدین اولاد کو حدود میں رکھنے کے قائل تھے۔
صباء اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی جبکہ ربائشہ کے علاوہ سید عالم مراد کا ایک بیٹا افنان عالم بھی تھا۔
ربائشہ جب پہلی بار صباء کے گھر آئی تو صباء کے سیدھے سادے والدین اُسے دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے، شولڈر کٹ بال، باریک ساڑھی نما دوپٹہ گلے میں بے پروائی سے جھول رہا تھا، پاؤں میں دو تسموں سے بنی ہوئی لمبی سی ہیل کی سینڈل...... اور جینز کے اوپر ہاف آستینوں والی شرٹ اُس کے وجود کو نمایاں کر رہی تھی۔
ربائشہ کے جانے کے بعد صباء کے والدین نے اُسے سختی سے منع کر دیا کہ وہ ربائشہ سے دوستی ختم کر دے، مگر وہ صباء ہی کیا جو پیچھے ہٹتی۔
صباء، ربائشہ کے بنگلے "عالم ولاز" سے، بہت متاثر تھی، پھر نوکروں کی فوج اور ہر چیز سے ٹپکتی امارت سے وہ خصوصی مرعوب ہو چکی تھی۔
جتنی جلدی اُن کی دوستی میں پختگی آئی تھی، اُس سے کہیں زیادہ جلدی ربائشہ نے اُسے اپنے رنگ میں تقریباً رنگ لیا تھا۔
"یار! یہ کیا جبہ سا پہن کر آ گئی ہو اتنی گرمی میں؟"
صباء ایک دن ربائشہ کے گھر آئی تو ربائشہ نے اُس کے گاؤن کو دیکھتے ہی کہا تھا۔
"روبی! تمہیں پتہ تو ہے میرے امی ابو کا، کسی طرح آ تو گئی ہوں، یہ گاؤن نہ پہنتی تو امی آنے بھی نہ دیتی۔"
اُس نے وجہ بتائی۔
"عجیب ہو یار! اتنی گوری رنگت اور اتنی پیاری شکل ہے پھر کیوں چھپاتی ہو خود کو؟"
صباء خاموشی سے گاؤن اتارنے لگی، وہ واقعی اتنی خوب صورت تھی کہ اس کا حُسن مصنوعی چیزوں کا محتاج نہیں تھا، ربائشہ جیسی لڑکی بھی اس پر رشک کئے بغیر نہ رہ سکتی۔

☆......☆......☆

"یار تمہارے لئے ایک گڈ نیوز ہے۔" ربائشہ نے جوش سے کہا تھا، صباء سوالیہ نشان بن گئی۔
"سنو! میری سالگرہ ہے تم نے ڈانس کرنا ہے اوکے؟؟" اُس نے بلا جھجک اُس سے عجیب فرمائش کی۔
"مگر یار!...... وہ، مجھے تو ڈانس نہیں آتا۔"
"ڈونٹ وری، تم بالکل فکر نہ کرو، میں تمہیں سب سکھا دوں گی۔"
"مگر روبی، میری امی بابا کو پتہ چل گیا تو......" وہ جز بز ہو رہی تھی۔
"کم آن یار!! میں تمہارے ڈانس کی CD نہیں بھجواؤں گی تمہارے امی بابا کو، اگر تم ان کو پارٹی پر ساتھ لے آؤ تو اور بات ہے۔" اس نے کندھے اچکا کر کہا تھا۔

☆......☆......☆

اس نے اپنے تئیں ایک اچھے اور معیاری سوٹ کا اپنے لئے انتخاب کیا اور پریس کر کے بیگ میں رکھ دیا، جلدی سے ناشتہ کیا اور چہرے کی لیپا پوتی کر کے گاؤن پہنا۔ "اچھا اماں! میں جا رہی ہوں کالج" اس نے نقاب لگا کر کہا، تا کہ مزین چہرہ اماں کو نظر نہ آ سکے۔
"اللہ حافظ بیٹا، دھیان سے جانا اور سیدھی گھر آنا۔"
اماں نے روٹی ڈالتے ہوئے اُسے ہدایت دی، وہ تیزی سے باہر نکل آئی، رکشہ پکڑا اور "عالم ولاز" کا ایڈریس بتا کر اوپر پہنچ گئی، 10 منٹ بعد وہ اُن کے چوڑے گیٹ کے باہر تھی، میوزک اور قہقہوں کا عجیب سا شور گیٹ کے باہر تک آ رہا تھا، وہ سر جھٹک کر اندر داخل ہو گئی۔
ربائشہ کی تمام کزنز اور فرینڈز آئی ہوئی تھیں، وہ ایک ایک کو دیکھ کر حیران ہوئے جا رہی تھی۔ دیکھنے والے کی نظریں جھکا دینے والے ملبوسات، دوپٹوں سے بے نیاز سر!! کچھ لڑکیاں میوزک کی دُھن پر رقص کرتے ہوئے ہر ایک کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھیں، ربائشہ صباء کو دیکھتے ہی اس کے پاس آ گئی، ربائشہ کو معلوم تھا کہ وہ کالج کا ہی کہہ کر آئی ہے، اس لئے اُسے یونیفارم میں دیکھ کر اُسے حیرت نہیں ہوئی۔
"روبی میں نے چینج کرنا ہے، یہ والا سوٹ لے کر آئی ہوں۔" صباء نے ہلکے مونگیا رنگ کا سوٹ نکال کر اُسے دکھایا۔
"کس کا سوگ منانے آئی ہو یہاں؟؟؟" اس نے سوٹ دیکھتے ہی کہا۔
"مجھے تو یہی مناسب لگا ہے، ویسے یہ پیارا لگتا ہے مجھ پر۔"
"دفع کرو یار، ایسے موقعوں پر ڈارک کلر چلتے ہیں، میں لے کر آتی ہوں تمہارے لئے ڈریس۔"
فوراً سے پہلے وہ گہرے نیلے رنگ کا جارجٹ کا سوٹ لے آئی جس پر شیشوں کا نفیس کام کیا ہوا تھا، ہاف بازو، چوڑی دار چُست پاجامہ اور نیٹ کا چھوٹا سا دوپٹہ ساتھ تھا۔
"ربائشہ! میں تو ایسے کپڑے نہیں پہنتی، کوئی فل بازو والا سوٹ......"
"زیادہ ماسی نہ بنو، سب چل رہا ہے آج کل، جلدی سے چینج کر کے آؤ۔"
چار و ناچار، اُسے چینج کرنا ہی پڑا، گہرے نیلے رنگ میں اُس کی گوری رنگت کھل اُٹھی تھی، اُس نے ڈانس شروع کیا تو ہال تالیوں کے شور سے گونج اٹھا، سب نے خوب تعریف کی اور اُسے، بہت سراہا بھی گیا، وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔

☆......☆......☆

ایک دن معمول کے مطابق وہ گھر کے کام کر رہی تھی کہ اچانک ربائشہ اپنے مما پاپا کے ساتھ اُن کے گھر آئی، وہ حیرت سے اُنہیں دیکھتی رہ گئی۔
"بیٹھنے کا نہیں کہو گی کیا؟؟؟" ربائشہ نے کہا تو وہ شرمندہ سی انہیں کمرے میں لے آئی، جہاں ایک پُرانا

مگر صاف ستھرا پلنگ بچھا تھا، ربائشہ کے پاپا باہر صحن میں صباء کے والد کے ساتھ ہی بیٹھ گئے تھے۔

''ربائشہ! تم یوں اچانک کیسے؟؟'' وہ ابھی تک اُن کی آمد پر حیران تھی۔

''کیوں، ہم نہیں آسکتے کیا؟؟'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''نہیں، میرا مطلب ہے......''

''چھوڑو یار، ہم اپنی کوئی چیز لینے آئے ہیں۔''

''کک، کیا! مم! میرا مطلب ہمارے......''

''چھوڑو مطلب وطلب، کوئی پانی شانی کا نہیں پوچھو گی؟؟'' ربائشہ آج بہت شوخ نظر آرہی تھی، صباء نے نا سمجھی سے اپنی ماں کو دیکھا، جو زبردستی اُن کی آمد پر اپنی ناگواری چھپا رہی تھیں، پھر ربائشہ کی معنی خیز مسکراہٹوں اور شریر جملوں اور ان کے جانے کے بعد آخرکار یہ عقدہ بھی کھل ہی گیا کہ وہ کس مقصد کے لئے آئے تھے۔

سب کے منہ کھلے ہی تو رہ گئے تھے! کہاں صباء جیسی مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والی عام سی لڑکی اور کہاں سید عالم مراد کا بیٹا ''سید افنان عالم'' جس کے نام کے آگے ڈگریوں کی ایک لمبی قطار تھی۔

صباء کے والدین تو اپنے سے اونچے طبقے کے لوگوں سے تعلق میں بھی فاصلے کے قائل تھے اور یہاں تو بات ہی رشتے کی تھی، مالی حیثیت سے تو زمین آسمان کا فرق تھا ہی، لیکن یہ کوئی معقول اعتراض نہیں تھا، اصل نقطہ ''افنان عالم'' کی فیملی کے رہن سہن پر آکر ٹھہر جاتا جو ہر قسم کی آزادی کی حدود توڑے ہوئے تھے۔

اُن لوگوں کی طرف سے اصرار بہت زیادہ تھا، اس لئے صباء کے والد کو ''سوچ کر جواب دیں گے'' کہہ کر اُن کو ٹالنا پڑا۔ معلومات لینا تو بہرحال ضروری تھا۔

☆......☆......☆

وہ کالج سے گھر آئی تو امی اور بابا صحن میں نہیں تھے۔

''یقیناً کمرے میں ہوں گے'' یہ سوچ کر نجانے کیوں قدموں کی آہٹ ہلکی رکھتے ہوئے وہ دروازے تک آئی، اندر سے اس کے بابا کی آواز آرہی تھی، جو کہ اونچی تو نہیں تھی، مگر اتنی آہستہ بھی نہیں تھی کہ وہ سن نہ پاتی۔ ''یہ لوگ غلط بزنس کرتے ہیں...... سود پر پیسہ آتا جاتا ہے خاندانی لحاظ سے بھی اچھے نہیں ہیں...... اور یہ عالم مراد بڑے بڑے فراڈ کے کیس بھگت کر دوبارہ اپنا نام بنانے میں کامیاب ہوا ہے۔''

یہ اُس کے والد کی آواز تھی، اُسے ایسا لگا، جیسے زمین آسمان گھوم رہے ہوں، مزید کچھ سننے کی اُس میں ہمت نہیں تھی، اس سے پہلے کہ وہ وہیں ڈھے جاتی، دیوار کا سہارا لے کر وہ اپنے کمرے میں آگئی۔

☆......☆......☆

''صباء تمہیں اپنے والدین کو قائل کرنا ہوگا'' کالج میں بریک کے دوران ربائشہ نے اُسے کہا۔

''تمہارے اور ہمارے اسٹینڈرڈ میں بہت فرق ہے ربائشہ......''

''یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں، محدود سوچ رکھنے والے لوگ اسٹینڈرز کو پرابلم بنا لیتے ہیں۔''

''مم مگر......''

''کوئی اگر مگر نہیں، تمہیں ماننا ہوگا۔''

''میرے امی بابا؟'' وہ شدید الجھن کا شکار ہو رہی تھی۔

''اپنے امی بابا کو بھی تم نے ہی منانا ہوگا۔''

''ربائشہ تم نے یہ......'' اُس کی ساری باتیں آدھی ادھوری ہی رہ رہی تھیں ربائشہ کے سامنے!

''دیکھو صباء! ہم اپنے اکلوتے بھائی کی کسی بھی خواہش کو رد نہیں کیا کرتے۔''

''کیا مطلب؟؟؟'' وہ جانتے ہوئے بھی انجان بن رہی تھی۔

''مطلب یہی کہ بھائی نے تمہیں میری سالگرہ پر ڈانس کرتے ہوئے دیکھا اور بس فریفتہ ہو گئے تمہارے حسن پر......'' صباء پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھتی رہ گئی۔

''اچھا سنو! میں کل کالج نہیں آؤں گی، تم کالج کے بعد سیدھا میرے گھر آجانا، پھر ڈسکس کریں گے اوکے۔'' وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوئی اور صباء کتنی ہی دیر بے یقینی کے عالم میں وہیں بیٹھی رہی۔

☆......☆......☆

''ربائشہ میرے والدین کبھی نہیں مانیں گے کبھی نہیں۔'' وہ اس کے گھر بیٹھی اُس سے ڈسکس کر رہی تھی۔

''تم فورس کرو تو مان جائیں گے۔'' ربائشہ نے لاپروائی سے کہا۔

''نن! نہیں! ہمارے خاندان میں تو لڑکے بھی فورس نہیں کرتے، میں تو پھر لڑکی ہوں۔''

''چھوڑو! اب وہ دور نہیں رہا، تم منوا سکتی ہو اگر چاہو تو......'' اُس کے لہجے میں سختی سی آگئی۔

''میں نہیں چاہتی بس......'' وہ تنگ آکر بولی اور یکدم ربائشہ کی اصلیت کھل گئی۔

''شٹ اپ صباء!!'' وہ چیخ پڑی۔ ''تم لوگ ہم سے نہ ہی جڑو تو اچھا ہی ہے، تمہاری اوقات ہی کیا ہے، ہم سے پنگا لیا تو ساری زندگی ''سید افنان عالم'' کے نام کو یاد رکھو گی۔'' لہجے میں دھمکی اور سرد مہری تھی، کہاں وہ پیار اور نرمی سے بات کرنے والی ربائشہ اور کہاں وہ جواب زہریلی ناگن کی طرح پھنکار رہی تھی۔

''ادھر آؤ میڈم صباء!'' ربائشہ اُسے ہاتھ سے پکڑ کے دوسرے کمرے میں لے آئی، کمپیوٹر کے سامنے رکھی ایک کرسی پر وہ خود بیٹھ گئی اور دوسری پر بیٹھنے کا صباء کو اشارہ کیا۔ کچھ دیر بعد کمپیوٹر کی شفاف اسکرین پر نیم عریاں لباس میں ڈانس کرتے ہوئے صباء کا وجود اُبھرا۔

''کک! ک! کون! کب! تم نے! یہ سب کیوں ربائشہ......'' صباء کا رنگ سُرخ پڑ چکا تھا، بے ربط سے جملے کہتی ہوئی وہ نڈھال سی ہونے لگی۔

''حوصلہ رکھو بی بی!'' ربائشہ نے خونخوار نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کس نے...... کیا ہے یہ سب؟؟'' صباء چیخ پڑی تھی۔

''جس نے بھی کیا ہے تمہیں اپنی پرابلم؟؟'' اُس نے اطمینان سے کہا اور چند اور بٹن پش کیے تو صباء کی نہایت بے ہودہ قسم کی تصاویر سامنے آگئیں، کچھ افنان کے ساتھ اور کچھ انجان لوگوں کے ساتھ......!

''نن! نہیں، میں نے نہیں بنوائیں یہ......''

''مجھے معلوم ہے کہ تم نے نہیں بنوائیں، ہم نے خود ہی تمہاری سمپل تصاویر P.C پر سیٹ کر کے یہ شکل دی ہے، لیکن یہ بات اور کوئی نہیں سوچے گا بے بی! ہر کسی کی انگلی تمہارے کریکٹر کی طرف ہی اٹھے گی۔''

اس کی زبان بے یقینی اور صدمے سے گنگ ہو گئی، دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''خود کو ویسٹ مت کرو لٹل گرل......'' ربائشہ نے اس کا کندھا تھپتھپایا، اس لمحے پہلے جیسی ربائشہ لگ رہی تھی، صباء کی ''مخلص'' دوست......!!!

''مجھے امید ہے کہ اب تم ہمیں مایوس نہیں کرو گی۔''

☆......☆......☆

اُن کے کرائے کے دو کمروں والے چھوٹے سے پُرانے گھر میں معمول سے زیادہ سناٹا طاری تھا، اُسے وحشت سی ہو رہی تھی، اس کا دماغ کسی بھی فیصلہ کن نتیجے پر نہیں پہنچ پا رہا تھا۔ بہت سوچ سمجھ کے بعد وہ کوئی سمجھوتہ نہیں کر پا رہی تھی، اُسے کسی مخلص ہم راز کی شدت سے طلب ہو رہی تھی، جس کو اپنی داستان سنا کے وہ کوئی صحیح فیصلہ کر سکے۔

پھر اس کے ضمیر نے راہنمائی کی کہ ''ماں'' سے زیادہ مخلص ''ہم راز'' کوئی اور نہیں ہو سکتا، بے اختیار اُس کے قدم ماں کی طرف اٹھ گئے، اس کی ماں اُس کے بھل بھل بہتے آنسوؤں کو دیکھ کر حیران و پریشان سی رہ گئی۔

''کیا ہوا ہے صباء میری بیٹی! بتا کیا ہوا ہے۔'' وہ اس کا سر سہلاتے ہوئے بولیں۔ مگر اُس کے آنسو تھے کہ تھمنے میں ہی نہیں آرہے تھے۔

"چپ کر صباء! کچھ بتا تو سہی، کیا ہوا ہے؟"

"اماں، مجھے معاف کر دو! اماں اُس نے زار و زار روتے ہوئے اپنی ماں کے پاؤں پکڑ لئے اور آنسوؤں کے درمیان سب کچھ اُسے بتا دیا، اب رونے کی باری اُس کی ماں کی تھی وہ اپنا سر پکڑے وہیں رونے لگ گئی۔

صباء کو رہ رہ کر پچھلی باتیں یاد آنے لگیں، اُسے اپنے والد کی بات یاد آئی: "بیٹا! دشمن سے زیادہ دوست سے محتاط رہنا، کیوں کہ وہ تمہارے رازوں سے واقف ہوتا ہے۔"

"ہائے ہائے صباء یہ تو نے کس آزمائش میں ڈال دیا ہمیں؟" اس کی ماں بے تحاشہ رو رہی تھی۔ "یقیناً تمہارے والدین یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکیں گے دوست!!" ربائشہ کی چبھتی ہوئی آواز سماعت میں گونجنے لگی۔

"بیٹا ہمیشہ اپنی حیثیت کے لوگوں کے ساتھ تعلق رکھنا، تعلق میں ہمیشہ اعتدال اور فاصلہ رکھنا بیٹا!!" یہ اس کے امی ابو کی آوازیں تھیں، آوازوں میں شفقت ہی شفقت تھی، مگر اُس نے بہت پہلے یہ باتیں ہنسی میں اڑا دی تھیں، اب پچھتاوے ہی پچھتاوے چاروں طرف اُسے نظر آ رہے تھے، اُس کی بے دھیانی نے بھنور میں کشتی کی طرح اُسے پھنسا دیا تھا، وہ بولی بھالی سیدھی سادی زمانے کے شاطر لوگوں کو نہ سمجھ پائی...... چہروں پر لگے بناوٹی خلوص کو حقیقت سمجھ بیٹھی۔

"امی! مجھے معاف کر دو، میں نے بہت دُکھ دیا ہے آپ کو......" وہ اپنی ماں کو چپ کرواتے ہوئے معافی مانگ رہی تھی۔

شام تک ساری بات اُس کی ماں نے اس کے والد کو بتا دی، وہ بھی سکتے میں آ گئے، ایک طرف عزت و عصمت، بدنامی کا خوف اور دوسری طرف جان سے زیادہ عزیز بیٹی کا مستقبل، عصر کی نماز کے بعد اُس کے والد نے مسجد کے امام صاحب سے مشورہ کیا، پھر اُن کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے راتوں رات وہ کرائے کا گھر چھوڑ دیا اور دُور بہت دُور دوسرے شہر چلے گئے، جہاں "عالم مراد" کی فیملی جیسا کوئی بھی شخص انہیں نہیں جانتا تھا!!!

☆......☆......☆

اللہ اکبر

جب مسلمانوں کا لشکر صحابہ کرامؓ کے زمانے میں شہر اسکندریہ فتح کر رہا تھا تو اسکندریہ کا بادشاہ بھی اس معرکہ جنگ میں موجود تھا اور بڑے زور و شور سے لڑائی کا انتظام کر رہا تھا، کافر لوگ ایک نہایت مضبوط قلعے میں تھے اور مسلمان قلعے کے سامنے میدان میں پڑے تھے، کئی عرصے تک باہم جنگ ہوتی رہی، مگر کفار بوجہ قلعہ کے مغلوب نہ ہوئے، نہ انہیں کچھ نقصان پہنچا، ایک دن حضرت شرجیل بن حسنہ صحابی نے کافروں سے یہ فرمایا:

اے کافرو! ہمارے اندر اس وقت ایسے اللہ کے پیارے بندے بھی موجود ہیں کہ اگر کہیں اس قلعہ کی دیوار سے کہ زمین دھنس جا، تو فوراً یہ قلعہ کی دیوار زمین میں دھنس جائے گی، یہ فرما کر اپنا ہاتھ قلعے کی جانب اٹھایا اور منہ سے نعرہ اللہ اکبر بلند کیا اور ہاتھ سے قلعہ کی زمین کو دھنس جانے کا حکم دیا، فی الفور بھاری فصیل قلعہ کی جو نہایت سنگین اور بڑی مضبوط بڑی پختہ تھی، زمین میں اتر گئی اور سارے کافر جو قلعہ کے اندر تھے، آن کی آن میدان میں کھڑے رہ گئے، اسکندریہ کے بادشاہ یہ دیکھ کر ہوش جاتے رہے، شہر چھوڑ کر بادشاہ اور اس کی سب فوج بھاگ گئی، شہر مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ باقی رعایا نے اہل اسلام کی اطاعت قبول کر لی۔

واہ واہ سبحان اللہ ایک بت پرست شخص کے تکبیر کے نعرہ میں مسلمان ہونے کے بعد یہ زور توحید پیدا ہو گیا، شانِ ربی ہے۔ ترجمہ: احسان اس خدا کا جس نے ناکارہ قوم میں ایسا مبارک عالیشان رسول بھیجا جس کے فیض اور برکت نے انہیں کیا سے کیا بنا دیا۔

نئی سوچ نیا عزم

بنت حوا

"مما...... مما...... میرا اسکارف نہیں مل رہا، پتہ نہیں کہاں ہے؟"

"ٹھہرو بیٹا، میں دیکھتی ہوں۔" عائشہ نے سات سالہ عشاء کی آواز سن کر کہا۔

"یہ لو بیٹا، ادھر اسٹینڈ پر پڑا تھا۔" عائشہ بولی۔

عشاء اسکارف لیتے ہوئے بولی: "سوری مما، مجھے

نہیں ملاتھا۔"

"اچھا بیٹا، جلدی کرو، آپ کے پاپا آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"اللہ حافظ مما......!"

"اللہ حافظ بیٹا......!" عائشہ نے عشاء کا ماتھا چومتے ہوئے کہا اور عشاء باہر بھاگ گئی، یہاں عاصم محمد اور احمد کے ساتھ کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ بچوں کو اسکول چھوڑ کر انہوں نے مدرسے جانا تھا۔

آمنہ جو کہ کچھ دن رہنے کے لئے اپنی بہن عائشہ کے گھر آئی ہوئی تھی، کافی دیر سے ماں بیٹی کی باتیں سن رہی تھی، آخر اس سے رہا نہ گیا تو بول پڑی۔

"عائشہ، آخر اتنی چھوٹی سی بچی کو ابھی اسکارف کی کیا ضرورت، اتنی گرمی میں آخر کیسے سنبھالے گی، سارا دن اسکارف، بھئی میں تو حنا، حمنہ کو اسکاف دے کر نہیں بھیجتی، بچیاں بے چاری سارا دن پڑھائی کریں یا دوپٹے، اسکاف سنبھالیں۔"

"عشاء سات کی ہوگئی ہے آپی، اگر اب بھی اسکاف، دوپٹہ نہ لے گی تو اس کی اہمیت کو کیسے جان سکے گی اور ویسے بھی یہی تو عمر ہے اس کے سیکھنے کی۔" عائشہ نے جواب دیا۔

"ایک تو تم کٹر لوگوں کی باتیں......" آمنہ بولی۔

"چھوڑیں آپی، چلیں پہلے ناشتہ کرتے ہیں پھر باتیں کریں گے۔"

☆......☆......☆

رات بستر پر لیٹتے ہوئے عائشہ سوچ رہی تھی کہ آمنہ آپی دین سے اتنی دور کیوں ہیں؟" عائشہ کی پریشانی عاصم سے چھپی نہ رہ سکی۔

"خیریت تو ہے جناب آج بیگم کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔" عاصم نے آخر پوچھ ہی لیا۔

"نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔" عائشہ نے عاصم کو ٹالنا چاہا۔

"کوئی بات تو ہے آخر......؟" عاصم نے اصرار کیا۔

عاصم کے بار بار اصرار پر عائشہ نے آمنہ آپی سے ہونے والی گفتگو سنائی۔ عاصم نے مسکراتے ہوئے عائشہ کو تسلی دی اور کہا۔

"پریشان نہ ہو، بلکہ آمنہ آپی کیلئے ہدایت کی دعا کرو۔"

☆......☆......☆

آمنہ، عثمان اور عائشہ تین بہن بھائی ہیں۔ سب سے بڑی آمنہ، جس کی شادی ولید سے ہوئی، جو کہ کاروباری آدمی ہیں، ولید پیسے کی فروانی اور دین سے دوری کی وجہ سے کافی آزاد خیال تھے۔ جس کی وجہ سے آمنہ اور بچے اسد، سعد، حمنہ اور حنا بھی پیسے ہی کو سب کچھ سمجھنے لگے۔ عثمان کی شادی اپنی خالہ زاد کزن سے ہوئی، جو کہ ٹیچر تھیں۔ سب سے چھوٹی عائشہ کی شادی عاصم سے ہوئی، جو کہ ایک مدرسے میں پڑھاتے ہیں اور کافی مذہبی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، عاصم نے محبت اور توجہ سے جلدی ہی عائشہ کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا، عائشہ کی شادی کے بعد عاصم اپنے والدین اور بیوی بچوں کے ساتھ سعودیہ منتقل ہوگئے۔

☆......☆......☆

السلام علیکم مما! السلام علیکم خالہ جان......!"

جیسے ہی محمد، احمد اور عشاء کی اسکول سے واپسی ہوئی، گھر میں ان کی آواز گونجنے لگی، عائشہ اور آمنہ نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا۔

"آپ جلدی سے یونیفارم تبدیل کرلو، میں کھانا لگاتی ہوں۔" عائشہ نے کہا۔

"جی مما......!" بچے بولے۔

اتنے میں عاصم بھی آگئے، سب نے مل کر کھانا کھایا، کچھ دیر آرام کرنے کے بعد عاصم بچوں کو لے کر مدرسے چلے گئے، عائشہ، آمنہ آپی سے باتیں کرنے لگی اور ساتھ ساتھ شام کے کھانے کی تیاری بھی کرتی رہی۔ عصر کی نماز کے بعد عاصم احمد اور محمد کے ساتھ کھیلنے گراؤنڈ

میں چلے گئے اور عشاء، عائشہ کو اپنے اسکول اور مدرسے کی باتیں بتانے لگی۔ آمنہ کو عشاء کی معصوم معصوم سی باتوں پر ٹوٹ کر پیار آرہا تھا۔

"حمنہ اور حنا تو میرے ساتھ ایسے باتیں نہیں کرتیں۔" آمنہ کو خیال آیا۔

"کوئی بات نہیں، وہ دونوں باتیں کرنے کے لئے ہیں آپس میں جبکہ عشاء اکیلی ہے، اس لئے ہر بات اپنی ماں سے شیئر کرتی ہے۔" آمنہ نے خود کو تسلی دی۔

☆......☆......☆

"مما...... مما...... آج ہم نے پاپا کو ہرادیا۔" محمد بولا۔

"اور مما، میں نے پاپا کا کیچ پکڑ لیا تھا۔" احمد نے بھی بات میں حصہ لیا۔ عائشہ، دونوں کی باتوں پر مسکرا رہی تھی، اتنے میں عاصم بھی کمرے میں آئے۔

"جی جناب، آج آپ کے لاڈلوں نے ہمیں ہرادیا۔" یہ کہتے ہوئے وہ احمد اور محمد کے ساتھ مغرب کی نماز کے لئے نکل گئے۔

"کیا عاصم بھی بچوں کے ساتھ کھیلتے ہیں؟" آمنہ حیرت سے عائشہ سے پوچھنے لگی۔

"جی آپی، اصل میں اس طرح انہیں بچوں کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع بھی مل جاتا ہے اور بچوں کی سرگرمیاں بھی نظر میں رہتی ہیں۔"

"کیا ولید بھائی اسد اور سعد کے ساتھ نہیں کھیلتے؟" عائشہ نے پوچھا۔

"نہیں عاشی، وہ بہت مصروف رہتے ہیں، انہیں ٹائم نہیں ملتا۔" آمنہ بولی۔

"کیسے والدین ہیں، جن کے پاس بچوں کے لئے ٹائم نہیں۔" عائشہ حیران تھی۔

☆......☆......☆

رات کے کھانے کے بعد بچے کہانی سننے کی فرمائش کرنے لگے۔ عاصم انہیں لے کر کمرے میں چلے گئے اور عائشہ چائے بنانے لگی۔

"بیٹا، آج کہانی رہنے دو۔" عاصم نے بچوں سے کہا۔

عشاء بولی: "نہیں پاپا، تھوڑی سی سنادیں، ورنہ نیند نہیں آئے گی۔"

"ٹھیک ہے، پھر سنو۔" عاصم نے انہیں صحابہ کرامؓ کے واقعات سنانے شروع کردیئے۔ بچے نیند کی آغوش میں چلے گئے تو عاصم ان پر کمبل ٹھیک کرتے ہوئے باہر نکل آئے، اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے انہوں نے عائشہ اور آمنہ آپی کی باتوں کی آواز آئی تو ان کی طرف بڑھ گئے۔

☆......☆......☆

"کیا بتاؤں عائشہ، مہنگائی نے کمر توڑ دی ہے، خرچے ہی پورے نہیں ہوتے، اوپر سے بچوں کی روز روز کی فرمائش، اب دیکھو، اسد کی ضد ہے کہ اسے نئی گاڑی چاہئے، اس کے دوست اس کا مذاق اڑاتے ہیں، اس کا کہنا ہے کہ اگر اسے نیو گاڑی نہ لے کر دی تو وہ گھر نہیں آئے گا۔" آمنہ کچھ اور بھی بتا رہی تھی، مگر عائشہ کی سوچ اسی بات پر اٹکی ہوئی تھی کہ کیا کوئی اولاد اپنے والدین کو دھمکی بھی دے سکتی ہے۔

"کیا سوچنے لگی عائشہ؟" آمنہ نے اسے گہری سوچ میں دیکھ کر پوچھا۔

"آپی آپ نے اسد کو سمجھانا تھا کہ......؟"

"میں کس کس کو سمجھاؤں عائشہ، اسد تو اسد، حنا اور حمنہ کا بھی کہنا ہے کہ وہ ہوسٹل میں رہنا چاہتی ہیں، گھر میں ان سے پڑھائی نہیں ہوتی۔"

"سوری آپی، آپ کو شاید میری بات بری لگے، اصل میں آپ نے شروع سے ہی بچوں کو بہت آزاد ماحول دیا ہے، اب وہ......؟"

"ایسی بھی بات نہیں عائشہ، اگر بچوں پر ہر وقت نظر رکھی جائے تو وہ کوئی بھی کام خود سے نہیں کر سکتے۔" آمنہ نے عائشہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اگر پیسہ ہو تو کچھ بھی مشکل نہیں، مگر اب تو ولید بھی

کاروبار میں نقصان کی وجہ سے کافی پریشان ہیں۔"

"جی آپی، میں بھی تو یہی کہتی ہوں کہ حالات ہمیشہ ایک سے نہیں رہتے اور پھر ہمارا مذہب بھی ہر کام میں میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔"

☆......☆......☆

اتنے میں عاصم کمرے میں داخل ہوئے۔

"معذرت کہ میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔"

"نہیں بھائی، ایسی کوئی بات نہیں، میں تو خود یہ چاہتی تھی کہ آپ آجائیں، تاکہ مل کر باتیں کریں، ویسے بھی کل میں واپس جارہی ہوں۔"

"جی آپی، مصروفیات کی وجہ سے آپ کو ٹائم کم دے سکا۔" عاصم بولے۔

"بچے سو گئے؟" عائشہ نے عاصم سے پوچھا۔

"جی جناب، سو گئے تو ہم حاضر ہوئے آپ کی خدمت میں۔" عاصم نے شرارت سے کہا تو عائشہ مسکرادی۔

آمنہ سوچنے لگی کہ "جن کے بارے میں ہمیشہ یہ سنا کہ وہ کٹر لوگ ہیں اور ولید کو بھی عائشہ کی شادی میں اعتراض تھا کہ عاشی کیسے گزارا کرے گی۔" اب ان کے گھر کا پرسکون ماحول دیکھ کر آمنہ حیران تھی۔

"آمنہ آپی، کیا سوچنے لگیں۔" عاصم نے آمنہ کو گہری سوچ میں دیکھ کر کہا۔

آمنہ جو کہ گہری سوچ میں ڈوبی تھی، چونکی۔

"کچھ نہیں عاصم بھائی، اصل میں سوچ رہی تھی کہ آپ کے گھر کا ماحول بالکل ہماری سوچ سے مختلف ہے، معاف کیجیے گا، ہمارے ذہن میں آپ کے گھر کا اور ہی نقشہ تھا۔"

نہیں آپی، معذرت کیسی، آپ ہماری بڑی ہیں، ویسے بھی قصور آپ کا نہیں، لوگ آج کل خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو بالکل بھول گئے ہیں اور جو لوگ ان احکام کے مطابق چلتے ہیں، انہیں بھی نہ جانے کیا کچھ کہا جاتا ہے۔"

"نہیں بھائی، اصل میں دنیا والوں کے ساتھ بھی تو چلنا پڑتا ہے۔"

"ایک منٹ......" عاصم نے آمنہ کی بات کاٹی۔

"دیکھیں آپی، اللہ تعالیٰ یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تو نہیں کہا کہ دنیا سے کٹ جاؤ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کے صحابہ کی زندگی سے ہمیں کہیں بھی یہ سبق نہیں ملتا کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہتے ہیں اور آج کل جو کچھ ہو رہا ہے، یہ بھی انسان کا اپنا قصور ہے، یہ مہنگائی بھی انسان کی اپنی بڑھائی ہوئی ہے، اگر ہمیں ان مسائل سے جان چھڑوانی ہے تو ہمیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنا ہوگا، جیسا کہ آپ نے کہا کہ اسد کی نئی گاڑی کی فرمائش یا دوسرے، بچوں کی خواہشات دیکھیں، اگر آپ نے شروع سے ہی انہیں اسلامی طور طریقوں پر چلایا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا، بچوں کو ٹی وی جیسی بیماری سے بچا کر اور جو وقت وہ وہاں برباد کرتے ہیں، انہیں صحابہ کرامؓ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات سنا کر ان کی ذہن سازی کی جائے تو کبھی بھی ہمیں ان مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔" آمنہ پر شاید عاصم کی باتوں کا اثر تھا کہ اس کی آنکھوں سے ندامت کے آنسو گرنے لگے۔

"معذرت آپی میں نے آپ کو پریشان کیا، مگر یہ باتیں آپ کو بتانا بھی میرا فرض تھا۔"

"اور دیکھیں نا، پھر تقریر کرنا بھی تو ہم مولویوں کا کام ہے۔" عاصم نے شرارت سے کہا تو آمنہ مسکرادی۔

"کافی دیر ہوگئی ہے، اب میرے خیال میں سو جانا چاہیے۔" عائشہ نے کہا۔

"جی، بالکل باتوں میں تو ٹائم کا پتہ ہی نہیں چلا۔" عاصم بولا اور سب اپنے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے۔

بستر پر لیٹتے ہوئے آمنہ سوچ رہی تھی کہ "اب واپس جا کر اسے کس طرح اپنے بکھیرے ہوئے آشیانے کو سمٹنا ہے اور وہ یہ کیوں بھول گئی کہ بچوں کے لئے ماں کی گود پہلی درس گاہ ہے اور اس نے کیوں اپنے گھر کو بکھرنے دیا۔"

اب وہ نئی سوچ اور نئے عزم سے واپسی کا سوچ رہی تھی۔

کاش یہ دولت سب کچھ نہ ہوتی

پروین بنت خلیل احمد



غربت کے مارے پریشان نوجوان کی بپتا، معاشرے کے اصلی روپ کی عکاسی کرتی ایک دل دہلادینے والی تحریر

غربت کیا ہے، غریب ہی جانے، امیر کو غریب سے یہ مطلب، والدین اولاد کا سرمایہ ہیں، وہی ان کی اچھی طرح سے تربیت کرتے ہیں، برے کاموں سے روکتے اور صحیح سمت میں لے جاتے ہیں۔

عمر اور رقیہ بھی ایک اچھے والدین ثابت ہوئے لیکن عمر کے انتقال کے بعد رقیہ بیگم نے اپنے بچوں کی تربیت دوسرے گھروں میں کام کرتے ہوئے کی لیکن ان کے بیٹے کی غلطی نے انہیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ چلیے ہم آپ کو رقیہ بیگم کی دکھ بھری داستان سناتے ہیں۔ ہوا یہ کہ رقیہ بیگم کی بیٹی ثناء ایک دن اسکول سے واپس آئی تو مسلسل

روئے جارہی تھی۔ ثناء کو روتے دیکھ کر رقیہ بیگم جو کہ اس کی ماں تھیں، نے فوراً گھبرا کر پوچھا:

''کیا ہوا میری چندا، کیوں رو رہی ہو؟''

ثناء نے اپنی ماں کو پیش آنے والے واقعے سے آگاہ اس انداز سے کیا:

روتے ہوئے ماں کو بتاتی ہے کہ ''ماں میری کلاس میں عیشاء نام کی لڑکی ہے، وہ کہہ رہی تھی کہ میرے بابا جانی، میرے لئے لاہور سے گڑیا لائے ہیں، ہمارے پاس بڑی کار ہے، میری ماما ہم کو ہر جگہ گھماتی ہیں اور ہمارے پاس بہت سارے پیسے ہیں، وہ بتا رہی تھی کہ میری ماما کہتی ہیں کہ ہم پیسے سے کچھ بھی خرید سکتے ہیں اور مجھ سے سے کہہ رہی تھی کہ تمہارے پاس یہ کچھ سب ہے؟'' اس دوران ثناء رکی اور ایک بار پھر روتے ہوئے اپنی ماں سے کہا:

''ماں، کیا پیسہ سب کچھ ہوتا ہے؟ ماں اگر میرے ابو زندہ ہوتے تو وہ مجھے بھی گڑیا لا کر دیتے اور ہمارے پاس بھی گاڑی ہوتی۔'' ثنا کی یہ بات سن کر اس کی ماں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

☆......☆......☆

ثناء کے والد ''عمر'' کا گھر کسی چھوٹے گاؤں میں تھا لیکن انہیں غربت نے شہر جانے پر مجبور کیا، ان کے دو بچے تھے، بڑا بیٹا سنی اور چھوٹی بیٹی ثناء...... شہر آنے کے بعد عمر نے نوکری تلاش کی، عمر کو نوکری ایک دکان پر مل گئی، کہتے ہیں کہ آج کی مہنگائی نے غریبوں کا یہ حال کر دیا ہے کہ ''ایک وقت کھانے کو ملتا ہے اور ایک وقت نہیں''، جس دکان پر عمر کو نوکری ملی، اس کا مالک سیٹھ فاروق نامی شخص تھا، وہ عمر سے دن رات کام لیتا۔

ایک دن سیٹھ فاروق نے عمر سے کہا: ''عمر جلدی کام کر، کیا تیرے ہاتھ میں دم نہیں ہے، اتنی دیر لگا رہا ہے۔'' سیٹھ فاروق کے ظلم کے باوجود عمر نے اپنی نوکری جاری رکھی۔

دن یوں ہی گزر رہے تھے کہ اچانک ایک دن ثنا کی والدہ رقیہ بیگم کا دل بہت گھبرا رہا تھا، نہ جانے کون سی بات اس کو بے چین کر رہی تھی، ان ہی باتوں کی سوچ میں وہ گم تھی کہ اس کے بیٹے سنی نے اسے آواز دی۔

''ماں!'' سنی کی آواز پر وہ چونکی۔

''کیا ہوا سنی بیٹا؟''

سنی نے کہا: ''ماں! ثناء کو بہت تیز بخار ہو رہا ہے۔''

یہ سنتا تھا کہ رقیہ گھبرا کر کمرے میں آئی اور ثناء کے ماتھے پر ہاتھ لگا کر دیکھا تو وہ بہت تیز بخار میں جل رہی تھی۔

روقیہ نے اپنے بیٹے سنی سے کہا: ''جا سنی، اپنے ابو کے پاس جلدی سے جلد جا اور کہہ کہ وہ جلدی گھر آ جائیں۔''

ماں کے کہنے پر اسی وقت سنی بھاگتا ہوا اپنے ابو کی دکان پر پہنچا اور ساری صورتحال سے انہیں آگاہ کیا، جس پر سنی کے والد عمر نے اپنے بیٹے سے کہا کہ ''دو منٹ صبر کرو، ابھی سیٹھ صاحب سے پوچھ کر آتا ہوں۔''

عمر سیٹھ فاروق کے پاس گیا اور کہا۔

''سیٹھ صاحب، میری بچی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، آپ مجھے جلدی چھٹی دے دیں۔''

لیکن سیٹھ فاروق نے عمر کو یہ کہتے ہوئے منع کر دیا کہ ایک تو اتنی دیر سے کام کرتے ہو اور چھٹی بھی جلدی مانگتے ہو اور جو اتنا سارا کام ہے، وہ کون کرے گا، جاؤ جا کر جلدی سے کام کرو، پھر جانا، کام نہیں کرو گے تو بچہ تمہاری تنخواہ کم دوں گا۔

سیٹھ فاروق کے منع کرنے پر عمر نے اپنے بیٹے سنی کو کہا کہ ''جاؤ بیٹا، اپنی امی سے کہو کہ آپ ثناء کو لے کر ڈاکٹر کے پاس چلی جاؤ، میں کام ختم کر کے آتا ہوں۔''

سنی باپ کا جواب سن کر فوراً گھر کی طرف لوٹ گیا۔

☆......☆......☆

سیٹھ فاروق کو پیسے کا بہت غرور تھا، وہ پیسے کو ہی سب کچھ سمجھتا تھا اور تنخواہ بھی اتنی کم دیتا، اس نے ہر مزدور کی تنخواہ روز کے دو سو روپے مقرر کی ہوئی تھی۔

عمر جلدی جلدی کام ختم کر کے سیٹھ فاروق کے پاس

گیا اور کہا کہ ''سیٹھ صاحب سارا کام ختم ہو گیا ہے، مغرب کی اذان کا وقت بھی ہونے والا ہے، اب میں جاؤں۔''

سیٹھ فاروق نے عمر کے کہنے پر یہ کہتے ہوئے اجازت دی کہ ''ہاں تو جاؤ، میں نے کب منع کیا ہے۔''

عمر فوراً سیٹھ صاحب کو سلام کر کے گھر کے لئے چل دیا، جب وہ گھر جا رہا تھا تو راستے میں اس کا دوست قاسم مل گیا، عمر نے قاسم کو سلام کیا اور حال احوال پوچھا۔

قاسم نے کہا: ''ہم تو ٹھیک ہیں، آپ سناؤ۔''

عمر نے کہا: ''اللہ کا کرم ہے۔''

ابھی دونوں باتوں میں مصروف تھے کہ اچانک اذان کی آواز آ گئی، جس پر عمر خاموش ہو کر ایک جگہ پر بیٹھ گیا، قاسم اس کو دیکھ کر پریشان ہوا کہ وہ ابھی تو ٹھیک تھا، اچانک اسے کیا ہو گیا، اذان کے ختم ہو جانے کے بعد قاسم نے عمر سے کہا:

''تمہیں کیا ہو گیا تھا۔''

عمر نے مسکرا کر کہا: ''کچھ نہیں، بس اذان کا جواب دے رہا تھا۔''

قاسم یہ سن کر حیران ہوا کہ ''اذان کا جواب؟''

عمر نے اذان کی آواز بند ہونے کے بعد قاسم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''ہاں، اذان کا جواب دینا واجب ہے اور تمہیں پتہ ہے واجب کا درجہ فرض کے قریب ہے۔''

عمر نے یہ بھی بتایا کہ ''قاسم تمہیں پتہ ہے کہ ایک اذان کا جواب دینے پر ہر لفظ پر پانچ سو نیکیاں ملتی ہیں، اگر پوری اذان کا جواب دیں تو اس حساب سے 2640000 نیکیاں ملتی ہیں، مگر افسوس ہے مسلمان پر کہ بیٹھے بیٹھائے نیکیاں ملتی ہیں، پھر بھی عمل نہیں کرتے ہیں، افسوس ہوتا ہے، آج کل خواتین کو دیکھ کر، اذان ہو رہی ہے اور سر پر دوپٹہ نہیں ہوتا، ٹی وی چل رہا ہے، کچھ ہوش تک نہیں ہے کہ اذان ہو رہی ہے، آج کل کے مسلمان ایسے ہو گئے ہیں کہ اذان ہوتی ہے اور گھر میں چلے آتے ہیں، ٹی وی دیکھتے رہتے ہیں دس گھنٹے، مگر افسوس پندرہ بیس منٹ نماز کو نہیں دیتے، جب نماز کا کہتے ہیں کہ نماز پڑھ لو تو کہتے ہیں کہ دل نہیں چاہ رہا ہے، دل کیوں نہیں چاہ رہا ہے، کیونکہ ہم نے دل میں ٹی وی کو بسا رکھا ہے، دنیا کی محبت کو بسا رکھا ہے، آج تو یہ حال ہو گیا ہے کہ اس نے ایسے کپڑے پہن رکھے تھے، ہم بھی ایسے کپڑے پہننے کی حسرت کرتے ہیں، یہ حسرت کیوں نہیں کرتے کہ آج اس نے نماز پڑھی ہے، آج اس نے قرآن پاک پڑھا ہے، آج ہم بھی نماز پڑھیں گے، قرآن پاک پڑھیں گے، آج کل مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے۔''

عمر کے چپ ہونے پر قاسم فوراً بولا:

''عمر تم صحیح کہہ رہے ہو، آج سے میں بھی اذان کا جواب دوں گا۔''

قاسم کے کہنے پر عمر نے کہا: ''ان شاء اللہ''۔

پھر دونوں نماز کے لئے مسجد چل دیئے۔

نماز سے فارغ ہو کر عمر گھر آیا تو رقیہ بیگم نماز پڑھ کر قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ رقیہ بیگم ان چیزوں سے فارغ ہوئیں تو عمر نے پوچھا: ''اب کیسی طبیعت ہے ثناء کی؟''

رقیہ بیگم نے کہا۔ ''اب کافی بہتر ہے، سو رہی ہے۔''

''سنی بیٹا، آپ کے ابو آ گئے ہیں، جلدی پانی لے کر آؤ۔'' رقیہ بیگم نے سنی کو پکارتے ہوئے کہا۔

سنی پانی لے کر آیا، پانی دے کر سلام کیا اور واپس اندر چلا گیا۔

رقیہ بیگم نے کہا۔ ''آپ ہاتھ منہ دھو لیں، میں کھانا لگاتی ہوں۔''

عمر بولا۔ ''اچھا۔''

پھر سب نے کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کیا، اتنے میں ثناء بھی سو کر اٹھ گئی، ابو ثناء کے پاس گئے اور پوچھا۔

''اب کیسی طبیعت ہے میری بٹیا کی؟''

''اب بہتر ہے ابو'' ثناء نے جوب دیا۔

پھر عمر اور رقیہ بیگم باتوں میں مصروف ہوگئے، اتنے میں عشاء کی اذان ہوگئی، اذان کے بعد عمر اور سنی نماز کے لئے مسجد چلے گئے، ثناء نے بھی ماں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"امی اب ہم بھی نماز پڑھ لیتے ہیں۔"

اس کی ماں بولی۔

"بیٹا آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

جس پر ثنا بولی: "نہیں امی جی، میں بالکل ٹھیک ہوں۔" ثناء تھی تو چھوٹی لیکن بہت سمجھ دار اور ذہین لڑکی تھی۔ امی سے کہنے لگی:

"ماں، آپ نے کہا تھا نا کہ کچھ بھی ہوجائے، نماز نہیں چھوڑنی اور نماز چھوڑنے کا کتنا عذاب ہے اور ماں ہماری باجی جان بھی فرماتی ہیں کہ نماز چھوڑنا نہیں چاہئے کچھ بھی ہوجائے۔"

ماں نے بیٹی کی یہ بات سن کر بولی۔

"چلو اچھا، تم بھی نماز پڑھ لو۔"

☆......☆......☆

صبح سے رقیہ بیگم کا دل گھبرا رہا تھا، برے برے خیال اس کے دل میں آرہے تھے، پھر دونوں ماں بیٹی نماز کے لئے کھڑی ہوگئیں، سنی اور اس کے ابو نماز پڑھنے مسجد چلے گئے، آتے ہوئے تیز رفتار بس نے عمر کو کچل کر رکھ دیا، سنی ابھی آئس کریم لے کر آرہا تھا کہ راستے میں رش دیکھ کر فوراً اس طرف چلا آیا، اچانک اس کی نظر اپنے ابو پر پڑی تو اس کے ہوش وحواس اڑ گئے کہ ابو خون میں بھرے پڑے ہیں، جس پر اس نے کہا: "ابو کیا ہوا، ابو اٹھو، ابو جواب دو۔"

وہاں کھڑے لوگوں نے سنی کو سمجھتے ہوئے کہا: "کچھ نہیں ہوا آپ کے ابو کو، ابھی ہم اسپتال لے کر چلتے ہیں۔"

اسی دوران ایمبولینس آئی اور عمر کو اس میں ڈال کر اسپتال منتقل کردیا گیا۔

☆......☆......☆

رقیہ بیگم اور ثناء نے نماز بھی پڑھ لی، کام بھی کرلیا، پھر بھی سنی اور عمر نہیں آئے۔ رقیہ بیگم نے خیال آتے ہی بیٹی سے کہا: "ثنا اتنی دیر ہوگئی، ابھی تک آپ کے ابو اور سنی نہیں آئے ہیں۔"

ثنا نے کہا: "ہاں ماں، آج تو بہت دیر ہوگئی ہے، کبھی اتنی دیر نہیں ہوتی ہے۔"

انتظار انتظار کرتے گیارہ بج گئے، رقیہ بیگم کا دل گھبرانے لگا۔

"آج تک اتنی دیر نہیں ہوئی، آج کیسے ہوگئی ہے، یا اللہ خیر کرنا، میرا تو دل بیٹھا جارہا ہے۔"

ثناء جلدی سے پانی لائی اور ماں کو دیتے ہوئے کہا: "ماں پانی پیو، کچھ نہیں ہوگا، کسی کام میں لگے ہوئے ہوں گے۔"

اتنے میں سنی بھاگتا ہوا آیا اور کہنے لگا۔

"ماں وہ ابو......وہ ابو......؟"

"کچھ تو بول سنی، کیا ہوا ہے تمہارے ابو کو......؟"

"وہ ابو......؟"

سنی کی آواز اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی، اس کی ماں نے کہا: "جلدی بول، میرا دل بیٹھا جارہا ہے۔"

"وہ ماں، ابو کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور ابو اسپتال میں ہیں۔"

"کیا؟؟؟" اس کی ماں زور سے چیخی۔

ثناء نے کہا: "نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا، ابھی تو ابو ٹھیک تھے۔"

ابھی ثناء بول ہی رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی، سنی نے دروازہ کھولا تو سامنے ابو کی لاش دیکھ کر اس کے ہوش وحواس اُڑ گئے، اتنے میں ثنا بھی آگئی، ثناء کی نظر جیسے ہی دروازے پر پڑی تو اس کی بھی چیخ نکل گئی اور وہ دھاڑے مار مار کر رونے لگی

جب ثناء نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو رقیہ بیگم بیہوش پڑی ہوئی تھیں، ثناء روتے ہوئے اپنی ماں کے پاس گئی اور روتے ہوئے کہا: "ماں اٹھو، ماں اٹھو نا، دیکھو ابو ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔" ثناء کی ہچکی بن گئی۔

سنی نے روتے ہوئے کہا: "ثناء ماں کو اٹھاؤ نا۔"

ثناء نے اپنی ماں کے چہرے پر پانی چھڑکا، ایک دم رقیہ بیگم ہوش میں آگئیں اور پاگلوں کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگی، آس پڑوس کی خواتین اور اہل محلہ جمع ہوگئے اور رقیہ بیگم کو تسلی دینے لگی:

"صبر کر بہن، خدا کو یہی منظور تھا۔"

ثناء اور سنی روتے ہوئے اپنی ماں کے پاس آئے اور کہا:

"کیا امی ابو ہمیں چھوڑ کر چل گئے، اب کیا ہوگا، ہمارا اب کون ہے، ہماری ضرورت کون پوری کرے گا۔"

ثناء نے کہا: "جواب دو ماں، جواب کیوں نہیں دیتی ہو۔"

اس کی ماں اپنے شوہر کی میت کے پاس گئی اور روتے ہوئے کہا: "کیوں چھوڑ کر چلے گئے، ہمارا اب کون ہے ہمارا ساتھ دینے والا، یہ تو ظالم دنیا ہے، یہ ظالم دنیا کیا دے گی ہمیں۔"

اس کی ہچکی بن گئی اور بے ہوش ہوگئی، ثناء اور سنی روتے رہے، اسی دوران ایک آدمی آیا اور کہا: "بہت دیر ہوگئی ہے میت کو، اب لے جانا چاہئے۔"

جب ثناء اور سنی نے یہ سنا تو کہا: "نہیں، ہم اپنے ابو کو کہیں نہیں جانے دیں گے۔" اتنے میں رقیہ بیگم بھی ہوش میں آگئیں۔

ثناء، سنی نے کہا: "ماں یہ دیکھو نا کہ سب کہہ رہے ہیں کہ ابو کو ہم لے کر جارہے ہیں، ماں ان کو کہو نا کہ ابو کو نہ لے کر جائیے۔"

مگر رقیہ بیگم خاموش تھیں، سب آدمی گھر پر آگئے اور کہا: "اب لے کر چلو۔"

رقیہ بیگم سکتے کی حالت میں بیٹھی ہوئی تھیں، نہ کچھ بول رہی تھیں اور نہ رو رہی تھیں، بس ایک جگہ خاموش تھیں۔

ثناء، سنی نے کہا: "کہاں لے کر جارہے ہو ابو کو، ہم ابو کے بغیر نہیں رہ سکتے، ماں کہو نا۔"

سب نے کہا: "جلدی اٹھاؤ۔"

"نہیں۔" سنی میت کے سامنے آگیا۔

"نہیں، میں نہیں جانے دوں گا۔"

سب نے کہا: "بیٹا ایسے نہیں کہتے، یہ تو اللہ کی امانت ہے، بس اللہ نے لے لی ہے۔"

ثناء نے کہا: "ابو ہمیں چھوڑ کر نہیں جاؤ، ابو ہم آپ کے بغیر نہیں رہ سکتے۔" ثناء روتی رہ گئی اور اس کے ابو ہمیشہ کے لئے انہیں چھوڑ کر چلے گئے۔

باپ کی وفات کے بعد ثناء اتنا روئی کہ لگتا تھا کہ آنسو نہیں، بلکہ آنسوؤں کا سمندر بہہ رہا ہے، جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا، اس طرح ان کی زندگی گزرتی رہی، آج عمر کے انتقال کو پورے 5 سال ہوگئے تھے۔

ایک دن رقیہ بیگم نے ثناء کو سمجھاتے ہوئے کہا: "بیٹا کیا ہوا آپ کے ابو نہیں ہے تو آپ کی ابو کی یادیں تو ہیں۔"

اتنے میں سنی بھی اسکول سے آگیا، سنی نے ماں کو سلام کیا اور ثناء سے مذاق کرنے لگا، اسی طرح دن گزرتے گئے، ثناء پندرہ سال کی اور سنی پورے 16 سال کا ہوگیا تھا۔

آج جب رقیہ بیگم کام کرکے آئیں تو ثناء نے کہا: "آپ کب تک لوگوں کے برتن دھوتی رہوگی، آخر ماں آپ مجھے کوئی کام کیوں نہیں کرنے دیتی ہو۔"

"نہیں ثناء، آج کے بعد پھر کبھی ایسا مت کہنا، بیٹی تو گھر کی عزت ہوتی ہے، نہ کہ زحمت۔" ثناء کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"ماں اگر ابو ہوتے تو یہ دن نہیں دیکھنے پڑتے۔"

رقیہ بیگم نے کہا: "نہیں ثناء، ایسے نہیں بولتے، شاید یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے، اللہ کسی کو دے کر آزماتا ہے، تو کسی سے لے کر، ہمیں اللہ کا ہر حال میں شکر ادا کرنا چاہئے، اچھا بہت ہوگئی باتیں، چلو اب نماز پڑھتے ہیں۔"

ثناء اور رقیہ بیگم نماز پڑھ کر اٹھی تھیں کہ سنی آگیا، آج

سنی پھر سے ناامید آیا تھا، ثناء، بھائی کے لئے پانی لے کر آئی اور کہا: ''کیا ہوا بھائی۔''

سنی نے پانی پی کر کہا: ''ہوتا کیا ثناء، یہ ظالم دنیا ہے، یہ غریب لوگوں کو جینے نہیں دیتی۔''

اس کی ماں نے کہا: ''کیا ہوا بیٹا، ایسا کیوں بول رہے ہو۔''

''ماں کیا غریب ہونا ظلم ہے، کیا غریب کی کوئی خوشیاں نہیں ہوتی، کیا صرف امیروں کے لئے ہی خوشیاں ہیں، ہم جیسے غریب کے لئے صرف دکھ اور غم ہے۔'' سنی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ماں نے کہا: ''سنی تم اس طرح کیوں بول رہے ہو۔''

''ماں آج میں دس جگہ ہو کر آیا ہوں نوکری کی تلاش کے لئے، جہاں بھی جاتا ہوں، وہ لوگ کہتے ہیں کہ اتنی آسانی سے نوکری نہیں ملتی، کچھ دینا پڑتا ہے۔''

سنی نے اپنی ماں کو سارا قصہ یہ بیان کیا کہ ''میں نوکری کے لئے ایک جگہ گیا، وہاں رشوت لے کر نوکری دی جاتی ہے۔ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا کہ نوکری کے لئے پیسے خرچ کرنے پڑیں گے۔ اس کی بات سمجھ نہ سکا اور میں نے اس شخص کو کہا کہ میں سمجھا نہیں، اس نے کہا، کیا تم دس بیس ہزار روپے دے سکتے ہو، دوسرے نے کہا، اور ویسے بھی تمہیں دیکھ کر تو ایسا ہی لگتا ہے کہ تم نوکری نہیں، ٹھیلا چلانے کے قابل ہو، جتنی اوقات ہو، اتنی بات کرنا چاہئے، جاؤ، میرا ٹائم خراب نہیں کرو۔''

سنی نے کہا: ''ماں کیا غریبوں کے سینے میں دل نہیں ہوتا، کیا وہ خوشی کے حقدار نہیں ہوتے، کیا ان کی قسمت میں دربدر کی ٹھوکر لکھی ہے، ماں شاعر نے بھی کیا خوب کہا ہے۔''

اب کون کسی کا ہوتا ہے سب جھوٹے رشتے ناتے ہیں
اخلاق سے خالی ہے دنیا لفظوں کے تیر چلاتے ہیں

ماں نے کہا: ''اچھا چھوڑو ان باتوں کو، جا کر منہ ہاتھ دھولو، میں آپ کے لئے کھانا لگاتی ہوں، آپ کو آلو کے پراٹھے پسند ہیں نا، آپ کے لئے وہ بنائے ہیں۔''

پھر سب نے کھانا کھایا اور اللہ کا شکر ادا کیا، عشاء کی نماز کے بعد سنی سونے کے لئے چارپائی پر لیٹا اور سوچوں کی دنیا میں چلا گیا: ''آخر ماں کب تک کام کرتی رہے گی اور میں کب تک ایسے بیٹھا رہوں گا، آخر مجھ کو بھی تو کچھ کرنا چاہئے۔'' سوچتے ہوئے نہ جانے کب اس کو نیند آ گئی، جب صبح ہوئی تو ثناء نے کہا:

''بھائی اٹھ جاؤ، فجر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔''

سنی اٹھا اور فجر کی نماز کے لئے مسجد چلا گیا، وقت تیزی کے ساتھ گزر رہا تھا۔

. آج رقیہ بیگم کو بہت بخار ہو رہا تھا، ثناء، سنی نے کہا:

''مت جاؤ ماں، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''نہیں بیٹا، اگر میں ہی ہمت ہار جاؤں گی تو گھر کیسے چلے گا۔''

سنی نے کہا: ''نہیں ماں، آپ نہیں جاؤ گی آج۔''

رقیہ بیگم نے ہار مانتے ہوئے کہا: ''اچھا بابا، نہیں جا رہی بس۔''

ماں کے ماننے پر سنی باہر چلا گیا، چلتے چلتے وہ اتنی دور چلا گیا کہ اسے پتہ ہی نہیں، اچانک ایک آدمی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو پتہ چلا کہ وہ کہاں ہے، کندھے پر ہاتھ رکھنے پر سنی نے مڑ کر دیکھا تو ایک آدمی نے کہا: ''کیا ہوا بھائی، اتنے پریشان کیوں ہو۔''

اس کا دل پر بوجھ ویسے بھی تھا، سنی نے ساری بات اس کو بتا دی اور اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

اس نے کہا: میرا نام شیر خان ہے اور میں آپ کو اپنے سیٹھ کے پاس لے کر چلتا ہوں، وہ آپ کی مدد ضرور کریں گے، ''ویسے آپ کا نام کیا ہے؟''

''میرا نام سنی ہے۔''

اس نے کہا: ''اچھا، چلو میرے ساتھ۔'' سنی اس کے ساتھ چل دیا۔

''سیٹھ یہ سنی ہے اور اس کو کام کی تلاش ہے۔''

سیٹھ نے کہا: ''جو کام بولوں گا، وہ تم کرو گے، منظور ہے تو بولو۔''

سنی نے کہا: ''ہاں میں وہی کام کروں گا۔''

سنی نے کہا: ''ویسے کام کیا ہے؟''

سیٹھ نے کہا: ''ہم غیر قانونی کام کرتے ہیں۔''

سنی نے کہا: ''کیا؟ غیر قانونی کام؟''

سیٹھ نے کہا: ''ہاں، یہ کام ہے، تمہیں ویسے بھی نوکری اتنی آسانی سے نہیں ملے گی۔''

شیر خان نے کہا: ''ہاں سیٹھ، سنی نے بتایا کہ اسے نوکری نہیں ملتی، اس کی ماں کام کرتی ہے۔''

سیٹھ نے کہا: ''ہاں، تمہاری ماں کب تک کام کرتی رہے گی، سوچ لو، اگر منع کر دو گے تو ساری زندگی نوکری کی تلاش میں گھومتے پھیرو گے۔''

سنی نے کہا: ''نہیں، میں کام کروں گا، کب سے کام کروں۔''

سنی نے کہا تو وقار نے مسکرا کر کہا: ''آج سے ہی کرو کام۔''

سنی نے کہا: ''مگر پیسے کتنے ملیں گے۔''

''سیٹھ نے کہا: 15000 ہزار روپے۔''

سنی نے کہا: ''کیا؟''

سیٹھ نے اس کو 15000 ہزار روپے دیئے اور کہا: ''آج سے نہیں، کل سے آنا، جاؤ جا کر اپنی ماں کو کہو کہ مجھے نوکری مل گئی ہے۔''

سنی بہت خوش تھا، خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا، گھر آ کر کہا: ''ماں جلدی آؤ۔''

ماں نے کہا: ''کیا ہوا سنی؟''

''ماں مجھے نوکری مل گئی ہے اور ماں، آپ کو پتہ ہے تنخواہ 15000 ہزار روپے ہے، یہ لو ماں پیسے، اب آپ کام نہیں کرو گی۔''

ماں اتنے پیسے دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

''سنی تم کوئی غلط کام تو نہیں کر رہے ہو نا؟''

''نہیں ماں، میں کیوں غلط کام کروں گا۔''

سنی نے بات ٹالی: ''اب میری ماں کام نہیں کرے گی۔''

ثناء کو آتا دیکھ کر سنی نے کہا: ''ماں اب ہم ثناء کی شادی بھی کر دیں گے۔''

ثناء نے کہا: ''جی نہیں، میں اپنی ماں بھائی کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔''

صبح سنی کچھ سوچنے میں مصروف تھا کہ ثناء کب آئی، اس کو پتہ ہی نہیں چلا۔

ثناء نے کہا: ''بھائی بھائی......''

سنی نے چونک کر کہا: ''ہاں!''

ثناء نے کہا: ''بھائی کہاں کھو گئے تھے۔''

سنی نے کہا: ''کہیں نہیں۔''

ثناء نے کہا: ''بھائی ناشتہ کر لو۔''

سنی نے ناشتہ کر کے رقیہ بیگم کو سلام کیا اور کام کے لئے چلا گیا۔

شیر خان نے کہا: ''سیٹھ جی سنی آ گیا۔''

سیٹھ نے شیرو کو پستول دی اور کہا: ''اس کو دے دو۔''

سنی نے کہا: ''یہ کیا ہے؟''

اس نے کہا: ''یہ ہی تو ہے پیسے کمانے کا ذریعہ۔''

سنی نے کہا: ''میں سمجھا نہیں۔''

شیر خان نے کہا: ''میرے ساتھ چلو، میں بتاتا ہوں۔''

سنی اس کے ساتھ چل دیا، شیر خان نے ایک آدمی کے سر پر پستول رکھا اور کہا: ''جو کچھ بھی ہے، جلدی نکال دو، ورنہ جان سے جاؤ گے۔'' اس آدمی نے سارے پیسے، گھڑی، موبائل وغیرہ سب کچھ دے دیا، شیر خان نے جلدی سارا سامان لے کر موٹر سائیکل چلا کر چلا گیا۔

سنی نے کہا: ''یہ کیا کیا ہے۔''

شیر خان نے کہا: ''یہ تو ہے کام۔''

''مگر یہ تو غلط کام ہے، یہ غلط کام نہیں ہے، ان ہی لوگوں کی وجہ سے ہم ایسے ہوئے ہیں۔''

سنی کو پہلے بہت عجیب لگا، پھر اس کی بھی عادت ہو گئی، جب سنی گھر جاتا تو اس کی ماں کہتی کہ بیٹا تو کوئی

غلط کام تو نہیں کرتا، جس سے آپ کے ابو کا نام خراب ہو، سنی بات ٹال دیتا، اب وہ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں چوری کرتا ہوں۔ سنی سوچوں کی دنیا میں گم ہو گیا۔

''ماں نے کہا: ''کیا ہوا سنی۔''

سنی نے کہا: ''کچھ نہیں۔''

ماں نے کہا: ''بیٹا اب ثناء کی بھی شادی کی عمر ہو گئی ہے۔''

سنی نے کہا: ''ماں آپ ہی دیکھ لو۔''

''ہاں بیٹا، میں دیکھ رہی ہوں۔''

سنی پہلے تو صرف پستول دیکھا کرتا تھا، لیکن اب تو وہ قتل بھی کرنے لگا تھا، اس کی غربت نے اس کو چور، قاتل بننے پر مجبور کر دیا تھا، آج جب سنی گھر پر آیا تو بہت پریشان تھا، جب ثناء پانی لے کر آئی تو اس کو اس قدر پریشان دیکھ کر کہا: ''کیا ہوا بھائی؟''

سنی نے کہا: ''کچھ نہیں۔''

پھر وہ پانی پینے لگا تو دروازے پر دستک ہوئی، سنی ایک دم چونک گیا، ماں نے کہا: ''جا بیٹا، دیکھ کون ہے۔''

سنی نے ڈر ڈر کر جب دروازے پر گیا تو سامنے پولیس کھڑی تھی۔

پولیس نے کہا: ''تمہارا نام سنی ہے۔''

اس نے کہا: ''ہاں!''

پولیس نے کہا: ''یو آر انڈر ریسٹ!''

سنی کی ماں نے کہا: ''کیوں، کس جرم میں۔''

پولیس نے کہا: ''آپ کا بیٹا قاتل ہے۔''

''نہیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، میرے بیٹے نے تو آج تک کسی جانور کو نہیں مارا، انسان کو کیا قتل کرے گا۔''

پولیس نے کہا: ''اپنے بیٹے سے پوچھو کہ اس نے قتل کیا ہے۔''

ماں نے کہا: ''سنی بیٹا، بتا دے کہ تم نے یہ خون نہیں کیا، آپ تو ایک مچھر نہیں مار سکتے ہو تو انسان کو کیسے مارو گے۔''

لیکن، رقیہ بیگم کی یہ صفائی کسی کام نہ آئی اور پولیس سنی کو تھانے لے آئی، اس کی ماں بہن پر تو جیسے قیامت ٹوٹ گئی۔

اس کی ماں اور بہن، سنی کے پاس جیل میں ملاقات کے لئے گئیں تو ماں نے کہا: یہ کیا کر دیا سنی، جو آپ جیل میں ہو، کون سا کام کرتے تھے آپ سنی؟''

''ماں مجھے معاف کر دو، میں کیا کرتا، اس ظالم دنیا میں صرف دکھ، غم کے سوا اور کچھ نہیں ملتا ہے، ماں میں کیا کرتا، میں آپ کو اس طرح کام کرتے نہیں دیکھ سکتا تھا، جب آپ کام کر کے آتی تھیں تو میرا دل بہت روتا تھا، آپ کا سہارا ہوتے ہوئے بھی میں کچھ نہیں کر سکتا تھا، یہ ظالم دنیا ہے، ماں، پیسے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتی ہے میں کہاں نہیں گیا نوکری کے لئے، مگر مجھے نوکری نہیں ملی اس لئے نہیں ملی کہ میرے پاس پیسے نہیں تھے، میں غریب تھا ماں، کیا غریب ہونا ظلم ہے۔'' سنی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''مگر بیٹا، آپ کام کیا کرتے تھے؟''

سنی نے کہا: ''ماں میں چوری اور قتل کرتا تھا، مجھے معاف کر دو۔'' ماں کا یہ سننا تھا کہ چیخ نکل گئی۔

''بھائی آپ نے ایسا کیوں کیا، ابو بھی چھوڑ کر چلے گئے اور اب آپ بھی...... آپ نے ایسا کیوں کیا؟'' ثناء بلکتے ہوئے سنی سے پوچھ رہی تھی۔

سنی نے کہا: ''ثناء میں کیا کرتا، میں مجبور ہو گیا تھا، میں اس طرح نہیں دیکھ سکتا تھا۔''

اس کی ماں نے کہا: ''کیوں گیا آپ نے ایسا، اب ہمارا کیا ہو گا۔''

سنی نے کہا: ''مجھے معاف کر دو۔''

ایک پولیس والا آیا اور کہا: ''بی بی ملاقات کا وقت ختم ہو گیا ہے۔'' ثناء اور اس کی ماں روتے ہوئے چلی گئی۔

☆......☆......☆

نہ جانے کتنے سنی جیسے نوجوان غربت کی وجہ سے قاتل چور بن گئے ہوں گے، آج کل معاشرے میں یہ ہی ہو رہا ہے، غربت کی وجہ سے کوئی خودکشی کر رہا ہے تو کوئی چوری۔

☆......☆......☆

ماہ محرم

اخت محمد علی

خداوند کریم نے مسلمانوں کیلئے ایک دن یا دو دن یا مہینہ نہیں بلکہ ہر دن، ہر مہینے اور ہر سال پروردگار عالم نے کسی نہ کسی طریقے سے کریمی فرمائی۔

علمائے کرام نے لکھا ہے کہ جس دن آدم علیہ السلام کا پتلا تیار ہوا اور آپ کے اندر روح پھونکی گئی، اس دن محرم کی دسویں تاریخ تھی، نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کو جو نجات ملی وہ بھی محرم ہی کی دسویں تاریخ تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چیخا میں بچایا گیا تو وہ بھی محرم کی دسویں تاریخ تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی پر چڑھانے لگے تو اللہ پاک ان کو آسمان میں لے گئے اور وہ بھی دسویں محرم تھی اور شہید کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا گیا، یہ بھی محرم کی دسویں تاریخ تھی اور قیامت بھی محرم ہی کی دسویں تاریخ کو آئے گی، معلوم یہ ہوا کہ یہ مہینہ کوئی منحوس مہینہ نہیں، بے شمار لوگ اس مہینے کو اپنے ذہن میں اچھا نہیں جانتے، یہ عقیدے کی غلطی ہے اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ قیامت میں سوال کرے گا، کیوں ان مہینوں کو بنانے والا میں تھا یا تم تھے، کسی مہینے کو، کسی دن کو، کسی جگہ کو، منحوس جاننے کی کسی کو کوئی اجازت نہیں۔ کافی سارے لوگ، بلکہ سارے ہی اس مہینے میں شادیاں نہیں کرتے کہ یہ سوگ کا مہینہ ہے، اس مہینے میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے قربانی دی، پھر ذی الحجہ کے مہینے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اور ان کو کم و بیش 40 دن تک بھوکا پیاسا رکھ کر شہید کیا گیا اور ان کی شہادت کی گواہی تو قرآن دے گا، کیونکہ جب وہ شہید ہوئے تو قرآن پڑھ رہے تھے اور ان کے لہو کا پہلا قطرہ قرآن پر گرا تھا۔

پھر تو اس مہینے میں بھی شادیاں نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ ہر مہینہ ایسا نہیں جس میں کسی صحابی کی شہادت نہ ہوئی ہو، بلکہ میرا خیال ہے کہ یہ شادی والا قصہ ہی ختم کر دیں۔ مگر ایسا نہیں ہو سکتا، کیونکہ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اور جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں''

تو ایک مسلمان کیلئے نبیؐ کی سنت کی وجہ سے شادی کرنا ضروری ہے تو پھر اس مہینے، یعنی محرم الحرام میں بھی ہونی چاہئے، بقرعید کے مہینے تک تو خوب شادیاں

ہوتی ہیں اور جیسے ہی محرم الحرام کا چاند نظر آتا ہے، شادیاں ہونا ختم ہو جاتی ہیں، پھر محرم الحرام کے مہینے کے بعد شادیاں دوبارہ سے شروع ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ جب تک عقیدے کی اصلاح نہ ہو اس وقت تک کوئی بات ہی نہیں ہو سکتی، نظریات کی بنیاد صحیح رکھنی پڑے گی۔

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محرم الحرام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لوگ شہید ہوئے تھے، عزت واحترام کی وجہ سے اس میں خوشی کی تقریب نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ اس مہینے میں نواسہ رسول کو شہید کیا گیا، لیکن شہادت کا مرتبہ اتنا بلند مرتبہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کیلئے دعائیں مانگی ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے، جس کا مفہوم ہے:

''میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں شہید کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں'' اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ دعا مانگی ہیں، اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی شہادت کی تمنا کی ہیں جو صحابی شہید ہوتا تھا وہ کہتا تھا ''رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔''

جنت میں جانے کے بعد کوئی یہ نہیں چاہے گا کہ میں جنت سے نکالا جاؤں، لیکن شہید جنت میں جانے کے بعد بھی یہ تمنا کرے گا۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، جس کا مفہوم ہے:

شہید جب جنت میں چلا جائے گا اور جنت کی ہر نعمتیں اسے مل جائیں گی تو اللہ رب العزت اس سے پوچھے گا کہ اور کسی چیز کی تمنا ہو تو بتاؤ تو وہ کہے گا کہ مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے میں دوبارہ شہید ہونا چاہتا ہوں کیونکہ شہادت میں جو مزہ ہے وہ کسی چیز میں نہیں تو اس لذت کو حاصل کرنے کے لئے مجھے دوبارہ زندگی دے کر دنیا میں بھیج دو کہ میں دوبارہ تیرے راستے میں اپنی جان نچھاور کر دوں۔

شہادت تو اتنا عظیم مرتبہ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید فرقان حمید میں ہے، جس کا مفہوم ہے:

جو اللہ کے راستے میں شہید کیا جائے ان کو مردہ مت کہو، بلکہ وہ تو زندہ ہیں، لیکن تمہیں اس کا احساس نہیں اور اس دن یعنی 10 محرم الحرام کو روزے کی بہت فضیلت آئی ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں راستے بنا کر دیئے تھے اور وہ فرعون کے لشکر سے محفوظ ہو گئے تھے، اللہ رب العزت کے شکرانے کے طور پر انہوں نے یوم عاشورہ یعنی 10 محرم الحرام کا روزہ رکھا تھا، ہمارے لئے یہ زیادہ مناسب اور زیادہ بہتر ہے کہ ہم بھی روزہ رکھے اور جب رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے تو اس وقت یوم عاشورہ کا روزہ فرض تھا، اس کے بعد جب رمضان کے روزے فرض ہوئے اور یوم عاشورہ کا روزہ استحباب کے درجے میں ہو گیا (مستحب ہو گیا) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور یہودی بھی اس دن کا روزہ رکھتے تھے تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو اس یوم عاشورہ کے ساتھ ایک روزہ اور بھی ملاؤں گا، نویں تاریخ کا یا 11 تاریخ کا، اس ایک روزہ رکھنے سے یہودیوں کے ساتھ مشابہت ہو رہی تھی، اس وجہ سے آپ نے یہ فرمایا تھا، لیکن آئندہ سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے، آپ کی وفات ہو گئی۔

علما نے یہاں پر یہ بیان کیا ہے کہ اس حدیث کی رو سے ہمارے لئے یہ بہتر ہے کہ یوم عاشورہ کے ساتھ نویں تاریخ کا یا پھر 11 تاریخ کا روزہ رکھا جائے، تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت نہ پیدا ہو جائے اور روایت کے اندر آتا ہے، جس کا مفہوم ہے: جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ قیامت کے دن انہی کے ساتھ ہوگا۔ جو بھی ان کے طور طریقے

اختیار کرے گا، ان کی رسم ورواج اختیار کرے گا وہ قیامت کے دن ان کے ساتھ ہی ہوگا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہمیں یہود ونصاریٰ کی مشابہت اختیار نہیں کرنی، نہ قول میں نہ عمل میں اور نہ ہی کسی اور چیز میں، اگر ہم ان کی مشابہت اختیار کریں گے تو حدیث کی رو سے ہم قیامت کے دن ان کے ساتھ ہوں گے اور پھر ان کا جو حشر ہوگا وہی ہمارا بھی ہوگا، یوم عاشورہ والے دن جو چیز کرنے کی ہیں وہ ہم نہیں کرتے اور جو چیز نہیں کرنی مثلاً (شربت بنانا، حلیم بنانا، تعزیئے نکالنا، ماتم کرنا) یہ چیزیں ہم کرتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں بدعات میں سے ہیں۔ اور بدعات اس کو کہتے ہیں، دین میں کوئی نئی بات نکالنا اور پھر اس کو دین کا حصہ سمجھنا، ہم اگر چودہ سو سال پہلے سے آج تک کے حالات پڑھیں تو ہمیں معلوم ہو کہ اس واقعۂ کربلا کے بعد بھی کتنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب دنیا میں رہ گئے تھے پھر اس کے بعد کتنے محرم الحرام آئیں لیکن کبھی بھی کسی صحابی نے یا تابعی نے یا تبع تابعین نے شربت بنایا ہو یا تعزیئے نکالے ہو یا ماتم کیا ہو یا حلیمیں بنائی ہو یا چراغہ کیا ہو یا باجے بجائے ہوں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ وہاں کربلا کے میدان میں ان کو پانی تک نہیں مل رہا تھا، کم وبیش 10 دن سے بھوکے پیاسے تھے اور ہم یہاں پر ان کی یاد میں شربتیں بنا کر پئیں یا حلیمیں بنائیں تو یہ تو ان کا احترام نہیں ہوا بلکہ ہم بھی ان کی طرح روزہ رکھے تو پھر تو ان کے ساتھ انشاء اللہ ہمارا بھی حشر ہوگا۔ اور ہم ماتم کیوں منائیں، ماتم تو وہ مناتے ہیں جن کا کوئی مر جاتا ہے۔ واقعۂ کربلا میں جتنے صحابی وصحابیات شہید ہوئیں تو وہ تو قرآن مجید فرقان حمید کی آیت کی رو سے زندہ ہیں کیونکہ شہید بھی نہیں مرتا۔

ہم زندہ وجاوید کا ماتم نہیں کرتے

یہ سلسلہ تو قیامت تک چلتا رہے گا جس طرح

ابوالکلام آزاد کے اقوال

☆......شیر خوار ہے مگر غیروں کے لئے سانپ زہریلا ہے۔ مگر دوسروں کے لئے چیتا درندہ ہے۔ مگر اپنے سے کمتر جانوروں کے لئے۔ لیکن انسان...... دنیا کی اعلیٰ ترین مخلوق اپنے ہم جنسوں کا خون بہاتا ہے اور اپنے ہی ابنائے نوع کے لئے خونخوار درندہ ہے۔

☆...... انسان ذہن وجسم کی کتنی عظمتیں حاصل کرلے لیکن روح اور اخلاق کی ادنیٰ سے ادنیٰ پاکیزگی بھی حاصل نہیں کرسکتا۔ اگر اس کا اعتقاد اور عمل روحانی ہدایت کی روشنی سے محروم ہے۔

☆...... مسجد ہی فقط اللہ کا گھر نہیں، اس کے باہر ایک دوسری مسجد بھی ہے۔ اس سے بہت بڑی جس کا نام دنیا ہے۔ جس طرح چھوٹی سی مسجد میں آدمی ہر کام اور ایک ایک حرکت اللہ کے حکم کے مطابق انجام دیتا ہے۔ اسی طرح اس مسجد سے باہر بھی آدمی اپنے سارے معاملات اور تعلقات خدائی فرمان کے بموجب قائم رکھے تو یہی عبادت ہے۔

☆☆☆

ابھی دو سال پہلے ہی لال مسجد اور جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی مثال ہمارے سامنے ہیں۔ وہ بھی واقعۂ کربلا کی طرح پیش آیا، واقعۂ کربلا میں بھی حکومت کی سازش کی وجہ سے سب کچھ ہوا اور اسلام آباد میں لال مسجد اور جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا میں بھی جو کچھ ہوا وہ سب حکومت کی سازش کی وجہ سے ہوا، ہر دور میں ایسی کربلا آتی رہیں گی لیکن انشاء اللہ حق والے ہی جیتیں گے۔ کیونکہ بقول شاعر

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

☆☆☆

یوں میری توبہ قبول ہوگئی



اہلیہ عرفان اقبال میو

"السلام علیکم خدیجہ! پتہ ہے کل میں ثناء سے ملی، بس اتفاقاً ان کے محلے میں جانا ہوگیا اور مجھے اپنی بے خبری پر افسوس ہونے لگا کہ ہم لوگ ایک دوسرے کے حالوں سے کتنے بے خبر ہیں۔"

خدیجہ: "کیوں کیا ہوا کیسی ہے تمہاری دوست؟ ٹھیک تو ہے ناں؟"

عائشہ: "بس! کیا بتاؤں، دل بہت پریشان ہوئے جارہا ہے، وہ لڑکی جس کی شوخی و مزاح کے سب دیوانے تھے، اب وہ لڑکی تو پتہ نہیں کہاں جاسوئی ہے، اب تو وہ بس ایک اداس سا پھول ہے، جو ہنسے ہے نہ بولے۔"

خدیجہ: پھر بھی کچھ تو معلوم ہوا ہوگا کہ ایسا کیا ہوگیا، جو اس کی یہ حالت ہے؟"

عائشہ: "میں تمہیں کیا بتاؤں، میں تو میٹرک کے فوراً بعد مدرسے سے جڑ گئی اور وہ ان دنوں فارغ تھی، تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ ہماری کتنی دوستی تھی اسکول کے زمانے میں، میں تمہیں بھی اکثر بتاتی تھی کہ ہماری ثناء تو ہر روتے ہوئے کو ہنسنے پر مجبور کردیتی تھی، ہر کسی کے کام آنا، کسی کو مشکل میں، تکلیف میں دیکھ کر فوراً رو پڑتی تھی، کلاس میں بھی سب اس کے دیوانے تھے، اتنی کم عمری میں ہی اس کے اتنے رشتے آتے تھے...... بس تم دعا کرو، ہماری ثناء پھر سے ویسی ہو جائے۔"

خدیجہ: "چلو چل کر باجی جان سے مشورہ کرتے ہیں کہ کیا کرنا چاہئے اور پھر تم بھی پوری طرح معلوم کرکے بتانا کہ ثناء کے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔"

ابھی بات مکمل ہی ہوئی تھی کہ ریاض الصالحین کا پیریڈ شروع ہوگیا اور استاد صاحب تشریف لے آئے۔

عائشہ: "چلو! ٹھیک ہے ابھی تو ریاض الصالحین کے استاد آگئے ہیں۔"

پیریڈ ختم ہونے کے بعد دوسرے استاد آگئے اور پھر چھٹی کا وقت ہوگیا۔

خدیجہ: "عائشہ! آج ہم شام میں باجی کے گھر چل کر ان سے پورا مسئلہ بیان کریں گے، اس کے بعد ہی کوئی قدم اٹھائیں گے۔"

عائشہ: "صحیح میں انتظار کروں گی شام پانچ بجے۔"

تمام طالبات برقعے پہن کر باہر نکلنے لگیں۔ شام پانچ بجے خدیجہ عائشہ کے گھر میں موجود تھی، پھر وہ دونوں سعدیہ باجی کے گھر کی طرف چل پڑیں۔

ٹھک...... ٹھک...... ٹھک...... دروازہ بجا......

تیسری بار کھٹکھٹانے پر باجی جان نے دروازہ کھول دیا۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کیسی ہیں باجی جان؟"

"آپ لوگ سناؤ، کیا حال ہیں، آیئے بیٹھیے۔" باجی جان نے مسکراتے ہوئے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر سلام دعا اور دوسری گفتگو کے بعد ہم نے اصل بات کی طرف آنے کا ارادہ کیا، لیکن اب ہم دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں کہ کیسے بات شروع کریں، آخر کار میں نے ہی ہمت کر کے بولنا شروع کیا۔

"وہ باجی جان! دراصل آج ہم ایک مسئلہ لے کر آئے ہیں، میری ایک بہت ہی اچھی دوست ہے، بہت ہی ہنس مکھ، خوش شکل وخوش مزاج، میں تقریباً دو سال بعد اچانک اس سے ملی تو میں اسے دیکھ کر ہی حیران رہ گئی، وہ مجھے بہت اداس اور تنہا دکھائی دی، اس کی تمام شوخی ختم ہوچکی ہے، ہنسنا تو درکنار، وہ بات کرنا بھی بھول چکی ہے، اس کی والدہ بھی بہت پریشان ہیں، کل بھی اس کی والدہ رو رہی تھیں کہ یہ ہنستی نہیں ہے، بولتی بھی نہیں ہے، نہ کھاتی پیتی ہے۔"

باجی جان نے فکر مندی سے پوچھا: "تو ایسا کیا ہے، کیا تکلیف پہنچی ہے، آپ نے معلوم کرنے کی کوشش کی یا نہیں؟"

"باجی جان بہت پوچھا، لیکن اس کے تو آنسو بہتے ہیں صرف، آواز نہیں نکلتی ہے، بس سسکیاں لئے جاتی ہے، جانے کون سا غم ہے اسے جو اندر ہی اندر اسے دیمک کی طرح چاٹ رہا، آپ ہی بتایئے، اس کا حل کیا ہو۔"

یہ سن کر باجی جان بولیں: "ایسا کریں، کوشش کرکے کسی طرح انہیں اپنے ساتھ لے کر آئیں، شاید وہ خود کچھ بتادیں، کوئی مسئلے کا حل ہو؟"

عائشہ نے جواب دیا: ”ٹھیک ہے، میں کوشش کرکے اسے آپ کے پاس لے کرآؤں گی۔“

پھر ہم دونوں باجی جان سے اجازت لے کر گھر کی طرف چل پڑے اور پروگرام یہ طے پایا کہ میں کل جمعہ کے دن دوپہر میں ثناء کے گھر جاکر اسے باجی جان کے ہاں لے کرآؤں گی اور خدیجہ پہلے سے ہی باجی جان کے ہاں موجود ہوگی، میں تقریباً چھ بجے گھر پہنچی تو بھائی جان اور ابا جان بھی گھر میں موجود تھے۔

ابا جان نے سوال کیا: ”کہاں سے آرہی ہو بیٹا؟“

عائشہ: ”باجی جان کے گھر گئے تھے ابا جی!“

اتنے میں بھیا بول پڑے تو میں رونے لگی۔

بھیا نے فکرمندی سے پوچھا: ”کیا ہوا، کیوں رو رہی ہو بتاؤ تو؟“

عائشہ نے روتے ہوئے جواب دیا: ”بھائی جان! ثناء کی طبیعت بہت خراب ہے، اس کے لئے دعا کریں۔“

انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا: ”ارے تم روؤ نہیں، اتنی سی بات ہے، میں بھی دعا کروں گا، مسجد میں بھی دعا کے لئے کہہ دوں گا۔“

اتنے میں امی جان چائے لے کرآنے لگیں تو میں نے چائے ان کے ہاتھ سے لے کر سب کو دی اور امی جان کو تفصیل بتانے لگی، مغرب کی نماز پڑھ کر میں نے آٹا گوندھا اور روٹی پکا کر عشاء کی نماز پڑھنے لگی، پھر مطالعہ کرنے بیٹھی تو دل کسی طور بھی نہ لگا۔

☆......☆......☆

ثناء کی والدہ غمزدہ ہوکر بولیں: ”بیٹا کچھ کھالے، دیکھ کیسی زرد ہورہی ہے، بیٹا اپنے لئے نہ سہی، ہمارے لئے ہی کھالے۔“

ثناء روتے ہوئے بولی: ”ماں......ماں...... ماں میرا دل نہیں چاہتا۔“

وہ روتے ہوئے بولیں: ”ماں صدقے بیٹا، میری جان بول تو سہی، تجھے کیا غم کیا ہے؟ بول بیٹا، کہاں تکلیف ہے۔“

وہ روتے ہوئے بولتی ہے: ”ماں میں مرجاؤں گی، ماں مجھے...... یہاں سے کہیں دور بھیج دیں، مجھے یہاں نہیں رہنا ہے، میرا دم گھٹتا ہے...... ماں مجھے بچالو، ماں مجھے بچالو......!!“

ٹھک......ٹھک......ٹھک......!!!

”کون؟“ کہہ کر دروازہ ثناء کی والدہ کھولتی ہیں۔

”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! میں ہوں عائشہ، کیسی ہیں آنٹی آپ؟“ عائشہ نے نہایت خوشدلی سے پوچھا۔

”بس ٹھیک ہوں بیٹا، ثناء کا تو برا حال ہے، تم پوچھو، شاید تمہیں بتادے۔“

عائشہ نے بے تکلفی سے کہا: ”ثناء چلو آج تم میرے ساتھ چلو، گھر سے باہر نکلو، ملو جلو، تاکہ کچھ بہتر نظر آؤ۔“

”میرا دل نہیں چاہتا، مجھے دنیا سے ڈر لگنے لگا ہے۔“ ثناء نے قدرے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

”پلیز تم میرا کہا مانو، میں تمہاری دوست ہوں نا، میری بات نہیں مانو گی؟“ چلو اٹھو جلدی سے، عائشہ نے اصرار کرتے ہوئے کہا تو ثناء نے رضامندی ظاہر کردی اور ہم باجی جان کے ہاں چل پڑے۔ تین بجے ہم باجی جان کے گھر پر موجود تھے، انہوں نے ثناء کو بڑی محبت سے اپنے گلے لگایا اور بٹھایا۔

باجی جان نے بڑی محبت سے پوچھا: ”بیٹا کیا بات ہے، کیوں زندگی سے تنگ آگئی ہو، زندگی تو نعمت خداوندی ہے، اللہ کی امانت ہے اور اپنا یہ حال کرکے تو تم اپنے اللہ کو ناراض کررہی ہو۔“

اس نے ایک دم چیخ کر جواب دیا: ”آپ کو نہیں معلوم میرے ساتھ کیا ہوا ہے؟ آپ نہیں جانتیں؟“ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

باجی جان نے چپ کرانے کی کوشش نہیں کی اور کہا: ”جو دل میں آرہا ہے، بولو، جتنا رونا ہے، آج رولو، کچھ مت چھپاؤ، اپنے دل کی ہر بات کو بتادو، ہم تمہارے اپنے ہیں۔“ وہ روتی رہی، تقریباً آدھا گھنٹے کے بعد پھر خود ہی بولنا شروع ہوئی۔

☆......☆......☆

”سردیوں کے دن تھے اور وہ بھی ایک بہت سرد رات تھی، میں اپنے کمرے میں تھی، رات کے بارہ بج رہے تھے کہ ایک دم فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ٹرن...... ٹرن...... ٹرن......! میں نے ریسیور اٹھایا۔ ہیلو......! ہیلو......! لیکن آگے سے کوئی جواب نہ پاکر فون بند کردیا کہ ایک دم دوبارہ فون بجنے لگا۔ میں نے پھر اٹھا کر ہیلو ہیلو کہا تو ایک دم دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”پلیز آپ مجھ سے بات کرلیں۔“ ایک اجنبی کی آواز سن کر ہی میرے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے، دل چاہا کہ فون بند کردوں، ابھی فون بند کرنے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ آواز پھر ابھری: ”پلیز فون بند مت کریئے گا، میں بہت پریشان ہوں، بہت اکیلا ہوں، آپ میری بات تو سنیں۔“ میرے سمجھ میں نہ آئے کہ میں کیا کروں، میں نے گھبرا کر فون رکھ دیا، فون پھر بجنے لگا، میں نے پھر اٹھا کر ہیلو کہا تو وہ کہنے لگا کہ ”پلیز صرف ایک بار بات کرلیں۔“ میں نے سوچا کہ سن لیتی ہوں، سن لینے میں کیا حرج ہے، ہوسکتا ہے، واقعی میں پریشان ہو، لیکن دل میں ڈر بھی تھا کہ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو......!!! کیونکہ میرے والد مجھ سے بہت زیادہ پیار کرنے کے باوجود بھی روایتی قسم کے تھے۔ اس نے پھر کہا: ”کہاں کھوگئی......!!!“ میں نے کہا۔ ”کہیں نہیں۔“ ”تمہاری آواز بہت خوبصورت ہے، زندگی کا پتہ دیتی ہے، اس نے جذبات سے مغمور لہجے میں تعریف کی، ایک لمحے کے لئے میرا دل کانپا کہ ایک مرد کے منہ سے تعریف جو کہ بالکل غیر ہے، لیکن شیطان مجھ پر حاوی ہونے لگا، وہ باتیں کرتا رہا اور میں خاموش سنتی رہی۔

اس نے کہا: ”تم اکیلی سوتی ہو؟“

میں نے کہا: ”پتہ نہیں؟“

اس نے پھر کہا: ”تمہاری آواز بہت اچھی ہے، تمہیں کبھی کسی نے بتایا کہ روح کو کھینچ لینے والی ہے۔“

میں نے پھر وہی جواب دیا: ”پتہ نہیں؟“

اس نے پھر کہا: ”تمہارا نام کیا ہے؟“

میں نے پھر وہی جواب دیا: ”پتہ نہیں؟“

وہ ایک دم جھنجھلا سا گیا کہ تمہیں کچھ پتہ بھی ہے کہ نہیں، ہر بات کا جواب پتہ نہیں، پتہ نہیں، بات کیوں نہیں کرتی ہو، تمہیں میرا خیال نہیں ہے، رات کے اس پہر میں صرف تمہارے لئے، تمہاری باتیں سننے کے لئے بیٹھا ہوں، پلیز جواب دو، بولو بات تو کرو اور پھر اس نے ایک دم ایسا لفظ بولا کہ میری روح تک کانپ گئی، اس نے کہا: ”تم اس طرح کیوں بات کررہی ہو، کیا تم میری جان نہیں ہو۔“ میرے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ کر گر پڑا اور سانس تیز ہونے لگی، اتنی سخت سردی میں بھی مجھے پسینہ آگیا، میں رونے لگی، میں نے بہت کہا اسے کہ ”مجھے آپ سے بات نہیں کرنی، پلیز آپ اب فون نہیں کریئے گا، مجھے ڈر لگتا ہے، سب کو پتہ لگ جائے گا۔“

”تم کسی کو بتاؤ گی تو پتہ چلے گا ناں۔“ اس نے قدرے مطمئن لہجے میں جواب دیا: ”پھر وہ بات کرنے لگا، اچھا گڑیا، تم روؤ نہیں، تم میرا اعتبار کرو، میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں، اچھا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کے بتاؤ، میں تمہیں دوبارہ فون کروں یا نہیں۔“ میں نے کہا: ”پتہ نہیں؟“ اور پھر اسے غصہ آگیا، کہنے لگا: ”اب میں فون بند کررہا ہوں، میں بات کررہا ہوں تم جواب ہی نہیں دیتی ہو۔“ اور اس نے فون بند کردیا اور میں نجانے کون سے جذبے کے تحت پوری رات اس کا انتظار کرتی رہی اور میرے کانوں میں اس کی آواز گونجتی رہی۔ ”میں بہت اکیلا ہوں، میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔“ اور وہ رات میری بربادی کی پہلی رات تھی۔“

”باجی جان! میں بہت اکیلی ہوگئی ہوں، سب

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM

سے دور ہوگئی ہوں۔" ثناء نے روتے ہوئے کہا۔

باجی جان نے کہا: "اچھا آگے بتاؤ، پھر کیا ہوا؟"

ثناء پھر سے گویا ہوئی: "پھر میں فجر کی نماز میں بھی خدا سے دعا مانگتی رہی کہ وہ مجھے فون کرے۔! اور سارا دن بھی روتی رہی، امی نے بھی بار بار پوچھا کہ تمہاری آنکھیں کیوں سرخ ہیں اور میں نے زندگی میں پہلی بار ان سے جھوٹ بولا اور دل کی بات چھپا گئی، اس رات سے لے کر پورے چھ دن میں خدا سے اسے مانگتی رہی......!!! آخر کار ساتویں روز میں نے اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر اسے خود فون کرلیا، اس نے مجھ سے کہا: "تم نے یہ ایک ہفتہ میرے بغیر کیسے گزارا؟" میں رو پڑی، وہ مجھے چپ کراتا رہا۔"

ضبط کے ٹوٹ گئے آج تو بندھن سارے
آج تڑپا ہے وہ جو کبھی دھڑکا نہ تھا

اور وہ پھر مجھ سے باتیں کرتا خوشیوں کی، رنگوں کی، خوشبوؤں کی، ایسی باتیں جو زندہ ہونے کا احساس دلائیں، اس نے مجھے بہت خوبصورت خواب دکھائے، اتنے خوبصورت کہ کوئی بھی لڑکی ان کا حصول چاہے، وہ کہتا تھا: "تمہاری آواز مجھے زندہ ہونے کا احساس دلاتی ہے گڑیا، جس دن تم نے مجھے چھوڑ دیا تو میں خود مرجاؤں گا تمہارے بغیر.....!" اور پھر......!! وہ سانس لینے کو ذرا رکی۔ وہ مجھے روز فون کرتا رہا، اتنا کہ مجھے اس کی عادت ہوگئی اور میری ماں اور میرے بابا پریشان رہنے لگے کہ گھر میں رانگ کال بہت آتی ہیں اور میں اپنی ہی نظروں میں چور بن جاتی، کچھ بھی تھا، زندگی بہت الگ سی ہوگئی تھی انتظار کے لمحے......!!! دل کرتا کہ سب کو بتادوں، کوئی ٹوٹ کر مجھے چاہتا ہے۔

تو نہ ہو تو یاس کی بیلیں دیواروں پر اُگتی ہیں
اور تیرے آنے سے یہی گھر کتنا اچھا لگتا ہے

اور پھر جب کبھی اس کا فون آنے میں دیر ہوجاتی، مجھے لگتا، میرا دل نکل کر باہر آجائے گا، مجھے اپنی جان جسم سے نکلتی ہوئی محسوس ہوتی، وہ میری اس حالت میں مذاق اڑاتا اور خوب محظوظ ہوکر یہ شعر سناتا:

تم میرے پاس ہوتے ہو
گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

اسی طرح تین مہینے گزر گئے، اگر وہ فون کرنے میں ذرا بھی تاخیر کرتا تو میرے حلق سے نوالہ نہیں اترتا تھا، وہ کہتا تھا: "گڑیا تم نے، مجھے انسان بنادیا ہے، میرے ساتھ ساتھ وہ ہر عبادت میں شریک ہوتا اور میری طرح رو رو کر خدا سے مجھے اپنے لئے مانگتا۔" وہ کہتا تھا کہ "میرے پاس خدا سے تمہارے لئے مانگنے کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں، میں کہتا ہوں، خدا ساری زندگی لے لے، مگر گڑیا کو میرا بنادے۔"

لیکن اس سب کے باوجود بھی میرا دل مجھے بار بار ملامت کرتا کہ میں اپنے والدین کو دھوکا دے رہی ہوں اور پھر بالآخر جب میں نے ہار کر اس سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ مجھ سے شادی کب کریں گے، تو ایک دم اس کا لہجہ اجنبی سا ہوگیا کہ "گڑیا تمہیں کیا ہوگیا ہے، تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے کیا، تمہارے علاوہ میں کسی کا نہیں ہوسکتا، اعتبار کرو مجھ پر۔" اس نے کبھی پہلے ملنے یا دیکھنے کی خواہش نہیں کی تھی، وہ کہتا تھا: "میرا اور تمہارا تعلق تو روحوں کا تعلق ہے۔"

لیکن! اس کا یہ بدلہ ہوا لہجہ، یہ روپ مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا، میں کہتی، شکوہ کرتی تو کہتا کہ "میری گڑیا، بہت گندی ہوگئی ہے، اسے مجھ پر اعتبار نہیں رہا۔" اور وہ مجھے ٹالتا رہتا، لیکن میرے دل میں یہ احساس شدت سے پیدا ہوتا رہا کہ وہ نامحرم ہے، لیکن میں اپنے اندر کے نفس کو نہ روک سکی اور اس سے بات کرتی رہی۔ وہ تو خود فخر کرتا تھا کہ "میں ایسی لڑکی سے محبت کرتا ہوں، جس نے کبھی کسی کی طرف نگاہ نہ کی۔" نجانے اسے کیا ہوتا جارہا تھا، پہلے وہ مجھے دس دس کالیں کرتا تھا اور میں رات بھر اسے کے لئے جاگتی۔

ساری حقیقتوں کو خواب کرکے
عمر بھر کی خوشیاں سراب کرکے
بدل گیا وہ چاہتوں سے
میری عادتوں کو خراب کرکے

آخر کار میرے مطالبے کا زور پکڑنا زیادہ ہوا تو اس نے مجھے فون کرنا کم کردیا، اب وہ دو دن کے بعد مجھے کال کرتا اور اگر میں شکوہ کرتی تو اس کا جواب ہوتا کہ "میرے اوپر ذمہ داریاں ہیں، میں گھر میں سب سے بڑا ہوں۔" اور میں بھی پاگل کہ "شاید اس نے میرے اندر جادو سا بھر دیا تھا جو اس کی باتوں سے قائل ہوجاتی۔" وہ پھر سانس لینے کو ذرا رکی۔ پھر اس کی فون کال کے درمیان وقفہ آنے لگا اور میری دنیا اندھیر ہونے لگی، میرا بناسنورنا ختم ہوگیا، میری ہنسی کو جیسے کوئی چرا کرلے گیا، میری ماں، میرے بابا پریشان کہ مجھے کیا ہوا ہے، میں خلاؤں میں کھوئی رہتی، میں اس سے شکوہ کرتی کہ "میری عادت خراب کرکے آپ بدل رہے ہیں۔" اس بات پر وہ مجھے یہ شعر سناتا:

وہ بھی کیا عجیب شخص تھا کہ جس کی ذات پر
جب اعتبار بڑھ گیا تو اختیار گھٹ گیا

اور میں خاموش ہوجاتی اور پھر...... پھر اس نے مجھ سے مطالبہ کردیا کہ میں اس سے ملنے آؤں، وہ مجھے دیکھنا چاہتا ہے، وہ مجھے کہتا: "میں وہ رنگ دیکھنا چاہتا ہوں، جو مجھے سوچ کر، مجھ سے بات کرکے تمہارے چہرے پر بکھرتے ہیں۔" میں نے اس سے بہت کہا کہ "یہ گناہ ہے۔" تو اس کا جواب یہ ہوتا کہ "پھر تو بات کرنا بھی گناہ ہے، یہ بھی تو کر رہے ہیں ناں۔" میں نے کہا: "تو ٹھیک ہے، میں بات کرنا چھوڑ دوں گی۔" اور اس کا یہ جواب بات کرنے پر مجبور کردیتا کہ "تمہاری آواز مجھے زندہ ہونے کا پتہ دیتی ہے۔"

میں محسوس کرتی رہی کہ اس کا لہجہ، اس کی باتیں سب بدل رہی تھیں، اور اب وہ مجھے چار چار، پانچ پانچ دن کال نہیں کرتا، مجھ پر نیندیں حرام ہوگئیں، میں خدا سے دن رات اسے مانگتی کہ خدا اسے میرا نصیب بنادے، میرا خدا اسے میرے نصیب میں لکھ دے۔ مالک! میری زندگی اس کے بغیر ادھوری ہے اور نجانے کیوں میں اس شر کو خیر سمجھ کر مانگتی رہی، میری ماں مجھ سے کہتی کہ تم بولتی کیوں نہیں ہو، تم کھانا کیوں نہیں کھاتی ہو، آخر انہوں نے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا، نجانے ماں باپ اپنی بیٹیوں سے اتنے بے خبر کیوں ہوجاتے ہیں، اب رات بھر میں جائے نماز پر ہوتی اور فون میرے پاس کہ وہ مجھ سے بات کرلے، لیکن وہ بات نہیں کرتا تھا، فون نہیں اٹھاتا تھا میرا اور میری جان گویا کہ میرے جسم سے نکلنے لگی۔

تیرے اختیار میں کیا نہیں مجھے اس طرح سے نواز دے
یوں دعائیں میری قبول ہوں میرے لب پہ کوئی دعا نہ ہو

میں گھر سے باہر نہ جاتی کہ کہیں وہ مجھے فون نہ کرلے، مجھے کھانا کھائے بغیر دو دو دن گزر جاتے، پھر بالآخر پورے تین ماہ، دس دن کے بعد اس نے مجھے فون کر ہی لیا اور میں خوشی سے پاگل ہونے لگی اور اس کی آواز سنتے ہی پاگلوں کی طرح رونے لگی کہ "آپ کہاں چلے گئے تھے مجھے چھوڑ کر، میں مرجاؤں گی رضا آپ کے بغیر؟" میں سمجھی اس نے مجھے منانے کے لئے فون کیا ہے، لیکن اس نے...... اس نے...... تو ایسی باتیں کیں کہ میرے سر پر آسمان نہ رہا اور قدموں تلے زمین نہ رہی۔

اور یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے اپنی کہانی کا سلسلہ وہیں سے جوڑا......

اس نے مجھ سے کہا کہ "اس کی منگنی ہو رہی ہے، وہ مجھ سے شادی نہیں کرسکتا، کیونکہ اس کے خیال میں، میں ایک خراب لڑکی ہوں، میں اس کے علاوہ بھی کئی لوگوں سے بات کرتی ہوں۔" میں نے اسے بہت سمجھایا۔ میں...... میں بہت روئی اس کے سامنے، بہت

گڑگڑائی کہ وہ مجھے نہ چھوڑے، میں اس کے بغیر مرجاؤں گی اور وہ میرے کردار پر کیچڑ اچھالتا رہا اور میں پھر بھی اس سے محبت کی بھیک مانگتی رہی، لیکن اس کو رحم نہیں آیا، میں نے اس سے بہت کہا کہ آپ مجھ پر ترس کھالو، مجھے نہ چھوڑو، مجھے میرا قصور تو بتاؤ، لیکن وہ کچھ بولتا ہی نہیں تھا جواب میں اور بس اخیر میں اس نے اتنی بات کہی کہ ”میرا تم سے دل بھر گیا ہے، تم میں وہ بات نہیں۔“ میں نے کہا کہ ”پھر کیوں تم مجھ سے محبت کا دعوئ کرتے رہے۔“ لیکن......!!!

اس کا جواب پتہ ہے کیا تھا کہ ”میں تو محض تم سے دل لگی کر رہا تھا، کیونکہ مجھے تمہاری آواز اچھی لگی، شادی تو میں اپنے خاندان کی لڑکی سے کروں گا، تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں اپنایا جائے۔“ اور جب اس نے یہ جملہ کہا تو میرے لئے سب ختم ہوگیا، میں تو بالکل تہی داماں رہ گئی، خالی ہاتھ، کچھ بھی نہیں آیا میرے ہاتھ، کچھ بھی نہیں بچا، میں نے سب کو چھوڑ دیا تھا اس کی خاطر

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

بس......!!! وہ دن ہے اور آج کا دن، میرے دل سے وہ باتیں نکلتی ہی نہیں، میرے دل کو...... میرے دل کو کہیں سکون ملتا نہیں ہے، مجھے پتہ ہے، میں غلط ہوں، اپنے ماں باپ کو پریشان کر رہی ہوں، مگر آپ ہی بتائیے میں کیا کروں؟؟؟

ہر خوشی ادھوری سی لگتی ہے، زندگی ایک راہ پر ٹھہر گئی ہو جیسے، میرے ساتھ ہی ایسے کیوں ہوا، مجھے جواب دیں، میں کیا کروں، میں نے تو خدا سے بہت مانگا اسے، بہت مانگا لیکن...... ہم سب دم سادھے اس کی بات کو سن رہے تھے کہ باجی جان نے اپنی گفتگو شروع کرتے ہوئے کہا:

”دیکھو ثناء! بے شک آپ کے ساتھ غلط ہوا، لیکن آپ یہ بھی تو سوچو کہ آپ کتنے بڑے بڑے گناہ کرتی رہی کہ ایک نامحرم سے بات کرنا، ایک نامحرم کو سوچنا اور سب سے بڑی بات، دنیا کی محبت کی خاطر اللہ کو چھوڑ دینا، مگر اتنے گناہوں کے باوجود بھی اللہ نے آپ پر اپنا کرم رکھا کہ آپ کو اس شخص کے چنگل سے بچالیا، ورنہ کیا کچھ ہوجاتا ہے لڑکیوں کے ساتھ...... اور آپ خدا سے ایک ایسے شخص کے لئے لڑتی جھگڑتی رہیں جو شر ہی شر تھا، وہ شر تھا جب ہی تو خدا نے آپ کو اس کے سائے سے بھی دور کردیا۔“

باجی کی بات کاٹتے ہوئے ثناء یک دم بول پڑی:

”لیکن پھر وہ میری زندگی میں آیا ہی کیوں تھا، اگر اسے میرا نصیب نہیں بننا تھا تو پھر میں کیوں اس سے بات کرتی رہی، اللہ نے مجھے روکا کیوں نہیں۔“

باجی جان نے نہایت تحمل سے اس کی بات کو برداشت کیا اور بولیں: ”دیکھیں، اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کو آزماتا ہے اور اپنے پیاروں پر ہی مشکلیں اور آزمائشیں ڈالتا ہے اور دیکھتا ہے کہ یہ بندہ میرے امتحان کو پورا کرتا ہے یا نہیں، اب یہ آپ کی آزمائش تھی کہ اس نے بات کی، لیکن آپ نے بات کو ختم نہیں کیا، بلکہ اس گناہ میں بڑھتی چلی گئیں، لیکن...... لیکن اس پر بھی اللہ رب العزت نے آپ کو اکیلا نہیں چھوڑا، بلکہ اس گناہ سے آپ کو روک لیا تو اب یہ وقت آپ کے لئے امتحان ہے کہ آپ اب اللہ کے بتائے ہوئے راستے کو چن لیں، توبہ کرلیں، سچے دل سے اپنے تمام گناہوں پر اور لوٹ آئیں اللہ کی طرف، کیونکہ وہ تو ہر وقت، ہر لمحہ ہمارے انتظار میں ہے کہ ہم اس کی طرف بڑھ آئیں، ہم اس کی طرف ایک قدم بڑھاتے ہیں تو وہ ہماری طرف دس قدم چل کے آتا ہے۔ وہ تو اتنا رحیم ہے کہ خود چاہتا ہے میرا بندہ مجھ سے کب معافی مانگے اور میں اسے معاف کردوں۔“

تڑپ کر شان کریمی نے لے لیا بوسہ
سر جھکا کر جب کہا، گناہ گار ہوں میں

لیکن انسان اپنے مقصد کو بھول گیا ہے کہ اس رب کریم نے اسے دنیا میں اگر بھیجا ہے تو کس لئے بھیجا ہے۔ ”اس نے تو صرف ہمیں اپنی بندگی کرنے کے لئے بھیجا ہے۔“ اس نے ہر نعمت دی انسان کو کہ وہ فائدہ اٹھائے لیکن انسان خدا بھول کر خود خدا بن بیٹھا، سب سے بڑی مثال انسانی جسم ہے، اس کے تمام اعضاء اللہ رب العزت کی امانت ہیں، لیکن ہم بھول کر انہیں اپنا سمجھ بیٹھے، اب آپ کی جب یہ حالت ہے کہ آپ روتی رہی، کھانا نہیں کھاتی ہو، یعنی کہ آپ ناشکرا پن کر رہی ہو کہ اس نے تو نعمت دی، مگر آپ اس سے فائدہ نہیں اٹھا رہیں، بلکہ اپنے آپ کو مسلسل نقصان پہنچا رہی ہو، وہ ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے تو کیا اسے تکلیف نہیں ہوگی، جب تم روتی ہو، تڑپتی ہو، بھوکی رہتی ہو، گناہ کرتی ہو تو کیا وہ تکلیف میں نہیں ہوگا، یہ تمہاری ماں تمہیں دیکھ کر روتی ہے، بلکتی ہے، تو وہ تو ستر ماؤں کے پیار سے زیادہ پیار کرتا ہے، تو اس کا دل خون کے آنسو نہیں روتا ہوگا، اگر اس نے ہمیں کوئی چیز نہیں دی تو کیا مطلب ہے، ہم زندگی کو زندگی کہنا چھوڑ دیں گے، بلکہ ہمیں تو شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہمیں وہ نہیں دیا، جو ہمارے لئے بہتر نہیں تھا۔ میری عزیز بیٹی، اب بھی وقت ہے، توبہ کرکے اس کے قریب ہوجاؤ، وہ تم سے کوئی دین کا کام لینا چاہتا ہے، کیونکہ تم نے خود ہی کہا تھا کہ تم مرجاتیں اس کے بغیر، لیکن خدا نے تمہیں زندگی دی ہے، اس کا مطلب ہے، وہ تم سے دین کا کام لینا چاہ رہے ہیں۔ اس موقع کو غنیمت جانو اور اپنے رب کے قریب ہوجاؤ، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو، سنتوں کو زندہ کرو، دیکھنا تمہیں کتنا سکون ملے گا، دین میں آکر تو دیکھو۔“

باجی کی تسلی آمیز گفتگو سن کر بے اختیار ثناء کے آنسو بہنے لگے۔ ”باجی آپ میری رہنمائی کریں، میں اس گناہ کی زندگی سے نکلنا چاہتی ہوں۔“

ثناء کی اس کیفیت اور تبدیلی کی طرف پیش قدمی کو دیکھ کر مارے خوشی کے ہمارے بھی آنسو نکل پڑے۔ پھر ہم سب نے شکرانے کے نفل ادا کئے اور اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوئے، ثناء کی والدہ نے بھی جب اپنی بیٹی کو مسکراتے دیکھا تو وہ بھی خوشی کے مارے رونے لگیں کہ ان کی بیٹی ان کی طرف لوٹ آئی ہے۔

☆......☆......☆

ایک نئی زندگی کا آغاز:...... اس رات میں نے پہلی بار دعا میں اپنے رب سے اس کی محبت کو مانگا، اس رات میں نے اپنے رب سے بہت عہد و پیمان کئے اور اس نے مجھے اپنے دین کے لئے چن لیا میرے دل کو، بہت سکون مل گیا اور میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں دین کا علم حاصل کروں، جب میں نے اپنی والدہ سے ذکر کیا تو انہوں نے بخوشی مجھے اجازت دے دی، بابا بھی بہت خوش ہوئے، میں نے زندگی کا ایک نیا رخ اس فون کال کے بعد دیکھا تھا جس نے میری زندگی بدل دی تھی، مجھے برباد کردیا تھا۔

”اور......!!! اب یہ میری زندگی کا ایک دوسرا رُخ ہے، یعنی مدرسے کی زندگی، دین کا علم حاصل کرنے کی لگن، جہاں ہر پل، ہر لمحہ دین کی باتیں ہوں، جہاں قدم قدم پر نبی کی سنتوں کو زندہ کیا جائے، قدم قدم پر رحمتیں ہوں۔ ایسے لوگ ہوں، جن سے بات کرکے ایمان تازہ ہوجائے۔“

گو منزل حیات بہت دور تھی مگر
دیکھا جو میرا عزم تو رستہ سمٹ گیا

میں نے باجی جان کے مدرسے میں داخلہ لے لیا، کیونکہ وہی ذریعہ بنی تھیں میری ہدایت کا اور مجھے اس گناہ سے روکنے کا۔ اب مدرسے کی کلاسیں شروع ہوچکی تھیں اور ہر حدیث کو پڑھنے کے بعد دل میں ایک نئی امنگ شروع ہوجاتی اور ہر آیت کے ترجمے وتفسیر کے ساتھ اللہ سے محبت مزید ہوجاتی۔

کیسے ہوسکتا ہے مجھ سے منحرف ایک سانس بھی
وقف میں نے کردیا ہے خود کو جب تیرے لئے
میری باقی عمر کے دن قیمتی ہیں کس قدر
میرا ہر لمحہ بسر ہوتا ہے اب تیرے لئے
آنکھ اٹھے تیرے لئے، کھلتے ہیں لب تیرے لئے
میرا جینا، میرا مرنا میرے رب تیرے لئے

دن اسی طرح گزر رہے تھے، ماں بھی خوش، وہ تو اللہ کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتی اور بابا انہیں تو صرف میری ہنسی چاہئے تھی لیکن......!!! اس کے باوجود بھی میرے دل کی بے چینی ہنوز اپنی جگہ قائم تھی، نجانے کیوں میرا دل ٹھہرتا بھی نہیں، اسی طرح چلتے چلتے پتہ ہی نہیں چلا، کب ایک سال گزر گیا، لیکن میرے دل کی بے قراری قائم تھی، ایک دم سے میں بہت پریشان ہوجاتی کہ پتہ نہیں اللہ نے میری توبہ کو قبول بھی کیا ہے یا نہیں۔

عذاب قبر اور گناہ پر سزا کا درس کو سن کر مجھ پر رقت طاری، جسم کانپنے لگتا کہ میں...... میرا کیا ہوگا، کس طرح وہ رب رحیم مجھے بخشے گا، مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا اور میں زارو قطار رونے لگتی، میرے اساتذہ سب پریشان ہوجاتے، میری ہم جماعت طالبات سب پریشان ہوتیں اور سب سوچتے کہ اس مسئلے کا حل کیا ہوگا اور میں خود بھی، میرے بھی سمجھ نہیں آتا کہ میں کیا کروں، غرض یہ کہ میرے آقا پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر بیان چلتا رہا اور آہستہ آہستہ میرے دل میں اپنے نبی کی محبت بہت بڑھنے لگی، میں نے عزم وارادہ کرلیا کہ اب ان شاء اللہ ہر کام سنت کے مطابق کرنا ہے اور سب سے زیادہ محبت اپنے نبی سے کرنی ہے۔

اس کے علاوہ جماعت میں ہمارے استاذ محترم سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمیں بتاتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت تھی کہ وہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی نہ گھبراتے تھے اور خود میں نے بھی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پڑھنا شروع کردیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں پڑھنا شروع کردیا، اسی طرح سالانہ امتحان شروع ہوئے اور ختم ہوگئے، امتحانات ختم ہونے کے بعد بھی مدرسے میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری وساری تھا اور اس بار ہمارے استاذ محترم نے یہ ارادہ کیا کہ سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس روزہ کورس رکھا جائے، اس کورس کے شروع ہوتے ہی گویا رحمت کی برسات ہمارے اوپر ہونے لگی، سب کچھ بہت الگ سا لگتا۔

جس وقت ہمارے استاذ محترم مولانا عبداللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ روتے ہوئے صحابہ کرام کے عشق کے بارے میں بیان کرتے کہ صحابہ کو کیسی محبت تھی ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو دل چاہتا کہ یا اللہ اب تو ایک سنت بھی نہیں چھوڑیں گے اور جس وقت وہ یہ اشعار پڑھتے

قدم قدم پر رحمتیں، نفس نفس پہ برکتیں
جہاں جہاں سے یہ شفیع عاصیاں گزر گیا
جہاں نظر نہیں پڑی وہیں ہے رات آج تک
وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گزر ہوا

ہمارے جناب مہتمم صاحب دامت برکاتہم ہمیں حلیہ مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان فرماتے کہ ان جیسا دنیا میں کسی ماں نے پیدا ہی نہیں کیا کہ ان کے اخلاق، ان کی عادات سب سے اعلیٰ، ان کے رہن سہن سب سے زیادہ اور جب ہمارے استاذ محترم یہ فرماتے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتنے حسین ہیں کہ ان کا آدھا حسن ساری دنیا کو تقسیم ہوا تو میں یہ سوچتی کہ اس دنیا میں بھی ایسے لوگ ہیں کہ انسان ان کو دیکھ کر نظریں جھکانا بھول جائے تو وہ پیارا حبیب خود کیسا ہوگا۔

ہمارے استاذ محترم فرماتے کہ دنیا کا سب سے خوش نصیب انسان وہ ہے جس نے میرے پیارے نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرلیا، اب میرے دل کو کچھ کچھ سکون لینے لگا اور میں اپنے رب سے اپنے نبی کا واسطہ دے کر دعا مانگنے لگی۔

استاذ محترم جب بار بار بیان فرماتے کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر ہمارے باپ سے زیادہ شفقت کرنے والے ہیں کہ مرض الوفات کا وقت ہے اس وقت بھی امتی...... امتی...... امتی کہ یا اللہ میری امت میری امت کیا ہوگا، کا یہ جملہ زبان پر ہے، کیا محبت ہے میرے نبی کو اپنی امت سے۔"

اب تو بس یہ دل چاہتا کہ کوئی سنت بھولے سے بھی نہ چھوٹے اور میں اللہ سے یہ دعا کرتی: "یا اللہ، مجھے اپنے حبیب کا عاشق بنالے، مولیٰ مجھے دنیا کی محبتوں سے آزاد کردے، میرے دل میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ڈال دے، مجھے عشق نبوی میں گم کردے، مجھے ان کی سنتوں پر عمل کرنے والا بنادے۔"

مجھے درد بے کلی ملے مجھے اضطراب کی لہر ملے
یوں ڈوبوں عشق نبی میں، مجھے اپنی بھی نہ خبر ملے

اب تو میرا دل بھی چاہنے لگا کہ میں بھی اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کروں، زندگی کتنی الگ سی ہوگئی ہے، سب کچھ اچھا لگنے لگا ہے، واقعی میں اللہ کی طرف بڑھ کر دیکھا تو وہ تو ہمارا منتظر ہے، اب میں روز اپنے رب سے دعا کرتی کہ مولیٰ، آپ میری توبہ کو قبول کرلیں، آپ مجھے اس توبہ کی نشانی دے دیں، میں روز دعا مانگتی اور صلوٰۃ التوبۃ وصلوٰۃ الحاجات پڑھتی اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے لئے دعا مانگتی۔

میرے استاذ محترم نے ایک دن مجھ سے پوچھ ہی لیا کہ اب دل کی کیفیت کیسی ہے، میں نے کہا، اب تو دل صرف نیکیاں کرنے کا چاہتا ہے، لیکن مجھے اپنی زندگی اپنے نبی کے دیدار کے بغیر ادھوری لگتی ہے، فرمانے لگے، مانگو اپنے رب سے، وہ بڑا بے نیاز ہے، بڑا غفور ورحیم ہے سب گناہوں کو سنے گا، ہر گناہ بخش دے گا، اس کے دینے میں کمی نہیں ہے، ہمارے مانگنے میں کمی ہے۔

پھر اس رات میں اللہ کے سامنے بہت روئی کہ یا اللہ، آپ میری توبہ کو قبول کرلیں اور نشانی کے طور پر مجھے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کروادیں، مولائے کریم مجھ پر رحم کر، مولیٰ میں صرف تجھ سے مانگ سکتی ہوں، کوئی اور در نہیں ہے، ایک ہی در ہے، جہاں سے مانگوں، تیرے سوا کوئی آسرا نہیں۔

اسی طرح گزرتے گزرتے رمضان شریف ہوگیا، ہمارا مدرسہ بند ہونے لگا اور ہمیں 25 دن کی چھٹیاں مل گئیں، وقت فراغت تمام طالبات کی آنکھوں میں آنسو تھے، کیونکہ معلوم نہیں کہ دوبارہ اب کس کس سے ملنا ہوگا اور کس سے نہیں۔

اس مرحلے کو موت بھی کہتے ہیں یا رب!
اک پل میں ٹوٹ جائے جہاں برسوں کا ساتھ

رمضان شریف کے آتے ہی سماں بہت بابرکت لگنے لگا، یہ رمضان میری زندگی کے تمام گزرے ہوئے رمضانوں سے مختلف تھا، یوں لگتا تھا، زندگی نئی نئی سی ہوگئی ہے، عبادتوں کا مزہ آنے لگا تھا، ان چھٹیوں کے دوران بھی میں باجی جان سے رابطے میں تھی کہ باجی جان نے مجھے اعتکاف میں بیٹھنے کا مشورہ دیا، والدہ تو سن کر بہت خوش ہوئیں اور میں نے بھی پکا ارادہ کرلیا اور ہر وقت اپنے رب سے گناہوں پر توبہ کرتی کہ ستائیسویں شب آ پہنچی کہ رات کو کچھ دیر کے لئے میری آنکھ لگ گئی تو میں کیا دیکھتی ہوں کہ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی ہے، کچے کچے سے مکانات ہیں، دیکھتی ہوں کہ "ایک بہت ہی پرنور چہرہ، میری نگاہیں اس وقت ان کے چہرے پر نہیں پڑی تھیں، بس ہر طرف روشنی ہی روشنی سی تھی، ایک نور کا ہالہ سا تھا، ان کے چہرے کے گرد اور میں ان سے نظر نہ ملا سکی، اس وقت میں نے انہیں دور سے دیکھا، تقریباً دس قدم کے فاصلے پر وہ تشریف فرما ہیں کہ کسی نے مجھے بتایا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میں حیران سی

انہیں دیکھنے لگی کہ وہ خود اٹھ کر میری جانب بڑھے اور میں نے بھی خوشی سے ایک قدم ان کی طرف بڑھایا، اور اس روشنی نے مجھے بھی گھیرے میں لے لیا، اور میں نے بغور ان کے چہرے پر نظر ڈالی اور وہ مسکرائے، یوں لگا ساری کائنات ایک دم خوشی سے پاگل ہوگئی ہو۔'' اور میں اس چہرے کے بارے میں، ان کے کپڑوں کے بارے میں، اس روشنی کے بارے میں بتا نہیں سکتی کہ وہ کیا تھی، وہ خود کیسے تھے۔

اور پھر اچانک میری آنکھ کھل گئی اور میرا دل خوشی سے بے قرار تھا، میں نے فوراً شکرانے کے نوافل ادا کیے اور اپنی امی کو آواز دی۔

''ماں! میرے رب نے مجھے معاف کردیا، ماں میرے اللہ نے مجھے میرے نبی کا دیدار کرایا ہے۔ امی جان میں خوشی سے پاگل ہونے کو ہوں، امی...... امی...... میرا دل پھٹ جائے گا، امی پلیز ابو کو بلائیں۔'' اور میری امی خوشی خوشی ابو کو بلانے لگیں اور میں اپنے بابا کے گلے لگ کر بہت دیر تک روتی رہی اور دونوں مجھے تسلیاں دیتے رہے کہ بیٹا یہ تو بہت خوشی کی بات ہے اور ہم بہت خوش نصیب ہیں کہ ہم تمہارے ماں باپ ہیں، میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں ساری دنیا کو خبر دوں کہ میرے رب نے مجھے معاف کردیا ہے، اس نور کی ایک جھلک مجھ پر بھی پڑگئی ہے۔

سناؤں نفیس آ تجھ کو افسانہ محمد کا
کہ میں ہوں روز اول ہی سے دیوانہ محمد
نہ آنسو آنکھ کے تھمتے ہیں نہ مٹتی ہے تڑپ دل کی
سنا ہے جب سے ان کانوں نے افسانہ محمد کا
الٰہی اپنی اس بے مائگی پر شرم آتی ہے
کہ جان زار بھی کوئی ہے نذرانہ محمد کا
محبت خوں روتی ہے تمنا تلملاتی ہے
تڑپتا ہے جدائی میں جو دیوانہ محمد کا

اس رات کے بعد مجھے پتہ چلا کہ اصل زندگی، اصل امتحان تو اب شروع ہوگا کہ اس نے میری ہر دعا کو قبول کرلیا، ہر غم سے بچایا، ہر دکھ سے نجات دی، اب مجھے بھی اپنی محبت کا اظہار کرنا ہے، اللہ کے دین کو پھیلانا ہے، نبی کی سنتوں کو آباد کرنا ہے اور یہ سب اس کی مدد سے ہوگا۔

دھیرے دھیرے گزرتے جا رہے ہیں
''لمحات حیات''
ماضی پہ نظر ڈالو تو لگتا ہے،
دیکھ رہے ہوں کوئی خواب
جو کل گزر گیا افسانہ ماضی بن گیا
لوٹ کر آ نہیں سکتا
کوئی گرد اس کی پا نہیں سکتا
آنے والے کل کی خبر نہیں
کہ آوازیں دیتے تھکتی قبر نہیں،
جو ہاتھ میں ہے تو فقط یہ ''حال'' ہے
جو کرنا ہے اسی میں کرنا
نشان چھوڑو اس میں ایسے کہ
بھٹکے راہی منزل کو پالیں
اگر جاؤ اس جہاں سے تو لوگ ہماری مثال دیں
تو آؤ ساتھی کہ کریں اس کو امر
اور رضائے رب کے لئے کام کریں......!!!

☆......☆......☆

قیمتی باتیں

☆......کسی کا دل نہ دکھاؤ، ورنہ اس کے آنسو تیرے لئے عذاب بن جائیں گے۔

☆......اعتماد اتنا نازک ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ ٹوٹ جائے تو واپس نہیں جڑتا۔

☆......ہر ایک بات ضرور سنو، مگر فیصلہ خود کرو۔

☆......کسی کا دل دکھانا بہت بڑا گناہ ہے۔

☆......☆......☆

مغربی تہذیب کے اثرات اور بچاؤ کی تدبیر

پروفیسر محمد محمود علی عباسی



شریعت کے پانچ جز ہیں:

(۱)......عقیدہ جیسے اللہ تعالیٰ کو ایک اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول سمجھنا وغیرہ۔

(۲)......اعمال جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔

(۳)......معاملات جیسے خرید و فروخت وغیرہ۔

(۴)......اخلاق یعنی عادتیں جیسے تواضع سخاوت وغیرہ۔

(۵)......حسن معاشرت اچھا برتاؤ جیسے کسی کے سونے میں کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جس سے اس کی نیند اچٹ جائے وغیرہ۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ شریعت ان پانچوں کے مجموعے کا نام ہے لیکن اس وقت دین کے پانچ افراد میں سے عوام نے تو صرف دو ہی جزء کو داخل دین سمجھا ہے یعنی عقائد و عبادات اور علماء ظاہر نے تیسرے جزء کو بھی دین شمار کیا۔ مشائخ نے چوتھے جزء کو بھی دین قرار دیا، یعنی اخلاق باطنی کی اصلاح کو، لیکن ایک پانچواں جزء آداب معاشرت ہے، قریب

قریب ان تینوں طبقوں نے الا ماشاء اللہ اکثر نے اعتقاداً دین سے خارج اور بے تعلق قرار دے کر رکھا ہے اور میرے نزدیک باہمی الفت و اتفاق میں جو کمی ہے اس کا بڑا سبب یہ سوء معاشرت بھی ہے۔

حضرت نے بجا فرمایا، لیکن اب تو صورتحال یہ ہے کہ مسلمانوں کا بہت بڑا حصہ دین کے تقریباً ان پانچوں ہی اجزاء سے نابلد اور دور ہے اور اس کی وجہ دراصل مغربی تہذیب کا ایک منظم طریقے سے پرچار کرنا اور ہمارے معاشرے میں سرائیت (Penetrate) کرجانا ہے، یہ مغربی تہذیب کیا ہے، جیسے مولانا محمد اسلم شیخوپوریؒ نے اپنی زندگی کی آخری تقریر میں بیان فرمایا، جس کا خلاصہ یہ ہے:

فرماتے ہیں کہ "مغربی تہذیب کا آغاز کم و بیش تین سو سال قبل ہوا، اس کا نسلی اور نظریاتی تعلق یونانی اور رومی تہذیب سے تھا اور یونانی تہذیب میں چار خصوصیات تھیں:

(۱)...... غیر محسوسات کی بے وقعتی، یعنی جو چیز نظر نہیں آتی، اس کا انکار، اللہ کا انکار، فرشتوں کا انکار، جنت و دوزخ کا انکار وغیرہ، جبکہ اسلام کا پہلا درس ہی "الذین یؤمنون بالغیب" (یعنی وہ جو غیب پر ایمان لائے)

(۲)...... روحانیت کی نفی اور مادیت پر زور۔

(۳)...... دنیاوی زندگی کی بہت زیادہ پرستش یعنی مقصد اصلی کی حد تک۔

(۴)...... وطن کی محبت تو انسان کی فطرت میں ہوتی ہے، لیکن وطن کو خدا کا درجہ دینا؟ وطن کو ایمان پر قربان کیا جاسکنا۔

مغربی تہذیب میں یہ چاروں چیزیں نظر آتی ہیں اور مغربی تہذیب کو ایک جملہ میں اس طرح کہا جاسکتا کہ لا موجود الابطن و معدہ (پیٹ و معدہ یعنی مادی فائدہ کے سوا کچھ نہیں) جبکہ اسلام کہتا ہے کہ لاموجود الا اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں، جو کچھ ہوتا ہے، اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔"

(۱) مغربی تہذیب کے چار ترکیبی عناصر:...... دجل فریب، دھوکا دینا، مثلاً ان کا نعرہ ہے آزادئ نسواں لیکن ان کا مقصد عورتوں کو حقوق دلوانا نہیں ہے، کیا عورت کو بے پردہ کرنے سے انہیں حقوق مل جائیں گے؟ نہیں بلکہ ان کا مقصد عورت کو عیاشی کا سامان بنانا ہے، زنا عام کرنا ہے، کبھی خاندانی نظام اور نکاح کی پابندی ختم کرنا ہے، اسی طرح ان کا ایک نعرہ ہے آزادئ رائے یعنی ہر شخص کو اپنی رائے دینے کا حق ہے، لیکن اس خوبصورت نعرے کے پیچھے ان کا مقصد اللہ کا مذاق اڑانا، قرآن کا مذاق اڑانا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا وغیرہ ہے، اسی طرح ان کا ایک اور نعرہ ہے کہ معیارِ زندگی کو بلند کرنا، لیکن مقصد معیارِ زندگی کی بلندی نہیں بلکہ اس کی آڑ میں انسانیت کو سودی قرضوں میں جکڑنا ہے۔

(۲) مادیت:...... مغربی تہذیب نے مادیت کو خدا کا درجہ دے دیا ہے کہ اسباب کے بغیر ہم کچھ نہیں کرسکتے اور اسباب ہوں تو سب کچھ ہوسکتا ہے جبکہ اسلامی زندگی میں روحانیت ہے کہ جو اللہ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے۔

(۳) شہوانیت:...... شہوانیت کی انتہاء دیکھیے، جب امریکی صدر اوباما نے ہم جنس پرستی کی حمایت کی تو پورے امریکہ میں اس کی حمایت میں اضافہ ہوگیا جبکہ اسلام میں لذتیت اور شہوانیت اسلامی حدود کے دائرے میں جائز ہیں۔

جناب! یہ ہے مغربی تہذیب اور اس تہذیب کو ہمارے معاشرے میں داخل کرنے کے لئے اہل باطل ہمارے معاشرے کے تمام طبقات میں اپنے نمائندے تلاش کرکے ان حسب ضرورت و حسب موقع کام لیتے ہیں، خواہ وہ حکومت ہو یا حکمران، بیوروکریسی ہو یا میڈیا، چنانچہ انہوں نے بین الاقوامی اور ملکی شخصیات کو استعمال کیا، قادیانیوں، بہائیوں اور اسماعیلیوں وغیرہ کی تحریکوں کو پروان چڑھایا، مذہبی ایجنٹوں کے ذریعے صوفی ازم کا پرچار کیا اور ان میں قوالی، موسیقی اور مخلوط محافل کا اہتمام کیا گیا، باطل کی ایماء پر غلام احمد نے صرف قرآن پر اس لئے زور دیا تاکہ حدیث کا انکار کیا جائے، بابر چوہدری جیسے لوگوں نے قرآن اور حدیث دونوں پر اس لئے زور دیا تاکہ فقہ کا انکار کیا جائے اور اپنا جدید اجتہاد پیش کرسکیں، اسی طرح خورشید ندیم جیسے لوگوں نے رواداری اور بنالریش پر زور اس لئے دیا تاکہ جہاد کا انکار کیا جاسکے، گوہر شاہی جو ایک جاہل قسم کا شخص تھا، اس کو شیلٹر (Shelter) دیا گیا جو ہمیشہ ہندوؤں سے پیار، یہودیوں سے محبت اور عیسائیوں سے خلوص و احترام کا معاملہ کرتا تھا جبکہ شیخ اسامہ اور ملا عمر کی ہمیشہ اس نے مخالفت کی، اس کو بھی خوب عروج ملا، اس کے مریدین دنیا بھر میں جدید تعلیم یافتہ ماڈرن خواتین اور لمبے بالوں والے نوجوان ملیں گے۔

اسی طرح باطل نے بااثر حلقوں اور مذہبی طبقات میں رسوخ کیا، معاشرے کے اہم طبقات کو ایک دوسرے سے جدا کیا، عوام میں افراتفری پھیلائی، مذہبی رہنماؤں میں پھوٹ ڈلوائی، مخالفین کو شہید کروایا، ان مغربی تہذیب کے پھیلانے والوں نے دینی، سیاسی اور عسکری قیادت کو بے اعتبار کیا، یا ختم کرنے کی کوشش کی، احساس محرومی، شورش و انتشار اور غیروں سے امیدیں بندھوائیں، بے مقصد تنازعات، لایعنی مباحث اور فرضی مسائل کو پروان چڑھایا، قیادت کے اہل افراد کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کیا، اپنا کام نکالنے کے لئے مخلص افراد کو آپس میں لڑایا، مذہبی اور اخلاقی پستی پھیلائی اور کھیل تماشوں کو فروغ دیا گیا، نیز مذہب کے مسلمہ امور کو مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی وغیرہ اور ان تمام باتوں کے حصول کے لئے عقل پرستی کو فروغ دیا گیا، یعنی عقل کو مذہب میں آخری فیصلہ کرنے والا قرار دینا اور ان تمام نظریات کو رد کرنا جو عقل سے مطابقت نہیں رکھتے۔

عقل پرستی:...... (Rotiondizotion) کی مزید تین شاخیں ہیں:

(۱)...... سیکولرائزیشن یعنی بنی نوع انسان کو آسمانی ہدایت اور پیغمبرانہ تعلیمات سے ہٹا کر آزاد اور باغی بنانا۔

(۲)...... ڈیموکرائیزیشن یعنی جمہوریت، اس کا مطلب نہ تو قطعاً آمریت کا خاتمہ اور نہ ہی عوام الناس کی رائے کا احترام کرنا بلکہ اس کا مطلب ہے معاشرے کے ذہین، صاحب علم اور ذمہ دار یعنی اہل الرائے اور اہل فتویٰ کو بے دخل کرکے ایسی جمہوری تنظیم قائم کرنا، جس کے پردے میں اہل باطل ساری دنیا میں اپنی آمریت قائم کرسکیں۔

(۳)...... کمرشلائزیشن یعنی تمام انسانی زندگی اور اس کی تگ و دو کو محدود کردینا اور تمام مادی اشیاء، خدمات، حتیٰ کہ فطری خواہشات کو خالص مادی پیمانے کے اعتبار سے قابل تبادلہ بنانا۔

سوال یہ ہے کہ اہل باطل ہم سے کیا چاہتے ہیں، وہ ہم کو اپنے دین سے کیوں دور کرنا چاہتے ہیں؟ دراصل یہ مغربی تہذیب، ایک دجالی تہذیب ہے اور یہودی سازش ہے ان کا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ دنیا انہیں ان کے عقیدے کے مطابق زندگی گزارنے دے، نہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ فلسطین میں انہیں ان کی آبادی کے مطابق ایک خطہ مل جائے بلکہ وہ دنیا کے غیر یہودیوں کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں اور پوری دنیا میں عالمی یہودی ریاست (New world order) قائم کرنا چاہتے ہیں، وہ اس حوالے سے تمام مذاہب کو رام کرچکے ہیں، سوائے اسلام اور مسلمانوں کے اور ان شاء اللہ وہ ایسا کربھی نہیں کرسکیں گے، لیکن بہر حال فرق ضرور پڑ گیا۔

چنانچہ اوپر کی تفصیل کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ دین کے پانچوں شعبوں پر عمل تو درکنار، وہ سنگین اور مہلک ترین گناہوں میں ملوث ہوگیا اور انتہا یہ کہ وہ ان کو گناہ بھی نہیں سمجھتا، جو کھلی بغاوت ہے۔

مفتی رشید احمد صاحبؒ نے اپنی کتاب "اللہ کے باغی مسلمان" میں ایک حدیث نقل کیا ہے:

کل امتی معافی الا المجاهرین۔ (متفق علیه)

یعنی "اللہ تعالیٰ چاہیں تو اپنی رحمت سے قیامت

تک آنے والی پوری امت کے پورے گناہ معاف فرمادیں گے، سوائے مجاہرین کے"۔

"مجاہرین" وہ لوگ ہیں، جو سر عام گناہ کرنے والے ہیں، جو نہ خالق سے شرمائیں، نہ مخلوق کا لحاظ کریں، سب کے سامنے کھلے بندوں گناہوں کا ارتکاب کریں، ان پر معافی کا دروازہ بند ہے، جب تک کہ علانیہ توبہ کر کے اس جرم سے باز نہ آجائیں۔

یہ عظیم ترین گناہ جنہیں عمومی طور پر گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا، ان کی تفصیل حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ نے یوں بیان کی ہے:

(۱)...... داڑھی منڈانا یا ایک مٹھی سے کم کرنا، یہ علانیہ بغاوت ہے۔

(۲)...... عورتوں کا شریعت کے مطابق پردہ نہ کرنا، آج کل اچھے خاصے دیندار لوگ بھی غیر محرم رشتہ داروں سے پردہ نہیں کرتے، حالانکہ شرعاً و عقلاً ان سے اغیار کی نسبت زیادہ پردہ ہے۔

(۳)...... مردوں کا شلوار یا لنگی نیچے لٹکا کر ڈھانکنا، اس گناہ کبیرہ میں بھی بہت ابتلاء ہے۔

(۴)...... تصویر بنانا، بنوانا، بلا ضرورت اپنے پاس رکھنا، تصویر بنوانے والی مجلس میں جانا۔

(۵)...... ٹی وی دیکھنا، یہ کئی گناہوں کا مجموعہ ہے، جسمانی صحت کے لئے تباہ کن اور دنیا و آخرت دونوں کی بربادی کا ضامن ہے۔

(۶)...... گانا بجانا، یہ ایک گناہ نہیں، بہت سے گناہوں کا سرچشمہ ہے۔

(۷)...... سود کی لعنت، سود لینا دینا، انشورنس یا کسی اور سودی ادارے میں ملازمت کرنا یا کسی بھی درجہ میں سود خوروں سے تعاون کرنا، سودی اداروں کو فائدہ پہنچانا، یہ سب کام قرآن وحدیث کی رو سے حرام اور موجب لعنت ہیں، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سود خوروں کے لئے اعلان جنگ ہے۔

(۸)...... غیبت کرنا اور سننا یہ دونوں سخت ترین گناہ ہیں۔

اس مغربی تہذیب کے مضر اثرات جس کے سبب آج ہم ان بڑے بڑے گناہوں میں ملوث ہو گئے اور گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھ رہے، اس کا حل قرآن وسنت پر عمل ہی ہے، جس کے لئے نیک ماحول کو اختیار کرنا ہوگا، بچوں کو ابتداء ہی سے نیک ماحول اور دینی مدارس سے تعلیم دلوانی ہوگی۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مجاز مولانا شاہ ابرار الحقؒ فرماتے ہیں، الحمدللہ دعوت وتبلیغ کی محنت امر بالمعروف سے مسلمانوں کے بہت بڑے طبقے نے دینی زندگی اختیار کی اور اس محنت سے بہتوں کو بہت فائدہ ہوا، لیکن اس دور حاضر میں امر بالمعروف کی محنت کے ساتھ ساتھ اس کے متوازی نہی عن المنکر کی محنت کی اشد ضرورت ہے، چنانچہ ہمارے زمانے میں مفتی رشید احمد صاحبؒ کے ساتھ ساتھ حضرت شاہ ابرار الحقؒ کے خلیفہ مجاز مولانا حکیم اختر صاحبؒ نے اس کا بیڑا اٹھایا، اس پر الحمدللہ خاصا کام کیا اور لوگ بھی خوب متوجہ ہوئے۔

حضرت حکیم صاحبؒ ولی اللہ بنانے والے پانچ اعمال بتایا کرتے تھے، مضمون کی مناسبت سے یہ پانچ اعمال یہاں بیان کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے:

(۱)...... قرآن پاک تجوید سے پڑھنا، کسی مستند قاری صاحب سے قرآن پاک کے حروف کی تصحیح کرانا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ورتل القرآن ترتیلا ...... یعنی قرآن کریم کے حروف کو تجوید اور وقف کی پہچان کے ساتھ پڑھو۔

(۲)...... ایک مشت داڑھی رکھنا، تینوں اطراف سے واجب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اعفوا اللحی واحفوا الشوارب ...... داڑھی بڑھاؤ اور مونچھوں کو کترواؤ۔

(۳)...... ٹخنے کھلے رکھنا مردوں کیلئے واجب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ما أسفل من الكعبين من الازار ففي النار ...... یعنی جو حصہ ٹخنے کا پاجامہ سے چھپے گا، وہ آگ میں جلے گا۔

(۴)...... نظروں کی حفاظت کرنا، نامحرم لڑکیوں اور بے ریش لڑکوں سے قرآن پاک میں ہے۔

قل للمومنين يغضوا من ابصارهم ...... یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مؤمنین سے فرما دیجئے کہ اپنی نظروں کی حفاظت کریں۔

(۵)...... دل کی حفاظت کرنا، گندے خیالات سے قرآن پاک میں ہے کہ:

يعلم خائنة الاعين وماتخفي الصدور ...... یعنی اللہ تعالیٰ باخبر ہیں آنکھوں کی خیانت سے اور جو کچھ سینوں میں پوشیدہ ہے۔

حکیم اختر صاحبؒ فرماتے ہیں، اپنی روحانی علاج کے لئے کسی باشریعت شیخ سے بیعت ہو جاؤ، جن سے تمہارا بلڈ گروپ ملتا ہو اور انہیں اپنے امراض بتا بتا کر اپنا علاج کراتے رہو۔

اسی طرح مولانا اسلم شیخو پوریؒ اپنے آخری بیان کے آخری حصے میں فرماتے ہیں کہ امت کا زوال، عروج میں کس طرح تبدیل کیا جا سکتا ہے، فرمایا: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس امت کے آخری لوگوں کا علاج اسی طرح ہو سکتا ہے، جس طرح امت کے پہلے حصے کے لوگوں کا ہوا، یعنی قرآن پر عمل کرنے سے، اسی طرح 1915ء میں مولانا ابوالکلام کا بیان نقل کرتے ہیں کہ زوال امت کا علاج قرآنی معانی بیان کرنے والے مرشدین پیدا کئے جائیں، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ جو بڑے نباض، امت کے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے بہت غور کیا کہ امت کے زوال کے اسباب کیا ہیں تو مجھے دو ہی چیزیں نظر آئیں:

(۱)...... امت کے اندر انتشار وافتراق

(۲)...... قرآن سے دوری

علامہ اقبالؒ کے مختلف اشعار کی تشریح کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ "تو قرآن کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتا اور شکوہ کرتا ہے مغربی سازشوں کا، تو ذلیل ہو رہا ہے، مگر قرآن پر عمل نہیں کرتا، عالم اسلام نے مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام اپنایا ہوا ہے"۔

مولانا فرماتے ہیں کہ "خدا کی قسم، قرآن اپنے آپ کو منوائے گا، پادری لاکھ اسے جلاتے رہیں، لیکن یہ کچھ نہیں کر سکتے، فرماتے ہیں کہ قرآن اگر اندر آجائے تو انسان بدل جائے اور یہ جہاں بدل جائے اور امت کا زوال عروج میں بدل جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں کو سمجھنے اور اللہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆

حجاج بن یوسف کی مغفرت کی امید

حجاج بن یوسف، خلفاء بنوامیہ کا انتہائی ظالم گورنر تھا، ایک لاکھ انسانوں کو اس نے اپنی تلوار سے قتل کیا تھا اور جو لوگ اس حکم سے قتل کیے گئے، ان کو تو کوئی گن ہی نہ سکا، بہت سے صحابہ اور تابعین کو قتل کیا، یا ان کو قید میں رکھا۔

حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ساری امتیں اپنے منافقین کو قیامت کے دن لے کر آئیں اور ہم ایک منافق حجاج بن یوسف کو پیش کریں تو ہمارا پلڑا بھاری رہے گا۔

حجاج بن یوسف جب کینسر کی بیماری میں مرنے لگا تو اس کی زبان پر یہ دعا جاری ہوگئی اور اسی دعا کو مانگتے مانگتے اس کا دم نکل گیا۔

"اے اللہ تیرے بندے بندیاں میرے بارے میں کہتے ہیں کہ تو مجھے معاف نہیں کرے گا، مگر مجھے سے امید ہے کہ تو مجھے معاف کردے گا، مجھے معاف کردے"۔ خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ان کی یہ دعا بہت اچھی لگی اور ان کو حجاج کی موت پر رشک آیا، جو توبہ کر کے مرا تھا، پھر جب حسن بصری رحمہ اللہ سے لوگوں نے حجاج کے اس فعل کا تذکرہ کیا تو آپ حیران ہوئے اور فرمایا، شاید خدا اس کو بخش دے۔

میری آپا



پروفیسر انوار احمد زئی

"اے بھیا! کیا اللہ میاں کے بچے نہیں ہیں؟"

"توبہ کرو آپا!"

"قل ھو اللہ احدO اللہ الصمدO لم یلد ولم یولدO"

"ہاں...... یہ تو مجھے بھی یاد ہے، نماز میں پڑھتی بھی ہوں، مگر میں نے یہ پوچھا ہے کہ......"

"بس بس آپا...... پہلے توبہ کرو، اس سورۃ کا مطلب ہی یہ ہے کہ کہو کہ اللہ یکتا ہے، اللہ سب سے بے نیاز ہے، نہ وہ کسی کی اولاد ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔"

"ائے، ھئے!...... میری توبہ...... یا اللہ مجھے معاف کردے...... مجھے معاف کردے مولا، یہ بات میں نے سوچی کیوں...... بھیا...... کیا اللہ میاں مجھے معاف

کردیں گے؟"

یہ مکالمہ...... ماں اور بیٹے کے درمیان تھا...... ماں میری دادی...... میری آپا تھیں...... اور ان کے بیٹے میرے والد، میرے بھائی جان، جب یہ بات میرے والد نے مجھے بتائی تھی تو میں نے شوخی سے اپنی سادہ لوح آپا سے پوچھا تھا کہ "آپا...... آپ نے یہ سوال بھائی جان سے کیا کیوں تھا؟" تو ان کی آنکھیں چھلک گئی تھیں...... وہ اتنے برس گزرنے کے بعد بھی اپنے سوال پر نادم اور خیال پر شرمندہ تھیں اور انہوں نے بتایا تھا کہ اس دن کے بعد سے ہر نماز کے بعد، ہر دعا کے موقع پر وہ اپنے رب سے اپنے اس سوال پر معافی مانگتی تھیں اور بار بار اپنے رب سے پوچھتی تھیں کہ کیا اس نے انہیں معاف کردیا، کبھی زیرلب...... کبھی باآواز بلند!!

میں آج بھی اپنی آپا کو جب یاد کرتا ہوں تو وہ مجھے اپنی بھیگی پلکوں کے ساتھ ہی نظر آتی ہیں...... شاید آج تک انہیں یہ سوال یاد ہے اور اس پر میرے والد اور ان کے بیٹے کا جواب بھی!!

حیرت کی بات یہ ہے کہ میری آپا نے یہ سوال اپنے بیٹے سے کیا تھا، اپنے شوہر یعنی میرے دادا قاضی شہر حافظ مفتی قاری حمید اللہ خاں سے نہیں کہ یہ سوال ان سے کرنے کا کبھی انہیں یارا نہ ہوا...... ان کا یہ سوال، اب میرے لئے سوال نہیں، بہت سارے سوالوں کا جواب بن گیا ہے...... یعنی یہ کہ وہ زمانہ کیا ہوگا، اس عہد کی خواتین کی سادگی کیا ہوگی، شوہر اور بیوی کے درمیان رعب اور حجاب کی دیوار کتنی مضبوط اور بلند اور فصیل قلعہ نما ہوگی اور یہ کہ اس سادگی میں بھی زندگی کتنی پرسکون ہوگی!!

آپا...... اپنی ہم عصر خواتین کی طرح قرآن پاک کی چند سورتوں کی بے پڑھے حافظ تھیں...... صوم وصلوٰۃ کی پابند، دین دار، خدا ترس، دل کی غنی اور دوسروں کا درد بانٹنے والی تھیں...... وہ اپنے شوہر کی خدمت کا استعارہ سمجھی جاتی تھیں...... مگر ان کا خیال آتا ہے تو پھر یہ سوچ سامنے آجاتی ہے کہ میری آپا جس عظیم شخصیت کی منکوحہ تھیں، وہ اپنے عہد کا علمی حوالہ تھی...... میرے دادا قاضی شہر تھے، مفتی وقت تھے، حافظ تھے، خوش الحان قاری تھے اور ٹونک کی چھوٹی سی مگر حفاظ، شعراء، ادباء اور چہار بیت کی رعایت سے مشہور بہت بڑی ریاست میں اپنا نام اور مقام رکھتے تھے، ان کا دسترخوان کشادہ اور مجلس وسیع تھی، دور دور سے علم فقہ، حدیث، تجوید اور تفسیر کے تعلق سے عام لوگ ہی نہیں بڑے، بڑے علماء ان کی محفل میں شرکت کے لئے آتے تھے، مگر دیکھئے، اس گھر میں عورتوں کے لئے الگ سی جگہ تھی...... یہ بُعد...... یہ دوری...... یہ فرق...... یہ امتیاز، سماجی تو تھا ہی، مگر اسے اخلاقی اور دینی درجہ بھی دے دیا گیا تھا، اس لئے شاید میری آپا نے اسی ماحول کو مقدر جانا تھا، اپنی اور ساتھی ہم عمروں کی طرح!!

مجھے معلوم ہے کہ اس عہد کی عورت کی اس مجموعی تصویر سے بھی میری آپا مختلف تھیں...... سادگی اور ایثار میں...... مجھے بتایا گیا تھا کہ جب میرے دادا نے دوسری شادی کا ارادہ ظاہر کیا تو شاید سب خوش تھے، حیرت زدہ کوئی نہ تھا...... مگر سب سے زیادہ خوش میری آپا تھیں اور حیرت زدہ بالکل نہیں تھیں...... پہلے دوسری کیفیت کا سبب جان لیتے ہیں، میری آپا اس لئے حیرت زدہ نہیں تھیں کہ اپنی اور معاصر خواتین اور سہیلیوں کی طرح وہ بھی اپنے نکاح کے روز ہی سے متوقع تھیں کہ ان پر کوئی نہ کوئی، کبھی نہ کبھی سوکن ضرور آئے گی، اس لئے کہ اس وقت مرد کی پہچان ہی شاید ایک سے زیادہ بیویوں سے ہوتی تھی...... اور ان کی خوشی کی وجہ ان کی فطرت کی سادگی تھی...... سنا ہے کہ انہوں نے اس خبر پر خوش ہوکر کہا تھا...... چلو اچھا ہے...... دن بھر دوستوں، عالموں اور طالب علموں میں گم اور مگن رہنے والے شوہر کی تنہا بیوی کو کوئی تو ساتھی نصیب ہوگا، جس کے ساتھ بیٹھ کر دستر

خوان سجا سکے گی اور کسی کو ہم پیالہ، ہم نوالہ کہہ سکے گی۔

میری آپا کا نام بوٹا بیگم تھا اور ان کی سوکن کا نام حمیرہ تھا، وہ انہیں چھوٹی کہتی تھیں اور چھوٹی میری آپا کو آپا کہتی تھیں، پھر یہ آپا کا لفظ میرے والد کی تتلاہٹ سے ادا ہوتے ہوئے تیسری نسل تک آیا تو آپا ہی کہلایا گیا۔

چھوٹی کا انتقال پہلے ہوگیا اور وہ جاتے جاتے اپنی دو اولادیں بھی میری آپا کو پالنے کے لئے دے گئیں...... چھوٹی کی دو اولادوں میں ایک قاری شریف احمد تھے اور دوسری طیب بیگم ہیں...... میری آپا کی واحد اولاد میرے والد قاری نور احمد خان تھے، میری آپا نے اپنے بیٹے کے ساتھ ان دونوں اولادوں کو بھی اس طرح پالا کہ ان کے ہوش یار ہونے تک انہیں خبر نہ ہوئی کہ ان کو جنم دینے والی اس دنیا سے جا چکی ہے، پھر یوں ہوا کہ چھوٹی کے مرنے کے بعد میرے دادا بھی صرف ۴۵ برس کی عمر میں دل کے دورے کے نتیجے میں رمضان کی تراویح کی امامت کرتے ہوئے رخصت ہوگئے، اس وقت میری آپا تیس سال کی جوان اور خوب رو خاتون تھیں، اپنی تینوں اولادوں میں سے دونوں بیٹوں کو آپا نے وہی رنگ دیا جو ان کے جوانی میں جدا ہوجانے والے لائق فائق شوہر نام دار کا تھا، چھوٹی کے بیٹے قاری شریف احمد خان کو حفظ بھی کرایا اور اپنے بیٹے قاری نور احمد خان کو برسرکار دیکھنے اور گھر کا کفیل بنانے کے لئے حفظ نہ کرنے کی قربانی پر بھی آمادہ کیا، یہی سبب ہے کہ میرے والد نے کبھی اپنی بہن اور بھائی کو سوتیلا نہ سمجھا، نہ کہا، نہ کہلوایا، نہ بتایا، جب یہ راز وقت کی درس گاہ کی فارغ التحصیل جیسی کیفیت سے سامنے آیا تو چھوٹی کی دونوں اولادوں نے میری آپا کے سینے سے لگ کر اور بلک بلک کر رو کر کہرام مچا دیا اور چیخ چیخ کر کہا کہ نہیں آپا نہیں...... تم ہی ہماری ماں ہوسکتی ہو، تم ہی ہماری ماں ہو۔

یہ میری آپا کی دعاؤں، قربانیوں اور دوسروں ا بھلا چاہنے کا انعام ہی تھا کہ میرے والد قاری نور احمد خاں، ٹونک سے پہلی ہجرت کرکے جے پور آگئے اور ایک ایسے بڑے، باوقار انتظامی عہدے پر فائز ہوئے جس کی تمنا اس وقت کے مسلمان کرتے تھے، مگر ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر کم کم ہوتا تھا، جب نیا ملک بنا اور میرے والد جناح کیپ اور شیروانی میں جو ان کا مرغوب و مطلوب لباس تھا، اپنے دفتر گئے تو کلکٹر نے انہیں دیکھ کر کہا، ڈپٹی صاحب، یہ لباس پہننا ہے تو پاکستان جائیے اور یہاں رہنا ہے تو نہرو کیپ کو اپنائیے، یہ سن کر میرے والد مسکرائے اور آپا سے اجازت لے کر نئے ملک چلے آئے، اس سے قبل میری پہلی والدہ عتیقہ بیگم اپنے عقد کے کچھ دن بعد ہی وبائی بیماری کا شکار ہوکر دنیا چھوڑ گئی تھیں۔

میرے والد اپنا مقتدر منصب چھوڑ کر بلکہ اس سے وابستہ سب ہی آسائشوں کو بھلا کر نئے ملک میں تکلیفوں اور آزمائشوں کا سامنا کررہے تھے، سنا ہے کہ جب میرے والد نے کسی شناسا کے ذریعے اپنے نئے ٹھکانے کا پتہ بھیجا تو میری آپا اور میری امی انور جمال مجھے گود میں لے کر عازم سفر ہوئیں اور جب راستے میں ریل ایک اسٹیشن پر رکی تو اس وقت کے دہشت گردوں نے حملہ کردیا، میری آپا اور میری امی دونوں مجھے لے کر ٹرین کے ٹائلٹ میں جا چھپیں اور اسے اندر سے مقفل کرلیا، حملہ آوروں کو جلد سے جلد نقل مکانی یا ہجرت کرنے والوں کو ٹھکانے لگانا تھا، اس لئے ان کے پاس مقفل ٹائلٹ کی طرف جانے کا فضول وقت نہ تھا اور یہ دونوں مجھ کم سن کے منہ پر اس طرح ہاتھ رکھے رہیں کہ میرے رونے کی آواز باہر نہ آنے پائے...... ٹرین چلی...... اور باہر کی خاموشی نے صدا دی تو دونوں مجھ سمیت باہر آئیں تو ریل کا ڈبہ صورت مقتل ان کے سامنے تھا، کچھ مسافر نیم بسمل تھے تو کچھ بے جان، نوجوان لڑکیاں نہ زخمیوں میں تھیں، نہ مرنے والوں میں...... انہیں روز مرنے کے لئے زندہ اٹھالیا گیا تھا...... میری آپا کو جب وہ دن یاد آتا تھا تو وہ رضائی اوڑھ کر لیٹ جاتی تھیں اور ہزار منتوں کے بعد بھی اٹھتی تھیں...... ہمیشہ میرے والد کا ایک جملہ انہیں اٹھنے پر مجبور کردیتا تھا...... وہ تنگ آکر کہتے تھے...... ”آپا! اس دن کا انعام تمہارا پوتا نہیں ہے کیا...... اس طرح بین کرنا کفران نعمت بھی تو ہوسکتا ہے“...... شاید وہ اس جملہ کی حقیقت پر ایمان تازہ کرنے ہی کے لئے میرے باپ کی آمد کا انتظار کرتی تھیں...... وہ یہ سنتے ہی اٹھ جاتیں، آنسوؤں سے دھلا منہ صاف کرتیں اور لپک کر مجھے سینے سے لگالیتیں، ان کے پیار کے لمس سے آج بھی میری مشام جاں معطر ہے، کوئی اور اس کی عطر بیزی کو محسوس کرے نہ کرے، میرے اندر ان بوسوں کی خوش بو آج بھی رچی بسی ہے اور اس وقت کہ میں یہ جملے لکھ رہا ہوں، میرے قلم کی نوک سے ہر طرف بکھر رہی ہے!!

میری آپا مجھ سے بے حد پیار کرتی تھیں...... کون دادی یا نانی اپنی اولاد کی اولاد سے پیار نہیں کرتی...... مگر شاید اس پیار کی شدت ناپنے کا بھی کوئی ”میٹر“ کوئی آلہ تو ہوگا، یہ آلہ جس سے پیار کیا جائے، اس کے اندر ہوتا ہے اور وہ پیار کرنے والے کے چلے جانے کے بعد بھی پیار کو بار بار ناپ کر پیار کئے جانے والے کے وجود کو آراستہ رکھتا ہے، میں اس کا گواہ ہوں، میری آپا، آج بھی مجھے جس شدت سے پیار کرتی ہیں اس کا اظہار میرے اندر کا آلہ کرتا ہے اور یہ آلہ جس کے پاس ہے وہ فرد میری طرح سرمایہ دار ہے، آسودہ حال، فاتح زمانہ، ہر وقت کا حاکم!!

میں اپنی آپا کی واحد اولاد کی سب سے بڑی اولاد ہوں، شاید وہ اس لئے سارا پیار مجھ پر نثار کرنے کے بعد جب کچھ بچ رہتا ہوگا تو وہ ارشاد اور اقبال کو دے دیتی ہوں گی، میری یہ خوش گمانی میرا اثاثہ ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپا اپنی الماری میں بہت سے حلوے بنا کر رکھتی تھیں، بادام کا حلوہ، پستے کا حلوہ، سوجی کا، بیسن کا، چنے کی دال کا، خوبانی کا، لوکی کا حلوہ اور بہت سارے مربے...... جب میں اسکول جانے لگتا تو وہ مجھے چپکے سے اپنی الماری کے حصار میں لے جاتیں اور اس کے دونوں ”پٹوں“ کے درمیان لے کر نہایت خفیہ کارروائی کی صورت میں پوچھتیں ”آج کون سا حلوہ لے جاؤ گے“ میں بتاتا، وہ مجھے مرتبان میں سے حلوہ نکال کر دیتیں اور الوداعی جملے تاکید کی صورت کہتیں ”کھیل گھنٹے میں کھا ضرور لینا اور ہاں بانٹ نہ دینا میں نے خاص تمہارے لئے بنایا ہے۔“

آپا ہر ایک کو چاہتی تھیں، سب سے پیار کرتی تھیں، محبت کرتی تھیں، نفرت نام کی چیز ان کی زندگی کی لغت میں نہیں تھی، مگر ایک دن انہوں نے مجھ سے سرگوشی میں کہا، ایسے جیسے چاہتی ہوں کہ یہ جملہ میری ماں نہ سن لیں، حال آں کہ وہ اپنی بہو سے کچھ نہیں چھپاتی تھیں، چھپانا ان کا شیوہ ہی نہ تھا...... مگر آج انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھ کر اپنے پاس بلا کر مجھ سے عجیب بات کہہ ڈالی تھی، جس کا مطلب میری سمجھ میں اس وقت نہیں آیا تھا، اب بھی کم کم آیا ہے اس لئے کہ اس جملے کی تفہیم کے لئے شاید ایک عمر کافی نہیں ہوتی...... انہوں نے کہا تھا ”سنو...... میں کسی سے جلتی نہیں ہوں، میں تو چھوٹی سے بھی کبھی نہ جلی، لوگوں نے بہت چاہا کہ میں جلوں، وہ میری سوکن تھی، تمہارے دادا کی دوسری بیوی، تمہاری چھوٹی دادی، مگر میں ان سے کبھی نہ جلی، مگر کبھی کبھی مجھے پتہ نہیں کیوں تمہاری نانی سے جلاپا سا محسوس ہوتا ہے، خدا مجھے معاف کرے، میں ان سے ڈرتی ہوں، ان سے مجھے ڈر لگتا ہے“...... میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا تھا ”مگر آپا، کیوں، کیوں ڈر لگتا ہے بوا جی سے“...... تو انہوں نے کہا تھا ”وہ بھی تم سے میری طرح بہت پیار کرتی ہیں نا...... کہیں وہ تمہیں مجھ سے چھین تو نہیں لیں گی۔“ میری آپا کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے، میں نے کہا نا...... میں اس جملے کی گہرائی کو اس وقت تو بالکل نہیں سمجھ پایا تھا، اس لئے اپنی گیند اٹھا کر باہر نکلتے ہوئے صرف اتنا کہہ سکا تھا ”کیوں آپا، بوا جی مجھے کیوں چھینیں گی“ مگر آج سوچتا ہوں...... میری آپا، میری بوا جی کی

شاید ایسی ہی رقیب تھیں، جیسی بوا جی، آپا کی...... بوا نے بھی جس طرح مجھے چاہا اور آپا کے بعد خود کو آپا کی تصویر بنائے رکھا، وہ اس نہ بھولنے والی رقابت کی دلیل ہے۔

مجھے یاد ہے میں ایک بار ابتدائی درجوں میں نمایاں نمبروں سے کامیاب ہوا تو میرے ماموں صاحب مجھے ستائش کے طور پر کراچی گھمانے لے گئے تھے اور وہاں میں نے پہلی بار سڑکوں پر ریل چلتے دیکھی تھی، جس کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ اسے "ٹرام" کہتے ہیں، اس طرح میں آپا کی زندگی میں طویل ترین مدت کے لئے ان سے دور رہا تھا، حال آں کہ یہ مدت صرف پانچ دن کی تھی، مگر وہ اس میں بھی بیمار پڑ گئی تھیں، جب میں واپس آیا تھا تو وہ مجھ سے روٹھی ہوئی تھیں، میں جب انہیں منانے کے لئے ان کا منہ اپنے ہاتھوں میں لیتا، وہ منہ دوسری طرف کر لیتیں، تین چار بار کی اس کوشش کے بعد بھی وہ نہ مانیں تو میں نے کہا "ٹھیک ہے آپا، میں پھر کراچی ہی چلا جاتا ہوں ہمیشہ رہنے کے لئے" یہ سن کر انہوں نے کم زوری اور بیماری کے باوجود پلنگ سے چھلانگ لگا کر مجھے یوں سمیٹ لیا تھا جیسے میں ان کے جسم کا حصہ ہی تو ہوں اور جسے جیتے جی ان سے کوئی الگ کر ہی نہیں سکتا...... تب ہی میں نے ٹونک کے کنویں سے نکل کر حیدر آباد کی باولی میں بند ہو جانے اور اسی عالم میں خود کو مطمئن سمجھنے والی آپا کو کراچی کی کشادہ سڑکوں اور ان پر چلتی ریل گاڑیوں کے قصے سنائے تھے اور وہ انہیں ایسے انہماک سے سن رہی تھیں جیسے ہم پریوں کے قصے ان ہی سے سنا کرتے تھے، نہ معلوم یہ انہماک اور توجہ قصے کے دلچسپ ہونے کے سبب سے تھی یا سنانے والے میں موجود دلچسپی کی وجہ سے!!

آپا کی دو بہنیں تھیں، ان کی چھوٹی بہن کا انتقال بھی جوانی ہی میں ہو گیا تھا، ان کے والد فرزند اکرام اللہ خاں کو بھی آپا نے اپنے پاس بلوا لیا تھا اور انہیں بھی وہ اپنی بہن کی نشانی سمجھ کر ماں ہی کی طرح کا پیار کرتی تھیں، ایک دن ہمارے رشتے کے چچا یعقوب نے آ کر بتایا کہ شہر کے کسی حصے میں فسادات پھوٹ پڑے ہیں، آپا نے فوراً پوچھا، اکرام اللہ کہاں ہے، چچا یعقوب نے کہا۔ "آپا اس کی فکر نہ کریں، میں اسے مارکیٹ میں چھوڑ آیا ہوں"...... بس یہ سننا تھا کہ آپا نے آسمان سر پر اٹھا لیا، کہنے لگیں۔ "ارے بدبخت تو اسے مار پیٹ میں اکیلا چھوڑ آیا، کہہ رہا ہے فکر نہ کروں۔" بڑی مشکل سے آپا کو بتایا گیا کہ وہ مارکیٹ میں ہیں، مار پیٹ میں نہیں اور مارکیٹ بازار کو کہتے ہیں، جہاں جھگڑا نہیں دکانیں ہوتی ہیں...... تب ان کی سمجھ میں آیا، مگر آج آپا ہوتیں تو پھر ان کی سمجھ میں گڑبڑ ہو جاتی، اس لئے کہ اب جہاں دکانیں ہوتی ہیں، وہیں جھگڑا ہوتا ہے، جہاں مارکیٹ ہوتی ہے، وہیں مار پیٹ ہوتی ہے، بل کہ دھماکے ہوتے ہیں، خوں ریزی ہوتی ہے...... آپا! دنیا بدل گئی ہے آپا!!

میں ساتویں کلاس میں تھا جب آپا کی طبیعت بگڑ گئی تھی، میرے ماں باپ دن رات تیمارداری میں مصروف رہتے تھے، آپا مجھے اپنے پلنگ کے قریب دیکھنا چاہتی تھیں...... ہر وقت، ہر لمحے...... میں جب اسکول جاتا تو وہ اشارے سے خدا حافظ کہتیں اور میری والدہ ان کے بے آواز آنسو پونچھتیں، وہ زیر لب کچھ کہتیں، میرے والد ان کے ہونٹوں کی لرزش کی ترجمانی کرتے ہوئے جواب دیتے۔ "ہاں آپا، انوار اسکول سے جلدی آ جائے گا۔"

اسی زمانے میں ساتویں کلاس میں ہمیں تاریخ کے مضمون کے حوالے سے کچھ اس طرح کا تاثر دیا گیا تھا کہ مغل شہنشاہ بابر کے وارث تخت شہزادہ ہمایوں کو کوئی ایسا مرض لاحق ہو گیا تھا کہ تمام طبیبوں، حکیموں نے جواب دے دیا اور ہر ایک اس کی زندگی سے مایوس ہونے لگا، یہ دیکھ کر بابر سے نہ رہا گیا اور اس نے اپنے عقیدے کی پختگی کے ساتھ اور قوت ارادی کو بروئے کار لا کر اپنے بیمار فرزند کے پلنگ کے گرد سات چکر اس دعا کے ساتھ لگائے کہ شہزادے کی بیماری اسے لگ جائے...... لوگ کہتے ہیں کہ ہوا بھی یوں ہی...... ہمایوں بہ تدریج صحت مند ہوتا گیا اور بابر بیماری کا شکار...... کچھ دن بعد شہزادہ ٹھیک ہو گیا اور بابر مر گیا، مجھ پر اس واقعے کا اثر اس کم عمری میں اس قدر ہوا کہ میں نے جب اپنے باپ کی آنکھوں میں آنسو چھپے دیکھے، جو اس بات کی علامت تھے کہ میری آپا کی بیماری شدید نوعیت کی ہے تو میں نے ایک رات جب میرے بھائی جان اپنی ماں کی مسلسل تیمارداری کرتے کرتے تھک کر سو گئے تھے تو میں جوان کے برابر والے پلنگ پر سوتا تھا، اٹھا اور چپکے چپکے، دبے پاؤں، بہت احتیاط کے ساتھ اپنی آپا کے پلنگ کے چکر لگانے لگا...... نیت وہی تھی کہ میری آپا اچھی ہو جائیں اور جو ہونا ہے وہ مجھے ہو جائے، سات چکر لگا کر مجھے لگا بھی ایسے جیسے مجھے چکر آ رہے ہوں، میں بے حد مسرت اور اطمینان سے اپنے بستر پر آ لیٹا اور سوچنے لگا کہ صبح ہوتے تک میری آپا اچھی ہو جائیں گی اور میں...... مگر یہاں بھی اولاد بچ گئی، جیسے بابر والے قصے میں اولاد ہی بچی تھی، آپا تمہاری قوتِ ارادی مجھ سے شدید نکلی!!

آپا کا علاج شہر کے نامی حکیم کر رہے تھے، وہ ڈاکٹر کی دوا کی قائل نہ تھیں، بھائی جان (ابا) انہیں لاکھ سمجھاتے کہ آپا ڈاکٹر کی دوا زود اثر ہوتی ہے، مگر وہ کہتیں نہیں تمہارے باپ کا خیال تھا کہ ڈاکٹروں کی دوا میں خمر، خمار، نشہ، شراب جیسے اجزا ہوتے ہیں، اس دوا سے شفا کی بجائے ایمان پر مرجانا بہتر ہے، تم خمیرہ گاؤزبان لے آؤ اور تخم ملنگاں کا شربت بنا لو، شربت بزوری اور شربت بنفشہ...... ان میں سے جو مناسب ہو لے لو...... زندگی ہے تو شفا ہو جائے گی اور اگر یہ مرض...... مرض الموت ہے تو اس کا علاج کیا؟...... آپا کا ذہنی ارتقا انہیں کہاں سے کہاں لے آیا تھا، خدا شناسی کی خواہش سے خدا سپردگی کی منزل تک!!

میرے اسکول میں میری پروگریس پوچھنے کے لئے میرے والد کبھی نہ آئے تھے...... یہ کام شاکر ماموں کیا کرتے تھے اور بلا فصل اور بلا تعطل...... وہ اپنے شیڈول کے مطابق میرے اسکول آتے، میرے اساتذہ سے ملتے اور ہر بار واپس جا کر یہی کہتے کہ اس کے اسکول جانا تو بے کار ہے، تمام ٹیچرز اس طرح اس کی تعریف کرتے ہیں، جیسے میں اس کی پروگریس لینے نہیں گیا، رشتہ مانگنے گیا ہوں...... مگر وہ دن بہت عجیب تھا، بہت عجب بہت بھیانک، بہت پراسرار...... آج بھی اس کا اسرار قائم ہے، راز باقی ہے! میں نے اپنی کلاس کی کھڑکی سے اپنے والد کو ہیڈ ماسٹر کے کمرے کی جانب جاتے دیکھا تھا، میں سوچ رہا تھا، یہ میرے بھائی جان ہی ہیں نا، مگر یہاں کیوں؟

تھوڑی دیر بعد چپراسی نے آ کر ہمارے کلاس ٹیچر سے کہا کہ انوار کو ہیڈ ماسٹر صاحب نے اپنے کمرے میں بلوایا ہے اور بستے کے ساتھ بلوایا ہے، میں نے اپنی کتابوں اور بستے کے ساتھ اپنی حیرت کو بھی سنبھالا...... خدا خیر کرے، کون سی شکایت ہے کہ اچانک پہنچی اور وہ آن ٹپکے، ہیڈ ماسٹر کے کمرے کے باہر ہی بھائی جان موجود تھے، کہنے لگے، میں نے تمہارے ہیڈ سے چھٹی لے لی ہے، آؤ چلتے ہیں، میں حیرت زدہ تو تھا ہی پوچھا۔ "بھائی جان خیریت" وہ شگفتگی سے کہنے لگے۔ "ہاں، ہم نے سوچا، کبھی تمہارے اسکول نہیں آئے، آج نکل آتے ہیں، تمہارے ہیڈ تمہاری تقریروں کی بہت تعریف کر رہے تھے" ہم اسکول سے باہر نکلے اور تانگے میں بیٹھ گئے، بھائی جان آج بار بار مسکرا کر مختلف باتیں کر رہے تھے، پھر انہوں نے ایک ہوٹل پر تانگہ رکوا لیا، کہنے لگے۔ "آؤ آج ہوٹل میں کھانا کھاتے ہیں" میں نے انہیں یاد بھی دلایا کہ آپ اور ابا جی (نانا) تو کہتے ہیں ہوٹل میں کھانا اچھا نہیں ہوتا (اس وقت ہوٹل میں کھانا شرافت سے گری ہوئی بات سمجھی جاتی تھی، آج اعلیٰ شرافت یا اشرافیت کی علامت سمجھی جاتی ہے) بھائی جان نے جواب میں کہا " کبھی کبھی یہ تجربہ بھی کر لینا

چاہئے"...... ہم ہوٹل میں آئے، بھائی جان نے کھانے کا آرڈر دیا...... کھانا آیا...... انہوں نے کہا، کھاؤ مزیدار لگتا ہے، میں نے کہا تو آپ بھی آئیں نا، کہنے لگے...... میرا روزہ ہے نا یار تم کھاؤ...... یہ بات بھی عجب سے بھرپور تھی، مگر مکالمے کا یارانہ تھا، میں نے کھانا کھایا اور پھر ہم دونوں باپ بیٹے تانگے میں آ بیٹھے، بھائی جان نے تانگہ شاید دن بھر کے لئے کیا تھا، وہ راستے میں سمجھاتے رہے کہ زندگی کیا ہے، اسے امانت کیوں کہتے ہیں، محبت کیا ہے، اسے نازک کیوں کہتے ہیں...... ساتویں کلاس کی عمر سے زیادہ کے موضوعات سہی، مگر مجھے بھائی جان خود اجنبی سے الگ رہے تھے، جیسے کہہ رہے ہوں کہ جو روپ آج میں تمہارے سامنے لا رہا ہوں، وہ اجنبی سا ضرور ہے مگر اسے ملائے بغیر تم کبھی اپنے باپ کو نہ سمجھ پاؤ گے اور یہ روپ ہر باپ پیش کرنے کا روادار ہوتا بھی کہاں ہے۔

تانگہ گھر کے سامنے رک گیا تو حقیقت بھی میرے سامنے آچکی تھی، بہت سارے لوگ جمع تھے، کفن کھلا تھا، اندر آہ و بکا کی آوازیں تھیں، مجھے سنبھال کر اتارا گیا، شاکر ماموں سامنے تھے، میں نے پوچھا "میری آپا؟"...... شاکر ماموں نے مجھے سینے سے لگانا چاہا، مگر شاید میں گر چکا تھا...... بہت دیر بعد لوگوں کے حصار میں اپنے گرنے کی وجہ سے سر کی چوٹ سے زیادہ دل کی چوٹ کی گہرائی کا اندازہ ہوا...... میری آپا مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھیں، سنا ہے کہ وہ جاتے جاتے اپنی قمیص کو اپنی آنکھوں سے لگائے زیر لب گویا تھیں...... وہ ان کہے جملے کبھی نہ سنائی دیں گے، مگر انہیں سنائی دیں گے جو آپا کی آواز کو آج بھی سن سکتے ہیں!!

میری آپا! تمہاری آواز تو لوگ نہیں سن سکتے، مگر تم تو میری آواز سن سکتی ہونا...... تو سنو...... میں نے سنا ہے کہ اس دن تمہارے جانے کی خبر کو قرینے سے سنانے کے لئے ہی تمہارے چہیتے بیٹے نے اپنے چہیتے بیٹے کے اسکول جانے کا فیصلہ کیا تھا...... حال آں کہ شاکر ماموں جانا چاہتے تھے، مگر بھائی جان نے انہیں روک دیا تھا...... پتہ ہے کیوں آپا...... تاکہ وہ راستے میں مجھے اس خبر کو سننے اور تمہاری جدائی کے صدمے کو سہنے کے لئے تیار کرسکیں اور ہاں آپا...... وہ مجھے کھانا کھلاسکیں...... ظاہر ہے میں اس خبر کے بعد کھانا کیسے کھاتا اور نہ کھاتا تو تمہیں پتہ چل جاتا ہے، شاید اسی لئے بھائی جان نے خود نہ کھایا اور مجھے کھلا دیا...... آپا، دیکھا...... کون ہوگا جو اپنی ماں کے جسد خاکی کو کفنانے اور دفنانے سے پہلے اس کے پیارے اس کے پوتے کی اتنی دل داری کرے، ایسی خبرداری کرے جو تمہاری روح کو شاد اور مطمئن کرسکے...... ہے نا آپا، عجیب بات ہے...... شاید ہر ایک کے لئے عجیب، تمہاری سادہ مزاجی کی طرح اور تمہارے پہلے والے سوال کی طرح عجیب۔

مگر آپا...... آخر میں ایک بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا اور وہ یہ کہ میں تو یہاں تک آکر بات ختم کرچکا تھا اور لائبریری میں اس تحریر کو مکمل سمجھ رہا تھا مگر شاید تم نے یہ جانا کہ ابھی تحریر مکمل نہیں ہوئی ہے، اس لئے آخری جملے کے بعد جب میری آنکھیں بھیگ گئی تھیں تو تم نے عباب اور آمنہ کو اچانک لائبریری میں بھیج دیا، ان دونوں نے مجھے آب دیدہ دیکھ کر پوچھ لیا۔ "ننھے! آپ رو رہے ہیں؟" اور میں ان سے چھپا نہ سکا۔ میں نے کہا۔ "ہاں میرے جسم کے ٹکڑو!...... میں جس کے جسم کا ٹکڑا ہوں اس پر مضمون لکھتے لکھتے رو پڑا ہوں، سنو! وہ میری دادی تھیں...... میری آپا، ان پر لکھتے وقت آنسو چھلک پڑے ہیں...... آپا!" یہ سن کر ان دونوں بچیوں نے میری بہتی ندیوں پر اپنے ہاتھ سے بندھ باندھ دیئے اور مجھے ایسے لگا، جیسے میں دادی کے لئے رو رہا تھا تو میری دادی نے میری پوتیوں کو اپنا کام کرنے کے لئے اچانک لائبریری میں بھیج دیا۔

آپا...... میرے آنسو تم ہی نے پونچھے ہیں نا!!!

☆......☆......☆

تذکرہ ایک عظیم عورت کا

آمنہ بنت سفیر احمد



کہتے ہیں "ہر کامیاب مرد کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے"...... اب وہ عورت ماں کے روپ میں بھی ہوسکتی ہے، بہن اور بیوی کے روپ میں بھی...... تاریخ پر غور کریں تو یہ حقیقت صحیح طرح آشکارہ ہوجاتی ہے۔ آیئے، ایک ایسی ہی عظیم عورت کے احوال پڑھتے ہیں، جس کی آغوشِ تربیت میں ایک عظیم انسان نے جنم لیا اور شہرت اور ترقی کے عروج کی منازل پر پہنچ گیا۔

آج میں جس عظیم ہستی پر قلم اٹھانے کی جسارت کررہی ہوں، ان کے بارے میں جتنا لکھا جائے، کم ہے، صبر واستقلال کی پیکر، عبادت گزار، شکر گزار، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت کرنے والی اور اپنے بیٹے کی ایسی مثالی تربیت کرنے والی، جو برصغیر پاک وہند میں ایک عظیم علم کا مینار بن کر ابھرا، یہ خاتون جنہیں رابعۂ وقت بھی کہا جاسکتا ہے، سیدہ خیر النساء ہیں، والدہ ماجدہ حضرت مولانا ابوالحسن علی

ندویؒ......

۱۲۹۵ھ بمطابق ۱۸۷۸ء کو دنیا فانی میں آنکھ کھولنے والی خیر النساء کو ابتداء سے ہی مذہبی لگاؤ تھا، اپنے شوق سے اپنے بھائی سید عبید اللہ سے قرآن حفظ کرنا شروع کیا اور تین سال کی مدت میں قرآن پاک حفظ کرلیا، پھر رمضان میں مزے لے کر پوری رات ایک پارہ تراویح میں پڑھتی تھی اور ساتھ اور عورتیں بھی شروع میں شریک ہوجاتی تھیں، علی میاں (ابوالحسن علی ندویؒ) کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں چھپ کر دیر تک والدہ صاحبہ کا قرآن کھڑا سنتا رہا، وہ تراویح پڑھا رہی تھیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے بارش ہورہی ہے، وہ لطف آج تک نہیں بھولتا، محترمہ خیر النساء کے والد محترم کے ایک بہت قریبی دوست تھے، ان کے بیٹے حضرت حکیم عبدالحئی سے ۱۳۲۲ھ میں خیر النساء کی شادی انجام پائی، عبدالحئی کی پہلی بیوی کا انتقال ہوچکا تھا اور یہ ان کی دوسری شادی تھی۔

خیر النساء کے والد کے گھر میں ہر چیز کی ریل پیل تھی جبکہ اس کے مقابل حکیم عبدالحئی کے گھر میں غربت کا ڈیرا تھا، ان کے گھر میں مال و دولت کی جگہ علم کا ڈھیر تھا۔

خیر النساء کی شادی کے بعد بھی ان کے گھر اکثر فاقوں کی نوبت آتی، کئی کئی دن فاقہ ہوتا، کیونکہ ان کے شوہر حکیم عبدالحئی کی کوئی آمدنی نہیں تھی جبکہ ان کے والد کی جو آمدنی تھی، وہ حد درجے کم تھی، ادھر محترمہ خیر النساء کی والدہ محترمہ کو بہت فکر رہتی تھی، کسی نہ کسی کو بھیج کر معلوم کرواتیں کہ گھر میں کچھ ہے یا نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خیر النساء کو بہت فراست دی تھی کہ جب بھی کوئی میکہ سے آتا تو فوراً ہانڈی میں پانی بھر کر چولہے پر چڑھا دیتی تاکہ آنے والا مطمئن ہوکر واپس جائے۔

پھر جب مولانا حکیم عبدالحئی نے مطب کھولنے کا ارادہ کیا اور خیر النساء سے اس بارے میں مشورہ کیا تو انہوں نے ہمت دلائی، مطب شروع ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دی کہ دیکھتے ہی دیکھتے گھر کا نقشہ بدل گیا، کچا مکان ایک پختہ حویلی میں تبدیل، جس گھر میں فاقہ رہتا تھا، یہاں کے لوگ دوسروں کے محتاج تھے، اب اس گھر میں مہمانوں کا سلسلہ شروع ہوگیا اور دوسروں کو کھلانے والے بن گئے۔

اس کے بعد بہت اچھے طریقے سے زندگی رواں دواں تھی کہ ایک سال کے اندر دو مہینے کے وقفے سے محترمہ خیر النساء کی والدہ محترمہ اور سسر دونوں کا انتقال ہوگیا، یہ سال (۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۹۰۸ء) اس خاندان کے لئے گویا عام الحزن (غم کا سال) ثابت ہوا۔

اب فرحت و مسرت و خیر و برکت کے ساتھ گزرنے والے خاندان پر اچانک پھر یعنی ۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ بمطابق ۲ فروری ۱۹۲۳ء کو قیامت آئی، ہوا یہ کہ مولانا عبدالحئی کے چچا مولوی سید عزیز الرحمٰن کو کچھ چوٹ آگئی تھی، مولانا عبدالحئی نے اپنی اہلیہ خیر النساء صاحبہ کو ان کے گھر عیادت کے لئے بھیج دیا، ادھر مولانا عبدالحئی نے اپنے کام کئے، ندوہ کے کاغذات پر دستخط کئے، پھر گھنٹہ دو گھنٹہ میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کے صاحبزادے علی میاں اپنی والدہ خیر النساء کو لینے گئے، اس وقت علی میاں کی عمر نو سال تھی اور جب خیر النساء کو اس سانحے کی اطلاع ملی تو وہ سجدہ میں گر گئیں۔ یہ کوئی چھوٹا حادثہ نہ تھا، لیکن صبر و استقلال کی پیکر یہ خاتون اللہ کی رضا میں راضی تھیں۔

دوسرے دن ۳ فروری ۱۹۲۳ء مولانا حکیم عبدالحئی کو خاندان بزرگوں کے پہلو میں دفنانے کے لئے رائے بریلی لائے اور یہاں ہی ان کو مدفون کیا گیا، پھر خیر النساء رائے بریلی میں ہی رہ گئیں کیونکہ مولانا عبدالحئی کی کوئی نہ جائیداد تھی اور نہ ہی جاگیر اور نہ کوئی آمدنی۔ مگر خیر النساء نے اپنی فطری ہمت اور اولوالعزمی سے اپنے بچوں کو محسوس ہونے ہی نہیں دیا کہ وہ یتیم ہوگئے ہیں اور ان پر سے ان کے والد کا سایہ اٹھ گیا ہے، ان کی وفات کے بعد

خیر النساء کے دو مشغلے تھے:

(۱) دینی کتابوں کو لکھنا اور عموماً اس کام کے لئے انہوں نے اپنے صاحبزادے مولانا ابوالحسن علی ندوی کو منتخب کیا ہوا تھا۔ (۲) دوسرا مشغلہ خیر النساء کا وظیفہ، دعا اور عبادت کرنا تھا۔ انہوں نے بے شمار تصنیفات کیں اور بڑی دانش مندی و حکمت کی باتیں کیا کرتی تھیں۔

ایک جگہ لکھتی ہیں:...... ''خاتون جب قلم اٹھاتی ہے تو اس طرح نقش قائم کرتی ہے اور اجتماع و علم النفس کی باتیں اور معاشرے کی تصویریں کو سادہ رواں جملوں میں اس طرح پیش کردیتی ہے کہ وہ زندہ اور متحرک معلوم ہونے لگتی ہے۔''

سسرال میں ضرورت سے زائد شرم کرنے پر لکھتی ہیں:...... ''محض دلہن نہ بنی رہو، محل شرم و حیا دیکھ کر شرم کرو، زیادہ کوئی چیز اچھی نہیں ہوتی، بڑوں کے سامنے ادب سے سلام کرو اور بیٹھ جاؤ اور پردہ والوں سے پردہ کرنا کافی ہے، زیادتی شرم سے کام خراب ہوجاتا ہے۔''

اسی طرح ایک اور جگہ کام کی عادت کے سلسلے میں لکھتی ہیں:...... ''ہر کام کی عادت ڈالنا چاہئے، کسی وقت بیکار نہ رہو، اکثر بیکار رہنے والوں کو دیکھا ہے، سات آٹھ بجے تک سوتے رہتے ہیں، اگر کوئی کرنے والا ہو تو خیر، ورنہ اکثر مرد خود کرلیتے ہیں، کس قدر شرم کی بات ہے کہ بی بی صاحبہ لیٹی یا بیٹھی رہیں اور مرد پریشان پھر رہے ہیں۔''

ایک اور جگہ دعا اور معمولات کے بارے میں لکھتی ہیں:...... ''تم دنیا کے سارے کام کرتی ہو اور دن بھر دنیا کے دھندے میں لگی رہتی ہو، محنت کرتی ہو، تھکتی ہو، اگر تھوڑا وقت اس کے لئے (دعا کے لئے) نکال لو تو تمہیں دنیا و آخرت کا فائدہ حاصل ہوجائے گا اور تم اللہ کے دوست ہوجاؤ گی، انہیں دعاؤں کی برکت سے مجھے وہ حاصل ہوا کہ میرا دل جانتا ہے، میں اس منعم حقیقی کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔

میں کس قابل تھی جہاں میں اے لوگو
مگر سب کچھ دیا اس نے بلا کے

جب علی میاں لکھنؤ پڑھنے کے لئے گئے تو والدہ محترمہ نے وقتاً فوقتاً خطوط کے ذریعے سے اپنے اس صاحبزادے کی تربیت کی، ان خطوط کے بارے میں علی میاں خود فرماتے ہیں کہ ان خطوط میں ان کے دلی جذبات کا آئینہ بلکہ ان کے کمالات اور خداداد صفات کا مرقع ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بالکل ان کو وہی طریقہ عطا فرمائے ہیں، جو ان کی زندگی کا اصل جوہر تھا۔

آگے چل کر فرماتے ہیں، یہ خطوط ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں، اگر ان کی زندگی کی کوئی اور علمی اور دینی یادگار اس کے سوانح ہوتی تو یہ خطوط ہی کافی تھے۔

والدہ صاحبہ کی سب سے بڑی خواہش اور فکر یہ تھی کہ میں اپنے بڑے بھائی عبدالعلی کے اشاروں پر چلوں اور ان کی ہدایات پر آنکھ بند کرکے عمل کروں، وہ بجا طور پر ان کو ہمہ وقت خاندان کی عظمت کا نشان سمجھتی تھیں، ہمارے خاندان میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے اور ان کی تفسیر موضوع القرآن کو (جو ان کے قدیم تراجم کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے) ہمیشہ اہمیت دی گئی اور اس کو ایک طرح سے عورتوں اور پڑھے لکھے مردوں کے نصاب میں سمجھا گیا، معلوم ہوتا ہے کہ بھائی صاحب کی تاکید کے باوجود میں نے روزانہ اس کے پڑھنے اور دیکھنے سے غفلت برتی اور زیادہ تر ادبی اور سطحی کتابوں کے مطالعے میں منہمک رہتا تھا، بھائی صاحب نے غالباً کسی خط میں والدہ صاحبہ سے اس کی شکایت کی، اس پر والدہ صاحبہ نے ایک طویل خط لکھا، جس کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

''...... جب تم یہاں تھے تو عبدو نے خاص طور پر لکھا تھا کہ شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ روز دیکھا کرو اور غور کیا کرو، مگر تم نے ان کے حکم کی تعمیل نہ کی، میں تلاش کرکے لائی اور روز کہتی رہی اور تم ٹالتے

رہے اور مکرو سکرو کتابوں میں مشغول رہے، مجھے سخت ناگوار گزرا تھا، مگر اس قدر بدخیالی نہیں ظاہر تھی، اس خط کو دیکھ کر جس قدر مجھے تکلیف ہوئی، کہہ نہیں سکتی، یوں تو اس وقت کی حالت دیکھ کر مجھے بھی اطمینان نہیں تھا، مگر اس وقت تمام امیدیں خوفناک صورت میں نظر آتی ہیں، علی! یہ نالائقی تمہاری سخت تکلیف دے رہی ہے، مجھے تم سے یہ امید تو نہ تھی، مجھے یہ خیال تھا کہ تم اپنے رفیق بھائی کے بالکل ہم خیال اور فرمانبردار ہو، اسی خیال سے مجھے اطمینان تھا، مگر افسوس ہے کہ ایسے بھائی جو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھے اور اپنی تمام ہمت تربیت میں صرف کرنے کو تیار رہے، اس کی کوششوں کو ہیچ سمجھ کر تمام حقوق کو بھول جاؤ اور لاپرواہی اور خودمختاری پر تو یہ وہ رفیق بھائی ہے، جس نے ایسے وقت میں تم پر ہاتھ دھرا کہ سوائے خدا کے کوئی نظر نہیں آتا تھا، میں تمہاری تعلیم کے لئے بلبلاتی تھی، وہ خود ہی پریشان تھے، مگر خود ہی محبت گوارا کی، جو کچھ تمہیں حاصل ہوا انہیں کے فیض سے، دیکھو، یہ علم ہے، عمل اسے کہتے ہیں، تم ادب میں ہزار بڑھ جاؤ تو عبدو کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور نہ وہ خوبیاں پیدا کر سکتے ہو، کیونکہ اس وقت کے خیالات یہ موقع ہی کب دیں گے، عبدو ایسا عالم اور قابل شخص اگر اس وقت میں دیکھنا چاہو تو نہیں پا سکتے، تمہارے خاندان کی ہر خوبی کا نشان عبدو ہیں۔"

اس کے علاوہ بھی محترمہ نے بے شمار خطوط لکھے، جن کا ایک ایک لفظ حکمت سے بھرپور ہے۔

۱۳۶۶ھ بمطابق ۱۹۴۷ء میں خیر النساء کراچی کے راستے سے اپنے صاحبزادے علی میاں، صاحبزادی شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ اور حضرت جی مولانا یوسفؒ کے ساتھ حج پر تشریف لے گئیں۔ علی میاں کہتے ہیں کہ اس سفر میں قدم قدم پر جو غیبی مددیں، جو بے سمان و گمان آسانیاں، جو راحت کے سامان، جو فضائے جہاز کی حمیت، جو سرزمین حجاز پر خدا کی مددیں اور دستگیریاں ہوئیں، ان کو بس والدہ صاحبہ کی مقبولیت اور ان کی ضعیفی اور کبرسنی پر رحم و کرم کا نتیجہ سمجھتا ہوں، ان کے ذوق و شوق میں جو متعدد بار پیش آئے، کمتر ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔

مل گیا ذوق طلب کو اک جہانِ جستجو
اور ہمت بڑھ گئی ہے سعی لاحاصل کے بعد

حج سے واپسی پر خیر النساء کا قیام زیادہ تر رائے بریلی میں ہونے لگا، کبھی اپنے بڑے بیٹے کی خواہش پر لکھنؤ میں ہفتوں اور مہینوں قیام کرتیں۔

مگر جب ۲۱ ذی قعدہ ۱۳۸۰ھ بروز شنبہ بمطابق ۷ مئی ۱۹۶۱ء کو جب ان کا بھی انتقال ہو گیا تو اب خیر النساء کا قیام مستقل رائے بریلی میں ہی ہو گیا، پھر جب ۱۳۸۱ھ بمطابق ستمبر ۱۹۶۱ء میں رائے بریلی میں بہت سخت سیلاب آیا، تو مجبوراً ایک سال لکھنؤ چلی گئیں، جمادی الاول ۱۳۸۲ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۶۲ء میں لکھنؤ سے رائے بریلی واپس ہوئی پھر اس کے بعد لکھنؤ نہیں گئیں، بریلی ہی میں انتقال ہو گیا۔ ان کے صاحبزادے علی میاں کہتے ہیں کہ جب سے ہوش سنبھالا، اس وقت سے اپنی والدہ ماجدہ کو تہجد گزار دیکھا اور سحری کے وقت میں وظائف اور مناجات کرتے ہوئے پایا، آنکھ تہجد میں کھل جاتی، مگر اس کے باوجود الارم لگانے کا بھی بے حد اہتمام رکھتیں، نیز گھڑی صحیح رکھنے اور طلوع و غروب کے صحیح وقت معلوم کرنے کا بڑا اہتمام رکھتی تھیں، علی میاں کو بڑا دیکھنا چاہتی تھیں، کبھی کبھار علی میاں سے پوچھتیں، علی! تمہارے ہاتھ میں کبھی کوئی مسلمان ہوا ہے؟ میں کہتا کہ ہاں، اکا دکا، کبھی کسی نے کلمہ پڑھا ہے، فرماتیں کہ یہ آرزو ہے کہ جماعت کی جماعتیں تمہارے ہاتھ پر مسلمان ہوں۔

ایک روز بڑی ٹھنڈی سانسیں لے رہی تھی، ان کی

چھوٹی بیٹی نے کہا کہ آخر آپ کیا چاہتی ہیں؟ کیا آپ کی خواہش ہے کہ علی نبی ہو جائیں؟ فرمایا کہ کیا میں نہیں جانتی کہ نبوت ختم ہو گئی؟ میری آرزو ہے کہ ان کے ہاتھ پر جماعتوں کی جماعتیں اسلام لائیں اور دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اسلام کا ڈنکا بج جائے۔

محترمہ خیر النساء نے مناجات بھی کہیں ہیں۔ دنیا کی بے ثباتی پر ان کی ایک طویل نظم ہے، جس کا ردیف قافیہ ہے "جو آج ہے وہ کل نہیں" اس کے چند اشعار ہیں:

اے مومنو! ہوشیار ہو آج ہے وہ کل نہیں
سوتے ہو کیوں بیدار ہو جو آج ہے وہ کل نہیں
کرنا ہے جو کر لو ابھی کیا زندگی کا آسرا
ہو عیش یا آرام ہو جو کچھ بھی ہو سب ہے فنا
مفلس ہو یا زردار ہو جو آج ہے وہ کل نہیں
جو کچھ کہ دیکھا ہم نے یہاں وہ خواب تھا بھولا ہوا
کیوں دل نہ اس سے زار ہو جو آج ہے وہ کل نہیں

تہجد میں اس قدر روتی تھیں کہ جائے نماز تر ہو جاتی تھی اور کبھی اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے دنیا کی خواہش نہیں کی، بس اللہ رسول کی محبت، دینی خوبیاں اور دینی خدمت کی توفیق ہی کی ہمیشہ دعا کرتی تھیں۔

آخری ایام میں بھی باوجود تکلیف، بے چینی کے نمازوں کا اہتمام رہا اور تسبیح کا معمول برابر جاری رہا اور جب بہت زیادہ تکلیف ہوتی تو فرماتیں، یا اللہ ہماری خطاؤں کو معاف فرما۔

آخری شب کو جبکہ بے چینی اور بے قراری بہت بڑھ چکی تھی، ان کی تسلی کے لئے ان کی نواسی ریحانہ نے کہا کہ اگر کوئی مناجات یا نعت سنائیں تو فوراً بول اٹھیں، ضرور سناؤ تو اس پر ان کی نواسی ریحانہ نے مناجات شروع کی۔

آخری دن بروز اتوار کو صبح طبیعت میں کچھ سکون تھا، فجر کی نماز ادا کی، چاشت کا وقت آیا، قریب والوں نے کہا، ابھی ظہر کا وقت نہیں ہوا، مگر انہوں نے تیمم کیا، اس وقت ہلکی سی غفلت زیادہ ہو گئی، اس کے باوجود چاشت کی دو رکعت پڑھی، جس کا پوری زندگی اہتمام رہتا تھا، نماز ظہر کا وقت آیا تو ان کے صاحبزادے علی میاں نے اپنی ہمشیرہ سے کہا کہ نماز پڑھی، خود تیمم کیا اور پوری طرح کیا اور پھر نماز ظہر ادا کی، نماز کے بعد ان کا ہاتھ کسی چیز کو تلاش کر رہا تھا، معلوم ہوا کہ تسبیح تلاش کر رہی ہیں۔

تین بجے زور زور سے سانس کے ذریعے ذکر کرنے لگی، ان کے اس زور زور سے ذکر کو سن کر گھر کے لوگ جمع ہو گئے، پونے تین گھنٹے ذکر کرتی رہیں، ایسا معلوم ہوتا کہ اللہ کی خاص رحمت نازل ہو رہی ہو، خاندان کے لوگوں نے سورہ یٰسین پڑھنی شروع کر دی۔ پونے چھ بجے (شام کے) کے وقت ذکر منہدم ہو گیا، معلوم ہوا کہ روح جسم فانی سے جدا ہو گئی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

اس وقت ان کی عمر ۹۳ سال تھی۔ مرنے کے بعد لوگوں پر وحشت اور غم کا عالم کئی دن تک طاری رہتا ہے، مگر یہاں معاملہ برعکس تھا کہ ہر کوئی مطمئن تھا اور ان کی خوش نصیبی اور خوش بختی پر ہر ایک کو رشک تھا، نماز فجر سے پہلے غسل دیا گیا، تمام سنتوں کا غسل میں خیال رکھا گیا۔

آٹھ بجے کے قریب علماء، صلحاء، طلباء اور تبلیغی جماعت کے افراد کے ایک بڑے مجمع نے نماز پڑھی، نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے پڑھائی۔

پھر اپنے شوہر (حکیم سید عبدالحئی) کے پہلو کے پاس ہمیشہ کے لئے سپرد خاک ہو گئیں، یہ عجیب اتفاق ہے کہ آپ کا اور آپ کے شوہر کا انتقال جمادی الاخریٰ میں ہوا۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ولیمہ مسنونہ کا غیر مسنون طریقہ

محمد عبداللہ میمن

ہر انسان کے لئے کسی مناسب عورت سے نکاح ہوکر ایک رفیق زندگی کا میسر آجانا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، جس سے دلی خوشی اور مسرت ہوتی ہے اور اس مسرت کا حق ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا بھرپور شکر ادا کیا جائے، جس میں اپنی دلی مسرت وشادمانی کا اظہار بھی ہو، ولیمہ اس اظہار مسرت کی عملی شکل ہے۔ جس میں یہ حکمت بھی محسوس ہوتی ہے کہ اس کے ذریعے نکاح کرنے والے مرد اور اس کے گھرانے کی طرف سے خوبصورتی کے ساتھ اس کا اعلان واظہار ہوجاتا ہے کہ اس رشتے سے ہم کو اطمینان اور خوشی ہے اور ہم اس کو اللہ تعالیٰ کی قابل شکر نعمت سمجھتے ہیں جس کے نتیجے میں نو بیاہتا عورت اور اس کے گھر والوں کو بھی اطمینان ہوجاتا ہے اور اس سے باہمی تعلق اور مودت میں مزید اضافہ ہوتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور ذاتی طرز عمل دونوں سے اس کی اہمیت ظاہر فرمائی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف پر (یعنی ان کے کپڑوں پر یا جسم پر) زردی کا کچھ اثر دیکھا تو ان سے پوچھا، یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ایک عورت سے کھجور کی گٹھلی کے وزن کے برابر سونے پر شادی کی ہے۔ (یعنی اس کا مہر اتنا مقرر کیا ہے) آپ نے فرمایا: اللہ تمہیں مبارک کرے اور ولیمہ کی دعوت کرو، اگرچہ ایک بکری ہی ہو۔ (بخاری شریف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اولم ولو بشاة" کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ ولیمہ ضرور کرو، اگر اس کے لئے صرف ایک بکری میسر آئے تو وہی ذبح کردو۔

اس کے علاوہ عملی طور پر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے نکاح کے وقت ولیمہ فرمایا، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کے نکاح پر ایسا ولیمہ نہیں کیا جیسا کہ زینب بنت جحش کے نکاح کے موقع پر کیا کہ ایک بکری کے ذریعے ولیمہ کیا"۔

(جامع الاصول، جلد ۷، ص ۴۹۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری ذبح کر کے ولیمہ کیا، جو بذات خود معمولی درجہ کا ولیمہ تھا، لیکن دوسری ازواج مطہرات سے نکاح کرتے وقت جو ولیمہ فرمایا وہ اس سے بھی مختصر اور معمولی

تھا جیسا کہ اگلی احادیث سے صاف ظاہر ہورہا ہے۔

چنانچہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ولیمہ فرمایا، اس کے بارے میں روایت ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خیبر سے واپسی پر ابھی آپ سفر میں ہی تھے کہ آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور ان کے ساتھ شب باشی کی (پھر آپ کے حکم پر) میں نے مسلمانوں کو آپ کے ولیمہ کی دعوت دی اور اس ولیمہ میں روٹی گوشت کچھ نہیں تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستر خوان بچھانے کا حکم فرمایا، پھر لوگوں نے اس دستر خوان پر کھجور، پنیر اور مکھن وغیرہ جمع کردیا۔ (یہی آپ کا ولیمہ تھا)

(بخاری شریف، کتاب النکاح)

گویا کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی طرف سے کسی چیز کا انتظام نہیں کیا، بلکہ ہمراہیوں کے پاس جو کچھ کھانے کی اشیاء تھیں، وہ لے آئے، دستر خوان پر رکھ دیں، سب نے ساتھ مل کر اس کو کھالیا، اس طرح آپ کا ولیمہ ہوگیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی سے نکاح کے وقت صرف ستو اور کھجور کے ذریعے ولیمہ کیا۔ (ابوداؤد، کتاب الاطعمۃ)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج مطہرات سے نکاح کے موقع پر صرف دو مد جو کے ذریعے ولیمہ فرمایا۔ (بخاری شریف، کتاب النکاح)

ایک اور روایت ہے:

یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ولیمہ کرتے تھے جس میں بسا اوقات گوشت روٹی وغیرہ کا التزام نہیں ہوتا تھا۔ (موطا امام مالک، کتاب النکاح)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر یہ واضح کردیا کہ ولیمہ کرنا اگرچہ میری سنت ہے، لیکن اس میں سادگی اختیار کرنا بھی میری سنت اور میرا طریقہ ہے، اگر کوئی شخص ولیمہ میں سادگی چھوڑ کر تکلفات اختیار کرے گا، وہ حقیقت میں میری سنت کو ادا کرنے والا نہیں ہوگا۔

ایک نظر ادھر بھی:...... اب ذرا ہم اپنے گھروں میں ہونے والی شادیوں پر نظر ڈالیں کہ ایسے مواقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کو کیا حیثیت دی جاتی ہے، کیا اس کی ادائیگی ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کے مطابق کرتے ہیں؟ یا سنت کا نام لے کر اپنے من مانے انداز میں اسے انجام دے کر اس سنت کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس ایک سنت پر عمل کرنے کے نام سے ہم کتنے بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، اس کا مختصر سا جائزہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

• ذرا اک نظر ادھر بھی خدارا
بپاس مروت بنام محبت

فرض سے زیادہ سنت کا اہتمام:...... وہ حضرات جو اپنی شادی کے موقع پر یا اپنی اولاد کی شادی کے موقع پر ولیمہ مسنونہ کا اہتمام کرتے ہیں، وہ ذرا اپنی روزمرہ کی زندگی کا جائزہ لیں کہ شریعت کی جانب سے ان پر جو فرائض و واجبات عائد ہوتے ہیں، وہ ان کو بھی ادا کررہے ہیں یا نہیں؟ کیا وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے فرائض انجام دے رہے ہیں؟ کیا وہ اپنی اولاد عزیز واقارب بیوی اور ماں باپ کے حقوق واجبہ ادا کررہے ہیں؟ کیا وہ اپنے پڑوسیوں کے حقوق ادا کررہے ہیں؟ کیا اس کے علاوہ دوسرے فرائض و واجبات جو ان پر عائد ہورہے ہیں، ان کو ادا کررہے ہیں؟ اگر نہیں ادا کررہے ہیں تو ان کو چاہئے کہ پہلے ان کی ادائیگی کی فکر کریں، اس لئے کہ اگر ان فرائض اور حقوق واجبہ کو ادا

نہیں کیا تو قیامت کے روز ہم سے باز پرس ہوگی کہ تم نے ان کی ادائیگی کیوں نہیں کی تھی؟ جب کہ کسی سنت کے ترک ہوجانے پر ایسا مواخذہ نہیں ہوگا، چنانچہ اگر ان فرائض کو تو ادا کردیا، لیکن ولیمہ مسنون صحیح طریقے پر ادا نہ ہوسکنے کی وجہ سے چھوڑ دیا تو قیامت کے دن آپ سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ تم نے ولیمہ کیوں نہیں کیا تھا؟..... مگر ہمارے طرز عمل سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت نے جو فرائض و واجبات ہم سے متعلق کیتے ہیں وہ تو ضروری نہیں رہے، البتہ یہ سنت فرض ہوگئی ہے خواہ کسی بھی طریقہ سے ہو، بس ہونی چاہئے، یہ بات بہت خطرناک ہے کہ شریعت کے کسی بھی فعل و عمل کی حیثیت میں تبدیلی کرلی جائے، اس سے بچنا ضروری ہے۔

قرض لے کر ولیمہ کرنا:..... ولیمہ کرنا سنت ہے لیکن اس وقت جب آپ کے اندر ولیمہ کرنے کی وسعت اور گنجائش ہو، اگر آپ کے پاس اتنی وسعت اور گنجائش نہیں، آپ ولیمہ نہ کریں، لیکن موجودہ معاشرے میں ولیمہ کو عزت کا مسئلہ بنالیا گیا ہے، اپنی عزت بچانے کی خاطر ولیمہ ضرور کرنا ہے، چاہے اس کے لئے ہمیں بھاری قرض ہی لینا پڑے، اس لئے کہ اگر ہم نے ولیمہ نہ کیا تو خاندان، کنبہ اور برادری کے لوگ ناک منہ چڑھائیں گے، برا بھلا کہیں گے اور یہ طعنہ دیں گے کہ اگر تم نے ولیمہ نہیں کیا تو ہم بھی تمہیں اپنے یہاں نہیں بلائیں گے، سسرال والے یہ طعنہ دیں گے کہ کیا کسی بیوہ سے نکاح کیا ہے کہ صرف نکاح کرلیا، ولیمہ کا کھانا بھی نہیں کھلایا اور جس کی شادی ہوتی ہے وہ یہ سوچتا ہے کہ شادی کون سی روز روز ہونی ہے، زندگی میں ایک ہی بار تو یہ موقع آتا ہے، لاؤ ذرا دل کی بھڑاس نکال لیں، چنانچہ وہ دوسرے اخراجات کے علاوہ ولیمہ کے لئے بھی بھاری اخراجات اپنے سر لے لیتا ہے اور اگر وہ اپنے پاس ان اخراجات کی گنجائش نہیں پاتا تو دوسروں سے قرض لے کر ان اخراجات کو پورا کرتا ہے، اس طرح ولیمہ کرنے سے نام تو ہوجاتا ہے کہ ماشاء اللہ خوب دعوتِ ولیمہ کی ہے، چند روز کے لئے واہ واہ ہوجاتی ہے، لیکن وہ قرض جو سر پر آگیا ہے، سانپ بن کر ڈستا رہتا ہے، اب ہر وقت قرض کا مطالبہ کرنے والے پیچھے پڑے رہتے ہیں، زندگی کا چین وسکون سب رخصت ہوجاتا ہے۔

یہ سب اس لئے ہوا کہ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سادہ طریقہ پر ادا نہیں کیا، کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قرض لے کر ولیمہ کیا تھا؟ ہرگز نہیں کیا، تو ہم قرض لے کر ولیمہ کیوں کرتے ہیں؟ کیا سنت پر عمل کرنے کے لئے کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں، بلکہ اپنا جی خوش کرنے کے لئے، دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے، خاندان اور برادری کو خوش کرنے کے لئے اور نام ونمود کی خاطر ایسا ولیمہ کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ جب اس ولیمے کے ذریعے ہمیں پریشانیاں ہی ملیں گی، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کے ثواب کا حصول تو بہت دور کی بات ہے، آج کل کے دور میں ایسے لوگ بہت کم رہ گئے ہیں، جن کا مقصد دعوت ولیمہ سے سنت رسول کا ثواب حاصل کرنا ہو۔

مختصر ولیمہ:..... آج کے دور میں جب ولیمہ کی دعوت دی جاتی ہے تو کوشش یہ ہوتی ہے کہ تمام عزیز واقارب، واقف کار، دوست احباب، اڑوسی پڑوسی اور دور دراز کے تمام واقفین کو بھی دعوت دی جائے، ان سب کو دعوت دینے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف تو خوب نام روشن ہوگا اور واہ واہ ہوگی کہ اتنی بڑی دعوت کی، اتنے ہزار افراد کو بلایا، ان کے پاس بڑی دولت ہے، حالانکہ اندر کا حال ان کو کیا معلوم کہ اتنی بڑی دعوت صرف قرض کے بل بوتے پر کی جارہی ہے بلکہ آج کل یہ سب ہی کو اس کا اندازہ ہے کہ یہ سب کچھ رونق کسی کی جوتیوں کا طفیل ہے۔

اور دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر ان سب کو ہم نے دعوت نہیں دی تو کل کو یہ طعنہ دیں گے کہ سب کو بلایا، ہم کو نہیں بلایا، اگر ہمیں دعوت دیتے تو کیا کمی واقع

ہوجاتی، بس اس طعنہ سے بچنے کے لئے یہ کوشش ہوتی ہے کہ کوئی دور کا عزیز یا دوست اور پڑوسی بھی اس دعوت سے نہ رہ جائے۔

لیکن اس سلسلے میں بھی ہم یہ نہیں دیکھتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح ولیمہ فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے افراد کو ولیمہ کی ضیافت میں شرکت کی دعوت دیا کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل تو یہ تھا کہ وقت پر جتنے صحابہ کرام جمع ہوتے، بس ان کو کھانا کھلا کر ولیمہ کردیتے ہیں، اس چیز کا تکلف نہیں تھا کہ فلاں شخص کو بھی بلاؤ، فلاں کو بھی بلاؤ، وہاں یہ بات نہ تھی کہ اگر فلاں کو نہیں بلایا، وہ ناراض ہوجائے گا۔

اب اگر ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے یہ کریں کہ ولیمہ میں زیادہ بھیڑ بھاڑ جمع نہ کریں بلکہ اختصار اور سادگی کے ساتھ بقدر گنجائش چند افراد کو کھانا کھلا کر دعوت ولیمہ کی سنت ادا کریں تو اس سے ان شاء اللہ سنت پر عمل کرنے کا ثواب بھی مل جائے گا اور بہت سی زحمتوں اور تکالیف سے محفوظ رہیں گے۔

البتہ ہوسکتا ہے کہ اس صورت میں چند روز خاندان اور برادری کے لوگ آپ کو برا بھلا کہیں، بہت سے لوگ طعنہ دیں تو اس کا واحد علاج یہی ہے کہ آپ ان کے کہنے کی پرواہ نہ کریں بلکہ آپ یہ سوچیں کہ میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کررہا ہوں، اگر سنت پر عمل کرنے کے نتیجے میں مجھے کوئی طعنہ دے یا کڑوی کسیلی بات سنائے تو میرا اس میں کیا نقصان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ چین وسکون کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو اس کا راستہ صرف یہی ہے کہ شریعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کام آپ اپنے حق میں بہتر سمجھتے ہیں، وہ کر گزریں، اس کام کے کرنے پر اگر لوگ آپ کو برا کہیں یا طعنہ دیں، اس کی آپ بالکل پرواہ نہ کریں، لوگوں کے طعنوں کو سننے کے لئے آپ اپنے اندر ہمت اور حوصلہ پیدا کریں، اس کے بغیر آپ دنیا میں سکون کی زندگی نہیں گزار سکتے، اگر آپ نے اپنے اندر ہمت اور حوصلہ پیدا نہیں کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جہاں آپ نے کسی کام کے کرنے کا ارادہ کیا، وہیں لوگوں نے طعنہ دینا شروع کردیا، بس آپ نے فوراً وہ کام ترک کردیا یا آپ نے کوئی خاندانی رسم ترک کرنے کا ارادہ کیا اور دوسری طرف خاندان والوں نے کوسنا اور برا بھلا کہنا شروع کردیا، بس آپ نے ان کے کہنے سے متاثر ہوکر اس رسم کے ترک کا ارادہ ختم کردیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے اندر ہمت اور حوصلہ نہیں ہے، آپ اپنی مرضی پر خود عمل نہیں کرسکتے، آپ دوسروں کی خواہشات پر چلنے والے ہیں، یاد رکھئے! ایسا شخص دنیا میں اپنا کوئی مقام نہیں بنا سکتا، کوئی بڑا مرتبہ یا بڑا منصب حاصل نہیں کرسکتا جو دوسروں کی مرضیات وخواہشات پر چلنے والا ہو، دنیاوی طور پر بھی حوصلہ مند انسان وہی ہوتا ہے جو دوسروں کی مرضیات پر چلنے کے بجائے ان کو اپنی مرضیات پر چلنے پر مجبور کردے، اسی طرح آپ دین و شریعت کے معاملے میں حوصلہ مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دینی امور پر دوسروں کو چلانے کی کوشش کریں، خلاف شریعت باتوں میں ان کے پیچھے پیچھے چلنا شروع نہ کردیں۔

یہی ہمت اور حوصلہ آپ ولیمہ کی دعوت میں بھی اختیار کریں، آپ اگر اپنی وسعت کے مطابق قرض لئے بغیر عزیز واقارب کو دعوت دے سکتے ہیں، دعوت دیں، دعوت ولیمہ کرنا سنت ہے، لیکن اس دعوت کے لئے قرض لینے کی ہرگز ضرورت نہیں، اس لئے کہ وہ قرض طوق کی طرح آپ کے گلے میں اٹکا رہے گا، لہٰذا قرض لے کر ولیمہ کرنا اور پھر اس کو اتارنے کی فکر میں لگ جانے سے بہتر یہ ہے کہ آپ سادگی سے بقدر وسعت ولیمہ کرلیں، ان شاء اللہ اس طرز عمل سے آپ کو ولیمہ کی سنت کا پورا پورا ثواب بھی ملے گا اور سنت کی ادائی کی برکت اور مسرت بھی شامل حال ہوگی۔

دعوت ولیمہ میں کھانے کے اقسام:...... دعوت ولیمہ میں دوسری زیادتی یہ کی جاتی ہے کہ بجائے اس کے کہ صرف ایک ہی قسم کھانا پکا کر دعوت کردیں، یہ کیا جاتا ہے کہ کئی قسم کے کھانے تیار کرائے جاتے ہیں، اگر بریانی اور زردہ ہے تو اس کے ساتھ قورمہ، شیرمال اور نان کو بھی شامل کیا جاتا ہے، پھر اس پر بھی اکتفا نہیں کیا جاتا، بلکہ کھیر یا انڈے کا حلوہ یا کسٹرڈ بھی شامل کیا جاتا ہے اور پھر قورمہ بھی مرغی کے گوشت کے علاوہ بکرے یا گائے کے گوشت سے تیار کرنے کو اپنی شان سے کمتر خیال کیا جاتا ہے، چاہے اخراجات کتنے ہی زیادہ ہوجائیں، لیکن قورمہ مرغی کا ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

اس کا مقصد صرف اپنی بڑائی اور اپنی دولت مندی کا اظہار ہوتا ہے، حالانکہ ان چیزوں کا اظہار کر کے کوئی شخص کتنا بھی بڑا بننے کی کوشش کرے، وہ کبھی بڑا نہیں بن سکتا، وقتی طور پر تو لوگ واہ واہ کرلیں گے، آپ کی بڑائی کے گیت گائیں گے، لیکن اس کے آگے کچھ حاصل نہیں ہوگا، بلکہ اس قسم کی پرتکلف دعوت سے لوگوں کے دلوں میں آپ کی طرف سے حسد پیدا ہوجائے گا، جس کی وجہ سے لوگ آپ کی دولت دیکھ کر آپ کے دشمن ہوجائیں گے۔

لہٰذا ان تمام تکلفات کو چھوڑ کر سادگی سے ولیمہ کیجئے اور سنت رسول پر عمل کیجئے، ہاں اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت مال عطا فرمائی ہے تو پھر ولیمہ میں کئی اقسام کے کھانے کھلانے میں بھی کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ تفاخر اور اپنی دولت مندی کا اور بڑائی کا اظہار مقصود نہ ہو۔

دعوت ولیمہ کے لئے کارڈ:...... ولیمہ مسنونہ میں ایک اسراف یہ کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو دعوت دینے کے لئے قیمتی اور نفیس قسم کے کارڈ چھپوائے جاتے ہیں، کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایسا کارڈ چھپوائیں جو بالکل ممتاز ہو، اس سے پہلے کسی نے اس طرح کا کارڈ نہ چھپوایا ہو اور ہزاروں روپے صرف کارڈوں پر خرچ کردیئے جاتے ہیں، حالانکہ اس سے مقصد صرف دعوت ولیمہ کی اطلاع دینا ہوتا ہے اور یہ اطلاع زبانی بھی دی جاسکتی ہے اس کے لئے کارڈ چھپوانا کوئی ضروری نہیں، صرف ایک کارڈ پر دس دس روپے کی لاگت آجاتی ہے اور حاصل کچھ نہیں۔

اور کارڈ پر پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھوایا جاتا ہے اور اس کے نیچے بڑی سرخی میں لکھا جاتا ہے۔ ''ولیمہ مسنونہ'' لیکن اس پوری دعوت میں جو خرافات اور خلاف شریعت امور انجام پاتے ہیں، ان سے اس لفظ ''مسنونہ'' کا صراحۃً مذاق اڑایا جاتا ہے، کہاں ولیمہ مسنونہ اور کہاں موجودہ دور کی دعوت ولیمہ؟؟!!

پھر جب وہ کارڈ مدعوئین کے پاس پہنچتے ہیں، تو صرف ایک مرتبہ ان کو پڑھنے سے دعوت کی اطلاع ہوجاتی ہے اور اس کارڈ کا مقصد پورا ہوجاتا ہے، اس کے بعد اس کارڈ کا کیا مصرف ہے؟ آگے اس کا کوئی مصرف نہیں ہوتا، بس اب یہ ردی کی ٹوکری اور پھر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں اضافہ کا باعث بن جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کارڈ پر تحریر شدہ بسم اللہ اور مبارک ناموں کی بے حرمتی ہے، اس بے حرمتی کی وجہ سے تمام داعین اور مدعوئین گناہ اور اللہ کے غضب کے مستحق بن جاتے ہیں، لہٰذا اگر ہم دعوت دینے کے لئے بجائے کارڈ چھپوانے کے صرف زبانی دعوت دینے پر اکتفا کرلیں اور کارڈ کے چھپوانے میں جو اخراجات آتے، اس سے کسی غریب، مفلس اور نادار کی مدد کریں تو ہم اللہ کی رحمت اور ثواب کے مستحق ہوجائیں گے۔

البتہ آج کل کا دور مشینی دور ہے، ہر شخص مشین کی طرح اپنے کام میں مصروف ہے اور ہر شخص کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ بذات خود تمام مدعوئین کے پاس جا کر زبانی دعوت دے جبکہ کارڈ کے ذریعے دعوت میں یہ آسانی ہے کہ خود جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ کسی بھی ذریعے سے کارڈ ان تک پہنچ جائے تو اس کو کافی سمجھا جاتا ہے، اس

ضرورت کے پیش نظر اگر کارڈ چھپوانا ناگزیر ہو تو پھر سادہ کاغذ پر سادہ عبارت میں دعوت کی تحریر لکھ کر اس کی فوٹو اسٹیٹ کروالیں، یا زیادہ مقدار ہے تو طباعت کروالیں، لیکن اس کے لئے قیمتی قسم کا کارڈ اور لفافہ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ اس پر ''بسم اللہ'' تحریر کریں۔

ولیمہ مسنونہ اور ویڈیو فلم:...... اوپر جن خرابیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ تو وہ ہیں جو ولیمہ مسنونہ کے انعقاد سے پہلے ہی انجام پا جاتی ہیں اور اب ذرا ان برائیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے جو عین دعوت ولیمہ کے وقت انجام دی جاتی ہیں اور ان میں سے سرفہرست ویڈیو فلم بننا ہے (رہی سہی کسر موبائل نے پوری کردی ہے)۔

ویڈیو فلم ہماری ہر دعوت کا لازمی جزو بن چکا ہے، آج کے دور میں شاید ہی کوئی دعوت ہوگی جو اس لعنت سے پاک ہو، ورنہ ہر دعوت چاہے وہ دعوت ولیمہ ہو یا دعوت عقیقہ، دعوت نکاح ہو یا کوئی دوسری دعوت اور چاہے وہ کسی رئیس اور مالدار گھرانے میں دعوت ہو، یا کسی غریب اور مزدور کی دعوت، کوئی بھی اس ناسور سے خالی نہیں، اس لعنت کو آج کے دور میں عزت اور شرافت اور ترقی کا معیار خیال کیا جاتا ہے، جسے ہم صرف مغرب کی اندھی تقلید کرتے ہوئے اختیار کرتے ہیں اور اس کو اختیار کرنے والے کو مہذب اور شائستہ ہونے کا لقب دیا جاتا ہے اور اسے اختیار کرنے والے پر قدامت پرست اور دقیانوس کے القاب چسپاں کئے جاتے ہیں اور اس کی تردید کرنے والے پر غیر مہذب کے الفاظ کسے جاتے ہیں۔

خرد کا نام جنوں، جنوں کا نام خرد رکھ دیا گیا ہے، آج کے دور میں اُلٹی گنگا بہہ رہی ہے، مغرب کی تقلید نے ہمیں اندھا کردیا ہے اور ہماری عقلوں کو مسخ کردیا ہے، آج اگر کوئی شخص مغرب کی تقلید نہ کرتے ہوئے دعوت میں ویڈیو فلم کا اہتمام نہ کرے تو ہونا چاہئے تھا کہ اس کے اس فعل کی تحسین کی جاتی اور اس کی ہمت بڑھائی جاتی کہ اچھا ہوا تم نے اس دعوت کو اس لعنت سے پاک رکھا، لیکن اس کے بجائے اسے غیر مہذب اور دقیانوس کا نام دیا جاتا ہے، صرف اس لئے کہ اس شخص نے شریعت کے حکم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اس لعنت کو اختیار نہیں کیا، اگر اس ویڈیو بننے کی برائیاں اور خرابیاں دیکھی جائیں تو معمولی عقل وشعور رکھنے والا اور شرم وحیا کا پاس رکھنے والا انسان ہرگز اس کو برداشت نہیں کرے گا، ہاں، مغرب کی اندھی تقلید نے جس کی عقل کو مسخ کر کے رکھ دیا ہو اور جو شخص شرم وحیا اور غیرت کی تمام حدود سے آزاد ہوچکا ہو، وہی شخص اس گندے اور ناپاک فعل کا ارتکاب کرے گا، آیئے ہم ذرا اس کی برائیوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ عام طور پر ویڈیو فلم بنانے کے لئے کسی فلم میکر کو بلایا جاتا ہے، جو پوری دعوت ولیمہ کی فلم تیار کرتا ہے اور اس کے ساتھ دو تین ہیلپر ہوتے ہیں، جو سرچ لائٹ اور تار وغیرہ اٹھانے کا کام سرانجام دیتے ہیں اور عام طور پر وہ بالکل اجنبی اور غیر محرم اشخاص ہوتے ہیں اور وہ لوگ فلم تیار کرتے ہیں، ان کو اس دعوت میں ہر جگہ جانے کی عام اجازت ہوتی ہے، چاہے وہ مردانہ حصہ ہو یا زنانہ حصہ اور صرف اجازت ہی نہیں ہوتی، بلکہ ان کی رہنمائی کی جاتی ہے کہ وہاں جا کر فلم بناؤ، ان کی تصاویر بھی آنی چاہئے، فلاں جگہ ابھی باقی رہ گئی ہے، حتیٰ کہ مردانہ اور زنانہ حصوں کا کوئی کونہ اور کوئی فرد ایسا باقی نہیں رہتا، جس کی تصویر اس فلم میں نہ آئی ہو اور صرف ایک مرتبہ ہی نہیں بلکہ مختلف پوز میں کئی بار تصویریں کھینچی جاتی ہیں تاکہ ہر شخص کی تصویر چاہے وہ مرد ہو یا عورت، پوری طرح تمام زاویوں کے ساتھ آجائے۔

ظاہر ہے کہ اس طرح آزادی کے ساتھ اجنبی مردوں کا عورتوں کے درمیان گھومنا پھرنا بے غیرتی اور بے حیائی نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اس صورت میں فتنہ اور برائی کا اندیشہ اور زیادہ قوی ہوجاتا ہے جب نوجوان لڑکیاں مکمل میک اپ اور زیب وزینت کی پوری آب وتاب کے

ساتھ دعوت میں آئی ہوں اور ہر لڑکی زیب و زینت اور بناؤ سنگھار میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں ہو اور یہ بے غیرتی اور بے شرمی اس وقت اپنے انتہا کو پہنچ جاتی ہے، جب نوجوان لڑکیاں فلم میکر سے یہ مطالبہ کرتی ہیں کہ ان کی تصویر فلم میں بالکل نمایاں اور واضح صورت میں آئے اور صرف ایک ہی نہیں، بلکہ کئی تصاویر آنی چاہیے جو مختلف زاویوں اور مختلف پوز سے لی جائیں، تاکہ پوری فلم میں ان کی تصویر ان کا حسن وجمال، ان کا لباس، ان کا زیور، ان کا بناؤ سنگھار ہی نمایاں ہو۔

ان سب چیزوں کا مقصد صرف اپنی نمائش ہوتی ہے، تاکہ بعد میں جب لوگ یہ فلم دیکھیں گے تو پوری فلم میں ہم ہی ہم نظر آئیں گے اور لوگوں کی سوالیہ نظریں ہماری طرف ہی اٹھیں گی کہ یہ خاتون کون ہیں جو حسن وجمال میں جنت کی حور معلوم ہو رہی ہیں۔

یہ تو فلم کی تیاری کے دوران کی حالت تھی، فلم کی تیاری کے بعد اب وہ فلم وڈیو کیسٹ کی صورت میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگئی، اب آپ جب چاہیں اس فلم کو وی سی آر اور سی ڈی پلیئر کے ذریعے دیکھ سکتے ہیں اور اس کی نقل اور کاپی بھی بنا سکتے ہیں، اب ہر شخص کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ میں یہ فلم دیکھوں، تاکہ ان تمام لوگوں کو چاہے وہ مرد ہوں یا عورت، اطمینان کے ساتھ گھر پر بیٹھے ان کی تصویر دیکھوں، جو اس دعوت میں شریک ہوئے تھے، اس لئے کہ دعوت کے دوران تو زنانہ پارٹیشن میں جانا عزت کے خلاف تھا، اس لئے نہیں گئے، اس کیسٹ اور سی ڈی نے یہ مسئلہ بھی حل کردیا، اب عزت کا کوئی سوال نہیں۔

اب وہ وڈیو کیسٹ اور سی ڈی تمام عزیز واقارب، تمام دوست احباب اور تمام پڑوسیوں کے گھر پر چکر لگاتی ہے اور اس کی پوری نمائش کی جاتی ہے، اس بات کا کوئی سوال نہیں ہوتا کہ دیکھنے والے محرم ہیں یا غیر محرم، ہر شخص اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

بعض اوقات انسان بے خیالی میں کوئی ناشائستہ حرکت کر لیتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے کسی نے نہیں دیکھا، لیکن وڈیو فلم انسان کی ہر حرکت محفوظ کر لیتی ہے، چاہے وہ حرکت شائستہ ہو یا ناشائستہ، چاہے وہ جان بوجھ کر کرے یا بے خیالی میں کرے، اب وہ حرکت محفوظ ہوگئی اور سینکڑوں انسان اس کو بغور دیکھیں گے کہ کون سا شخص کیا حرکت کرتا ہوا نظر آرہا ہے۔

موجودہ دور کی دعوتوں میں کسی شریف عورت کا شرکت کرنا انتہائی مشکل ہوگیا ہے، اس لئے کہ وڈیو فلم کے رواج سے پہلے یہ سوچ کر شرکت کر لیتی تھی کہ عورتوں کا حصہ الگ ہوگا، کوئی بے پردگی نہیں ہوگی، اس لئے شرکت میں کوئی حرج نہیں، لیکن وڈیو فلم نے اس کے پردے کو بالکل چاک کر کے رکھ دیا ہے، تو جوان لڑکیوں کو تو چھوڑیئے، اگر کوئی پچاس سالہ بوڑھی عورت دعوت کے دوران کسی کونے میں خاموشی سے پان چباتی نظر آئے گی تو وہ فلم میکر اس کے پاس بھی ضرور جائے گا تاکہ اس کی تصویر بھی آجائے، اب اس بوڑھی عورت کو کیا پتہ کہ میری ہر حرکت محفوظ ہو رہی ہے اور یہ حرکت بعد میں سینکڑوں غیر محرم مرد دیکھیں گے۔

مخلوط اجتماع اور بے پردگی:...... کچھ عرصہ پہلے تک تو دعوت ولیمہ یا دوسری دعوتوں میں مرد اور عورت کا مخلوط اجتماع نہیں ہوتا تھا، بلکہ مردوں اور عورتوں کے علیحدہ علیحدہ پارٹیشن ہوتے تھے، لیکن اب کچھ عرصہ سے یہ چیز بھی پھیلتی جارہی ہے کہ مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع کیا جاتا ہے جو قطعاً حرام ناجائز ہے اور صریحاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کے ساتھ ایک مذاق ہے جس کا وبال انسان کو آخرت میں تو ملے گا، بعض اوقات دنیا میں بھی اس کا وبال آجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقل سلیم عطا فرمائے اور اپنی شادی بیاہ کی تمام تقریبات سنت کے مطابق انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆

صبح وشام کے آسان اوراد

پروفیسر ڈاکٹر محمد محسن گراج

یہ اوراد میں نے اپنے شیوخ حضرت حافظ عبدالجلیل رحمۃ اللہ علیہ، مرشدی حضرت مولانا عبدالواحد دامت برکاتہم، حضرت مولانا سائیں عبدالصمد دامت برکاتہم، کچھ نیک بزرگوں سے اور چند ایک کتب سے سیکھے ہیں، پھر ان بزرگوں نے ان اوراد کو نماز کے اوقات ساتھ ساتھ جوڑ دیا تاکہ عمل میں تسلسل رہے اور عمل کرنا آسان ہو۔

رب ذوالجلال ان کی دنیا و آخرت بہت اچھی کردے، ان کی فکر آخرت کا سایہ ہم پر بھی ڈالے، آمین

ان اوراد سے پہلے درج ذیل چیزوں کا اہتمام ضروری ہے:

☆......روزانہ پانچ وقت نمازوں کی باجماعت ادائیگی کا اہتمام ہو۔

☆......تمام فرائض، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی مہتم بالشان ادائیگی ہو۔

☆......روزانہ تلاوت قرآن کا معمول ہو۔

☆......سوفی صد رزق حلال کا اہتمام ہو، جو سود، جھوٹ اور فریب سے پاک ہو۔

☆......معاملات، اخلاقیات اور عبادات میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی ہو۔

☆......شرک وبدعت سے مکمل بیزاری اور نفرت ہو۔

☆......حقوق العباد کا خیال ہو، خصوصاً پڑوسیوں کے لئے رحمت ہو، اگر ممکن ہو تو صبح صادق سے اتنی دیر پہلے اٹھ جائیں کہ وضو وغیرہ کر کے چار رکعت تہجد پڑھ سکیں، دو دو رکعت پڑھیں، پھر یہ دعا مانگیں۔

اللھم انی اسئلک من خیر ماسئلک منه نبیک محمد صلی الله علیه وسلم واعوذبک من شر ما استعاذ منه نبیک محمد صلی الله علیه وسلم وانت المستعان وعلیک البلاغ ولاحول ولاقوة الا بالله.

☆......تلاوت قرآن مجید

حضرت شیخ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ نے اپنے رسالے "ضیاء القلوب" میں لکھا ہے کہ فرائض کی ادائیگی کے بعد تلاوت قرآن قرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

☆......پھر فجر کی سنتیں پڑھیں۔

☆......اس کے بعد ۴۱ مرتبہ سورۂ فاتحہ، آگے پیچھے گیارہ گیارہ بار درود شریف پڑھیں، پھر سینے پر دم کریں، اللہ پاک اس کی برکت سے دینِ حق کے اسرار و رموز

آپ پرکھولیں گے، اس کے بعد نیکی کرنا آسان اور گناہ کرنا مشکل ہوجائے گا۔ ان شاءاللہ

☆......فجر کے فرائض کی ادائیگی کے بعد یہ پڑھیں:

(۱)......اللہ اکبر (ایک بار) استغفر اللہ (تین بار، تیسری مرتبہ قدرے باآواز بلند)

(۲)......سر پر دایاں ہاتھ رکھ کر یا قوی دس بار۔

(۳)......دس بار یا نور۔ گیارھویں بار یا نور پڑھ کر انگلی پر دم کریں اور آنکھ پر پھیریں، سات مرتبہ یہ آیت پڑھ کر انگلی پر دم کر کے آنکھ پر پھیریں:

فکشفنا عنک غطاء ک فبصرک الیوم حدید

درج بالا اوراد ہر فرض کے بعد دہرائیں، پھر یہ دعائیں پڑھیں۔ (نماز کے بعد کی دعائیں)

(۱)......تسبیح فاطمی: ۳۳بار سبحان اللہ، ۳۳بار الحمدللہ، ۳۴بار اللہ اکبر۔ سات مرتبہ، چوتھا کلمہ (خیر المجالس: ج ۱/ص ۸۹)

(۲)......سورۂ فاتحہ ایک بار۔ (علیکم بسنتی)

(۳)......آیت الکرسی دس بار۔ (خیر المجالس)

(۴)......سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات ایک بار

(۵)......سورۂ آل عمران کی آیت ۱۸، ۱۹، ایک بار (خیر المجالس: ج ۱/ص ۷۳)

(۶)......سورۂ آل عمران کی آیت ۳۶، ۳۷، ایک بار۔ (خیر المجالس: ج ۱/ص ۷۳)

(۷)......سورۂ توبہ کی آخری دو آیات: سات بار پڑھیں۔

(۸)......سترہ بار یہ دعا پڑھیں:

اللھم فاطر السماوات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین. (سورہ یوسف: آیت ۱۰۱)

(۹)......تین بار: اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم، اور ایک بار سورۂ حشر کی آخری دو آیات۔ (علیکم بسنتی)

(۱۰)......ایک بار، چار قل۔ (علیکم بسنتی)

(۱۱)......سات بار: اللھم اجرنی من النار یا مجیر، یا مجیر، یا مجیر.

(۱۲)......سات بار: اللھم اجرنی من النار وادخلنی الجنۃ مع الابرار بغیر حساب.

(۱۳)......دس بار: لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ احدا صمداً الم یلدولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد.

(۱۴)......تین بار: استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ.

(۱۵)......دس بار: لا الہ الا اللہ واللہ اکبر سبحان اللہ والحمدللہ

(۱۶)......ایک بار: سیدالاستغفار

(۱۷)......تین بار: رضیت باللہ ربا وبالاسلام دیناً وبمحمد رسولاً

(۱۸)......ایک بار: حسبی اللہ ونعم الوکیل

(۱۹)......تین بار: بسم اللہ الذی لایضرمع اسمہ شئ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم

(۲۰)......تین بار: اعوذ بکلمات اللہ التامات من شرما خلق.

(۲۱)......تین بار: اللھم عافنی فی بدنی، اللھم عافنی فی سمعی، اللھم عافنی فی بصری لا الہ الاانت.

(۲۲)......دس بار: ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار

(۲۳)......۲۵بار: اللھم بارک لی فی رزقی

(۲۴)......۲۵بار: استغفر اللہ العظیم لی ولوالدی والمسلمین والمسلمات والمؤمنین والمؤمنات الاحیاء منھم والاموات. (نزہۃ المجالس)

ان دعاؤں کے بعد درج ذیل تسبیحات پڑھیں:

(۱)......۱۰۰بار رفعہ: سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم، استغفر اللہ

(۲)......۹۹بار: اللہ لا الہ الاھو الحی القیوم، ایک بار: اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم.

(۳)......تیسرے کلمے کی ایک تسبیح

(۴)......چوتھے کلمے کی ایک تسبیح

(۵)......درود شریف کی ایک تسبیح

(۶)......استغفار کی ایک تسبیح

ان تسبیحات سے فارغ ہوکر یوں دعا کریں:

الحمدللہ صل اللہ علی النبی الامی، استغفر اللہ

یا اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں ایمان کامل و شفاء کامل، موت میں راحت کی، موت کے بعد کی تمام گھاٹیوں میں راحت کی، مقبول شہادت کی موت کی، بروز حشر سایہ محشر کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے حوض کوثر کے پانی کا، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام کا اور میرے تمام گناہوں کو نیکیوں سے بدلنے کا، اے رب ذوالجلال میری تمام دعائیں قبول فرمائیں۔

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمدللہ رب العالمین

اس کے بعد اپنے پیارے مرحومین کو اس طرح ایصال ثواب کریں۔

☆......سورۂ فاتحہ: تین بار

☆......آیت الکرسی: چار بار

☆......سورۂ قدر: چار بار

☆......سورۂ زلزال: دو بار

☆......سورۂ عادیات: دو بار

☆......سورۂ تکاثر: ایک بار

☆......سورۂ کافرون: چار بار

☆......سورۂ نصر: چار بار

☆......سورۂ اخلاص: تین بار

ان سورتوں اور آیات کو پڑھ کر اس طرح دعا کریں:

اے رب ذوالجلال ان آیات کی تلاوت میں جو کمی کوتاہی ہوئی ہے، اس کو معاف فرما کر اس کا کامل ثواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، تمام انسانوں اور جنوں کو پہنچے، پھر خصوصاً اپنے پیاروں کا نام لے کر ایصال ثواب کریں، ان تمام ارواح کو پہنچے جن کا ہمیں ادراک نہیں، پھر بروز قیامت آپ کے پاس ایمان کے ساتھ پہنچیں۔

☆......اب سورۂ یاسین اور سورۂ مزمل کی تلاوت کریں اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا سوال کریں۔

☆......اس طرح اشراق کا وقت ہوجائے، دو رکعت اشراق کی نیت سے پڑھ کر اللہ سے دعا کریں کہ اس کا کامل ثواب جو حدیث مبارک میں آیا ہے، یعنی مقبول حج و عمرہ کا ثواب اللہ پاک عطا فرمائے۔

۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴......نماز مغرب کے بعد فجر والی ساری دعائیں پڑھیں، صرف آخری ۲۴ چھوڑ دیں، یہ صرف صبح پڑھیں۔

رات کو سونے سے پہلے یہ دعائیں پڑھیں، پہلے مسواک کریں اور وضو کریں۔

☆......تجدید ایمان: ایمان مجمل، ایمان مفصل، چھ کلمے۔

☆......سورۂ فاتحہ: ایک بار

☆......آیت الکرسی: ایک بار

☆......سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات

☆......سورۂ حشر کی آخری دو آیات: ایک بار

☆......چاروں قل، ایک بار

☆......صبح والی چھ تسبیحات

☆......درود شریف کی ۱۰ تسبیحات

☆......سورۂ احزاب ۵۶ کی ایک تسبیح

یہ مضمون پڑھ کر شاید بہت محنت کا کام لگے، مگر یقین کیجئے عمل کرنے میں بہت آسان ہے، کچھ اوراد صبح کے وقت زیادہ ہیں، پھر جن کے سامنے قبر اور حشر کی ہولناکیاں ہیں، ان کے لئے بہت آسان ہے۔

☆......☆......☆

اخلاقیات

فاطمہ صدیقہ

(۱)...... سادگی

ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کے سامنے دنیا کا ذکر کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا غور سے سنو، دھیان دو یقیناً سادگی ایمان کا حصہ ہے۔ یقیناً سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کو سادگی اور سادہ بندے بہت پسند ہیں۔ سادگی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی خوش عیش اور خوش پوشاک نہ ہو کہ نہ تو عمدہ سے عمدہ کپڑے کا اہتمام ہو نہ عمدہ اور قیمتی کھانوں کی چاہت ہو نہ خوش نما بہترین مکان کی خواہش ہو نہ اعلیٰ سواری میں سفر کرنے کی تمنا ہو۔ بلکہ ہر معاملے میں میانہ روی ہو اور انتہائی سادگی ہو۔ اور اس سادگی سے اللہ کو راضی کرنے کی نیت ہو۔

حدیث شریف میں ہے: "جس نے قدرت کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع اختیار کرتے ہوئے عمدہ لباس ترک کر دیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسکو ساری مخلوق کے سامنے بلا کر اختیار دیں گے کہ ایمان کے جوڑوں میں سے جس جوڑے کو چاہے پہن لے"۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان آسائشوں اور عیش وعشرت کے ترک کی وجہ سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہونی چاہئے۔

یہاں ایک بات سمجھنا ضروری ہے کہ بعض اوقات سادگی سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ آدمی اپنے لباس اور ماحول کی صفائی سے لاپرواہی اختیار کرے۔ اور جسمانی صفائی اور طہارت پر توجہ نہ دے۔ یہ بات صریح غلط فہمی ہے اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس طرح کی سادہ اور دنیاوی عیش وعشرت سے ہٹ کر زندگی گزاری اسکی مثال آج کے دور میں ملنا قریباً ناممکن ہے۔

(۲)......شکر

ارشاد باری ہے:

﴿وَ اِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾

پس اگر تم شکر کرو گے تو میں نعمت کو بڑھا دوں گا۔

شکر اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ایک ہے اس تعلیم پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ تو یہ ہے کہ وہ بھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور دوسرا یہ کہ اپنے اوپر اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو چاہے وہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔ یاد رکھتا ہے اور تیسرا اہم فائدہ یہ ہے کہ شکر

سے نعمت دگنی ہو جاتی ہے۔

شکر کے فوائد:

☆......اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔

☆......اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قوی ہوتا ہے۔

☆......قرب خداوند بڑھتا ہے۔

☆......زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی آتی ہے۔

☆......اپنی حالت میں قناعت کی لذت محسوس ہوتی ہے۔

☆......زندگی پر عافیت ہو جاتی ہے۔

☆......اور سب سے عظیم فائدہ یہ کہ انسان تکبر سے محفوظ رہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جس شخص کو شکر ادا کرنے کی توفیق ہوگئی وہ کبھی نعمتوں میں برکت اور زیادتی سے محروم نہ ہوگا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

جس آدمی میں ۳ باتیں ہوں گی تو اللہ پاک اسکو اپنی حفاظت میں رکھے گا۔ اپنی رحمت سے اس پر ستاری فرمائے گا اور اسے اپنی محبت سے نوازے گا۔ (۱) نوازا جائے تو شکر کرے (۲) انتقام پر قدرت ہو تو معاف کر دے (۳) غصہ آجائے تو اسکے تقاضے پر عمل نہ کرے۔

شکر کیسے پیدا ہوتا ہے:

(۱)......حدیث شریف میں ارشاد ہے:

جب آدمی کسی ایسے شخص کی طرف دیکھے جو مال یا صورت میں اپنے سے اعلیٰ ہو تو ایسے شخص کی طرف بھی نظر کرلے جو ان چیزوں میں اپنے سے کم ہو۔

(۲)......دوسرا یہ کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو سوچے کہ اللہ نے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور باقی تمام اعضاء صحیح سلامت رکھے ہیں خدانخواستہ ان میں کوئی نقص نہیں ہے۔

(۳)......پھر وہ نعمتیں سوچے جو اللہ پاک نے عام کر رکھی ہیں۔ جو ہر شخص کو میسر ہیں مثلاً کھانا، ہوا، پانی، طرح طرح کے پھل اور دوسری بے شمار نعمتیں۔ حضور اقدس ﷺ شکر کے لیے چند دعائیں مانگا کرتے تھے سو ہمیں بھی مانگنی چاہیے۔

"اللهم اجعلني شكورا و اجعلني صبورا"

اے اللہ مجھے اعلیٰ درجے کا شکر کرنے والا اور صبر کرنیوالا بنا دے۔

اللہ پاک عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

(۳)......حسد

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾

ترجمہ:......کیا لوگ دوسروں پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت دوسروں کو عطا کر دی۔

حسد بہت خطرناک باطنی بیماری ہے اس سے بچنا اور اجتناب کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا ظاہر کے کبیرہ گناہوں سے بچنا ضروری ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا:

حسد سے بچو اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو یا سوکھی گھاس کو کھا جاتی ہے۔

حسد کی حقیقت:......حسد کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے پاس کوئی نعمت دیکھی چاہے وہ نعمت دین کی ہو یا دنیا کی۔ اس نعمت کو دیکھ کر اسکے دل میں جلن اور کڑھن پیدا ہوئی کہ اسکو یہ نعمت کیوں مل گئی۔

اور اگر کسی کی نعمت دیکھ کر یہ تمنا پیدا ہو کہ اللہ پاک مجھے بھی یہ نعمت عطا فرما دیں تو اسکو غبطہ یعنی رشک کرنا کہتے ہیں۔

حسد کے ۳ درجات ہیں:

(۱)......دل میں یہ خواہش پیدا ہو کہ مجھے بھی ایسی نعمت مل جائے اب اس کے پاس رہتے ہوئے مل جائے تو بہت اچھا ورنہ اس سے چھن جائے اور مجھے مل جائے۔

(۲)......جو نعمت دوسرے کو ملی ہوئی ہے وہ نعمت اس سے چھن جائے اور دوسرے قدم پر یہ خواہش ہے کہ

مجھے مل جائے۔

(۳)......دل میں یہ خواہش ہو کہ یہ نعمت کسی طرح اس سے چھن جائے اور اس نعمت کی وجہ سے اسکو جو مقام حاصل ہوا ہے اس سے وہ محروم ہو جائے پھر چاہے مجھے ملے یا نہ ملے۔ یہ سب سے رذیل ترین، خبیث ترین درجہ ہے۔

حسد کی بیماری بہت سی برائیوں کا منبع ہے۔ جب اسکو کسی پر حسد ہوگا تو لوگوں کے سامنے اسکی برائی بیان کرے گا تاکہ لوگوں کے دل میں اسکی عزت جاتی رہے۔ تو غیبت، جیسے گناہ بھی حسد ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔

حسد کا علاج:

حسد کا علاج یہ ہے کہ جس سے حسد ہو اسکی ترقی کیلئے خوب دعائیں کرے اور اس کے ساتھ احسان بھی کرتا رہے۔ خواہ مال سے ہو یا بدن سے ہو یا دعا سے ہو۔ چند دنوں میں حسد دور ہو جائے گا۔ اللہ پاک ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(۴)......تکبر

تکبر کی تعریف: ...... اس کے معنی ہیں کمال کی صفات میں اپنے آپ کو اوروں سے بڑھ کر جاننا اور دوسروں کو ذلیل و حقیر سمجھنا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیَاتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ﴾

"میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے مخالف ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں۔ حسب کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں"۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

﴿کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾

"اس طرح اللہ تعالیٰ ہر معذور و جابر کے پورے قلب پر مہر لگا دیتے ہیں"

ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُتَکَبِّرِیْنَ﴾

"اور اللہ تکبر کرنیوالوں کو پسند نہیں فرمایا"

فرمایا کہ دنیا کے سارے فساد و نقصانات برائی اور بالاتری کی ہی خواہش سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسلئے تکبر ہی سارے فساد کی جڑ اور بنیاد ہے۔ تکبر کی ایک بڑی نحوست یہ بھی ہے کہ وہ حق و ہدایت کے قبول کرنے سے بھی مانع ہوتا ہے۔

اکثر و بیشتر انسان تکبر ۳ چیزوں میں کرتا ہے

(۱)......اولاد

(۲)......مال

(۳)......حسن و عقل

قرآن میں ارشاد باری ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا﴾

اللہ پاک ایسے آدمی کو پسند نہیں کرتا جو تکبر و مغرور اور اپنی برائی ظاہر کرنے والا ہو۔

تکبر سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ اگر ابھی مجھ سے یہ سب چھن جائے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہ تو دینے والے نے دی تھی جب دل چاہے واپس لے لے۔ جب اپنی طاقت کی چیز ہی نہیں تو اس پر غرور کیسا۔ ہاں شکر کا موقع ہے اللہ کا شکر کرے اور اسی سے عافیت مانگتا رہے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الشُّکْرُ

(۵)......غیبت

غیبت کی تعریف: ...... غیبت کے معنی یہ ہے کہ دوسرے کی پیٹھ پیچھے برائی کرنا چاہے وہ برائی صحیح ہو پھر بھی غیبت شمار ہوگی۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا﴾

یعنی ایک دوسرے کی غیبت مت کرو۔

غیبت ایسا برا عمل ہے۔ جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا کیا ہم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: غیبت کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ......"ذِکْرُکَ اَخَاکَ بِمَا یَکْرَہُ" یعنی اپنے بھائی کی پیٹھ پیچھے اس طرح بات کرنا جسکو وہ ناپسند کرتا ہو۔

ایک صحابی نے پوچھا: "اِنْ کَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ" یعنی اگر میرے بھائی میں وہ خرابی موجود ہے جو میں نے بیان کرلی تو؟ فرمایا اگر اسکے اندر وہ خرابی موجود ہے تب ہی تو وہ غیبت ہوگی اگر تم اسکی طرف جھوٹی نسبت کرو تو یہ بہتان ہوگا۔

غیبت کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور حقوق العباد کا معاملہ یہ ہے کہ جب تک بندہ معاف نہیں کرے گا وہ گناہ معاف نہیں ہوگا۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے: غیبت زنا سے زیادہ سخت ہے۔

غیبت چند مواقع پر جائز ہے:

(۱)......ایک شخص ایسا کام کر رہا ہے جس سے دوسروں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اب اگر اس دوسرے کو اس بارے میں نہ بتایا گیا۔ تو وہ اس کے ہاتھوں نقصان کا شکار ہو جائے گا۔ تو اگر ایسے شخص کو اسکے نقصان کے بارے میں بتا دیا جائے تو یہ جائز ہے۔

(۲)......اگر مظلوم کسی کے سامنے ظالم کے ظلم کا تذکرہ کر دے کہ فلاں شخص نے میرے ساتھ یہ ظلم کیا تو یہ غیبت نہیں چاہے اس شخص کے سامنے تذکرہ کیا ہے جو اسکا تدارک کر سکتا ہو یا نہیں دونوں صورتوں میں غیبت جائز ہے۔

غیبت سے بچنے کا طریقہ:

(۱)......اگر کسی کی غیبت ہو جائے تو جا کر اسکو بتا دے کہ میں نے آپ کی غیبت کرلی ہے اس وقت دل پر آرے تو چلیں گے لیکن علاج یہی ہے۔

(۲)......جب دوسروں کے عیوب زبان پر آنے لگے تو فوراً اپنے عیوب کا استحضار کرے۔ کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے جو عیوب سے خالی ہو۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"غیبت سے بچنے کا آسان راستہ یہ ہے کہ کسی دوسرے کا ذکر ہی نہ کیا جائے نہ اچھائی سے اور نہ ہی برائی سے کیونکہ شیطان بڑا ہی خبیث ہے کہ اچھائی کا ذکر کرتے کرتے بیچ میں شیطان کوئی ایسا جملہ کہلوا دے گا جس سے وہ اچھائی برائی میں تبدیل ہو جائے گی۔"

اللہ پاک ہم کو اس بیماری سے بچائے (آمین)

(۶)......چغلی

ایک اور گناہ جو غیبت سے ملتا جلتا اور اتنا ہی سنگین ہے وہ ہے چغلی۔

قرآن و حدیث میں چغلی کی بہت مذمت بیان کی گئی ہے۔ اور غیبت سے زیادہ شدید ہونے کی وجہ یہ ہے کہ غیبت میں نیت کا برا ہونا ضروری نہیں۔ لیکن چغلی میں بدنیت ہونا بھی ضروری ہے۔

چغلی دو گناہوں کا مجموعہ ہے۔

ایک تو اس میں غیبت ہے۔ دوسرے یہ کہ دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچانے کی خواہش اور نیت بھی ہے اسلئے اس میں ڈبل گناہ ہے۔ قرآن و حدیث میں اس پر بڑی سخت وعید آئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ھَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِیْمٍ﴾

حدیث شریف میں آتا ہے:

"لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَتَّاتٌ"

چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔

آپ ﷺ نے چغلی کو عذاب قبر کا سبب قرار دیا۔ اسلئے کہ چغلی کا عمل غیبت سے بھی زیادہ سخت ہے۔

ماہِ محرم کے بارے میں نبوی تعلیم اور من گھڑت روایات ورسومات

محمد انس ایوب

محرم باب تفعیل سے اسم مفعول ہے۔عربی میں تحریم کے ایک معنی ''تعظیم'' یعنی عظمت کے بھی آتے ہیں۔ملت ابراہیمی میں بھی اس مہینہ کی خاص عظمت اور احترام کا حکم تھا، جاہلی دور میں ملت ابراہیمی کے جو تھوڑے بہت آثار موجود تھے، ان میں اس مہینہ کی عظمت کا اعتقاد بھی تھا، جس میں کسی بھی قسم کی قتل وغارت حرام سمجھی جاتی تھی؛ اسی وجہ سے اس کو ''محرم'' کہا گیا، اور اس دکھاوے کی ٹوٹی پھوٹی عقیدت کو بچانے کے لئے ''نسیء'' کا ارتکاب کرتے تھے؛ مہینوں کو اپنی طبعی جگہ سے بدل کر دوسری جگہ رکھ دیتے؛ تاکہ قتل وغارت کا سلسلہ بھی جاری رہے اور اپنے خیال میں ''روایات سے انحراف''، بددینی اور بدتہذیبی کا شبہ بھی نہ کیا جاسکے، جیسا کہ آجکل کی نام نہاد ''مہذب دنیا'' میں دکھاوے کے لئے ''عالمی عدالت''، ''شہری حقوق''، ''انسانی حقوق''، ''آزادی''، ''مساوات'' وغیرہ کے نام سے کئی اصطلاحات کا رواج ہے، ان کو جب چاہا عرف کے مطابق استعمال کیا، لوگوں کو بے وقوف بنایا، اور جب اپنا قانون ہی آڑے آیا تو اس میں دوسرے نام وعنوان کا شوشہ لگا کر پیچھا چھڑادیا! طرفہ تماشا یہ کہ قانون شکن ہوکر بھی قانون کے پاسداری میں انہی کی مثال سب سے پہلے دی جاتی ہے، ظلم کی انتہاء کرکے بھی عدالتیں لگانے میں سب سے آگے اور حقوق کے سب سے بڑے علمبردار کہلائے جاتے ہیں۔

محرم الحرام اسلامی ہجری تقویم کا پہلا مہینہ ہے، یہ ان چار مہینوں میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینے کہا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿انّ عدّة الشهور عند الله اثنا عشر شهراً في كتاب الله يوم خلق السموات والارض منها أربعة حـرم﴾ بے شک مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک لوح محفوظ میں بارہ ہے، جس روز اللہ نے آسمان اور زمین پیدا کیے، ان میں سے چار مہینے [ذی قعدہ، ذی الحجہ محرم، رجب] خاص ادب کے ہیں۔

یوں تو سارے مہینے اللہ ہی کی طرف سے ہیں، موسموں کی تبدیلیاں، چاند سورج کی تبدیلیاں اور ان کی منزلیں اللہ کی حکمتوں میں سے ہیں، مگر کچھ ایام اور مہینوں کو خاص فضیلت حاصل ہے، جیسے کہ لیلۃ القدر کو بقیہ راتوں پر اور رمضان کو بقیہ مہینوں پر فضیلت ہے، اسی طرح محرم سمیت چار مہینوں کو بھی بقیہ مہینوں پر

فضیلت حاصل ہے، اس میں روزہ رکھنے کو دوسرے مہینوں کی بنسبت فضیلت حاصل ہے، چنانچہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آتا ہے: ''أفضل الصّيام بعد رمضان شهر الله المحرم، وأفضل الصّلاة بعد الفريضة صلوة الليل''۔ رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل محرم الحرام کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل رات کی نماز (تہجد) ہے۔(۱)

اس حدیث میں محرم الحرام کے روزوں کی خاص فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے محرم الحرام کو اللہ کا مہینہ فرمایا، جب محرم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگئی تو اس کی عظمت اور بھی بڑھ گئی، اس عظمت والے مہینہ کے بارے میں نحوست، بدشگونی کا خیال کرنا بھی کتنا بڑا جرم اور کتنی بڑی زیادتی ہے۔اس عظمت والے مہینہ میں شادی بیاہ کو، یا خوشی ومسرت کے اظہار کو برا سمجھنا درحقیقت اُس عظمت کا انکار کرنا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کو دے رکھی ہے۔

یوم عاشوراء: محرم الحرام کی دس تاریخ کو عاشوراء کہا جاتا ہے، یہ خاص فضیلت والا دن ہے، جس کے فضائل کئی احادیث میں مذکور ہیں اور اسلام میں انہی فضائل کی وجہ سے اِس دن کی خصوصیت اور اہمیت ہے، بعض گمراہ لوگوں کے اس خیال کی وجہ سے نہیں کہ اس دن اکسٹھ ہجری میں کربلاء کے مقام پر ایک بڑا حادثہ رونما ہوا تھا، ظلم وزیادتی کی انتہا کردی گئی تھی، نبوی تعلیمات میں کسی کی موت، شہادت یا ولادت کے دن کو بطور خاص یاد کرنے اور اُس دن کوئی خاص عمل اختیار کرنے کی ترغیب نہیں دی گئی ہے؛ بلکہ موت وحیات کے قصہ کو طبعی وخلقی انداز میں لیا گیا ہے، مقتدر شخصیات کی زندگی سے سبق لینے کی ہدایات دی گئی ہیں، اس کی ولادت کی خوشی یا وفات کے حادثہ کو یاد کرکرکے بے حال ہونے کو عقیدت یا احترام کا حصہ نہیں بتایا گیا ہے، جو لوگ اِن جاہلی رسومات کو عقیدت و احترام کا حصہ قرار دیتے ہیں، عموماً ان کے اپنے سیاسی مقاصد اور فرقہ ورانہ مصلحتیں ہوتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں یوم عاشوراء کی اہمیت اور خصوصیت سن اکسٹھ ہجری میں حادثہ کربلا پیش آنے کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ حادثہ کربلا سے تقریباً پچاس برس قبل حضرت رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کی اہمیت و فضیلت بیان فرمادی تھی، فضائل کی ان ثابت، غیر متکلم فیہ روایات میں حادثہ کربلاء کا ذکر نہیں، اور انہی روایات کی وجہ سے اس دن کو خصوصیت ملی۔ یہ دوسری بات ہے کہ لوگوں نے حادثہ کربلاء کے بارے میں بے شمار روایتیں بنا رکھی ہیں، اور ہنوز یہ سلسلہ برابر جاری ہے، محرم کے دنوں میں تازہ بتازہ روایتیں پیش کی جاتی ہیں، جن کا ذکر خیر سے پچھلے دور کے افسانوں میں بھی نہیں ملتا۔

یوم عاشوراء کے بارے میں مختلف روایات سے صرف دو باتوں کا ثبوت ملتا ہے، ان کے علاوہ جو باتیں مجلسیں گرم کرنے کے لئے سنائی جاتی ہیں اور طرح طرح کی رسومات کا اہتمام کیا جاتا ہے، سب بے اصل اور قابلِ ترک ہیں۔

پہلی بات: عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کی بہت فضیلت آئی ہے، اس دن روزہ رکھنا رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ تھی اور اسی کی ترغیب آپ ﷺ نے امت کو بھی دی ہے۔امام نسائی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں: ''عن حفصة رضى الله عنها قالت: أربع لم يكن يدعهنّ النبى ﷺ: صيام عاشوراء، والعشر، وثلاثة أيام من كل شهر، وركعتين قبل الغداة''۔ حضور ﷺ نے یہ چار چیزیں کبھی نہیں چھوڑیں: (۱) عاشوراء کا روزہ (۲) عشرہ ذی الحجہ کے روزے (۳) ہر مہینے تین دن کے روزے (۴) اور فجر (کی نماز) سے پہلے دو رکعتیں (مراد فجر کی سنتیں ہیں)۔(۲)

عاشوراء کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع میں

اس دن روزہ رکھا جاتا تھا، جس کی تفصیل صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو یہود کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے پایا، آپ ﷺ نے پوچھا: تم اس دن کس چیز کا روزہ رکھتے ہو؟ یہود نے کہا کہ یہ بہت عظیم دن ہے، اس دن اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات عطا کی تھی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا تھا؛ پھر موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کے طور پر روزہ رکھا، اس لیے ہم بھی روزہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہم زیادہ حق دار اور قریب ہیں موسیٰ علیہ السلام کے تم سے"۔ پس رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھا اور (حضرات صحابہ کو بھی) روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ (۳)

حضرت رسول اللہ ﷺ کے عمل اور حکم فرمانے سے ہی یہ روزہ رکھنا شریعت کا حصہ بن گیا؛ مگر چونکہ یہود بھی روزہ رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغضوب علیہم قرار دیے جانے والی اس قوم کی مشابہت سے بچنے کی آپ ﷺ بہت سخت تاکید و تعلیم فرماتے تھے؛ چنانچہ اس موقع پر بھی ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آئندہ سال ان شاء اللہ ہم نویں محرم کا بھی روزہ رکھیں گے۔ اس کو بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "حين صام رسول الله ﷺ يوم عاشوراء وأمر بصيامه، قالوا: يا رسول الله، انه يوم تعظمه اليهود والنصارى؟ فقال رسول الله ﷺ: "فاذا كان العام المقبل ان شاء الله صمنا اليوم التاسع، قال: فلم يأت العام المقبل، حتى توفي رسول الله ﷺ". جب حضرت رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کے دن خود روزہ رکھا، اور حضرات صحابہ کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا؛ تو اس پر حضرات صحابہ کرام - رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین - نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس دن کی تو یہود و نصاریٰ بھی تعظیم کرتے ہیں؟ (شاید یہ عرض کرنا چاہ رہے ہوں کہ روزہ رکھ کر ہم نے بھی اس دن کی تعظیم کی، گویا ہم ایک عمل میں ان کی طرح کرنے لگے)، تو اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر اللہ نے چاہا تو اگلے سال ہم نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھیں گے (اس طرح سے مشابہت کا شبہ نہیں رہے گا) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کہ اگلا سال آنے سے پہلے ہی آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔

اسی وجہ سے فقہاء فرماتے ہیں: کہ صرف عاشوراء کا روزہ نہ رکھا جائے بلکہ اسکے ساتھ ۹ یا ۱۱ محرم کا روزہ بھی ملا لیا جائے؛ تاکہ یہود سے مشابہت نہ ہو۔ اس نبوی تعلیم سے یہ بات سمجھ لینا چنداں مشکل نہیں کہ ایک کارِ خیر میں بھی یہود سے مشابہت، موافقت کو حضرت رسول اللہ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا چہ جائے کہ دوسری عادات میں ان سے مشابہت کو قبول کر لیا جائے! (۴)

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش بھی زمانہ جاہلیت میں عاشورا کا روزہ رکھتے تھے۔ "عن عائشة رضیَ الله عنها قالت: كانت قريش تصوم عاشوراء في الجاهلية، وكان رسول الله ﷺ يصومه، فلما هاجر الى المدينة صامه وامر بصيامه، فلما فرض شهر رمضان قال: من شاء صامه، ومن شاء تركه"۔ (۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ جاہلی دور میں قریش کے لوگ روزہ رکھتے تھے اور حضرت رسول اللہ ﷺ بھی روزہ رکھتے تھے، جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو وہاں بھی عاشوراء کا روزہ رکھا اور حضرات صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا، پھر جب ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کی فرضیت کا حکم آیا تو آپ ﷺ نے اختیار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ جو چاہے عاشوراء کا روزہ رکھے، جو چاہے نہ رکھے۔

معلوم ہوا کہ ہجرت سے قبل بھی حضور ﷺ کی اپنی عادت شریفہ روزہ رکھنے کی تھی، ہجرت کے بعد دوسروں کو بھی تاکید فرمائی تھی۔

دوسری بات: جس کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے، وہ عاشوراء کے دن اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنا ہے۔ اس بارے میں جو روایت کئی صحابہ سے منقول ہے، اس کے الفاظ کچھ یوں ہیں: "من وسع على عياله في يوم عاشوراء وسع الله عليه السنة كلها، وفي رواية: سائر سنة "جو شخص عاشوراء کے دن اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے میں فراخی کرے گا، اللہ تعالیٰ پورے سال اس پر (رزق کی) فراخی فرمائے گا۔

امام بیہقی نے اس روایت کو اپنی کتاب "شعب الایمان" میں حضرت ابو سعید خدری (رقم: ۳۷۹۴) حضرت ابو ہریرۃ (رقم: ۳۷۹۵) حضرت ابن مسعود (رقم: ۳۷۹۲) اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے۔ (۶)، امام طبرانی اور ابو الشیخ نے بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے اس روایت کو نقل کیا ہے، اسی طرح ابن عبد البر نے "الاستذکار" میں حضرت جابرؓ سے مرفوعا اور حضرت عمرؓ سے موقوفا نقل کیا ہے، امام دارقطنی نے بھی یہ روایت "الافراد" میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنہم اجمعین سے موقوفا نقل کی ہے۔ (۷)

روایت پر محدثین کا کلام: امام بیہقی ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "هذه الاسانيد وان كانت ضعيفة، فهي اذا ضم بعضها الى بعض اخذت قوة. والله اعلم "یعنی اگر چہ ان روایات کی سندیں ضعیف ہیں لیکن ان میں مجموعی طور پر اتنی بات ضرور پائی جاتی ہے کہ ان اسانید کو ملا لیا جائے تو قوت کی شکل بن جاتی ہے۔ واللہ اعلم (۸)۔ علامہ سخاوی نے اپنی کتاب "المقاصد الحسنۃ" (۹) میں اور علامہ سیوطی نے "اللآلی المصنوعة" میں اسی بات کو اختیار کیا ہے۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو بھی "موضوعات" میں شمار کیا ہے، مگر دوسرے ناقدین نے ان کی موافقت نہیں کی ہے، کیوں کہ محدث امام بیہقی کی مذکورہ بالا تصریح کے مطابق اس روایت کے مجموعہ اسانید میں قوت پائی جاتی ہے، جس کی وجہ سے اس کا مرتبہ بلند ہو جاتا ہے، اور اس کے ثابت ہونے میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا؛ چہ جائے کہ اس کو "موضوع" قرار دیا جائے۔

حافظ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس مضمون کو ثابت مانتے ہیں؛ بلکہ انہوں نے اپنے شیخ الشیخ حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی سے بعض طرق کے صحیح ہونے اور خود حافظ عراقی کے نزدیک ابن جوزی کے ذکر کردہ طریق کے حسن ہونے کو بھی بیان کیا ہے، حافظ عراقی نے "الاستذکار" میں ابن عبد البر کی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کردہ روایت کو شرط مسلم کے مطابق قرار دیتے ہوئے اس باب کی روایات میں "أصح" قرار دیا ہے، علامہ عراقی نے اس روایت کو خاص اہتمام سے لیا تھا، جس کی وجہ سے اس کے طرق کو ایک جز میں بھی جمع کیا تھا، بعد میں علامہ سخاوی کے شیخ اور حافظ عراقی کے شاگرد رشید حافظ ابن حجر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر مزید اضافہ بھی فرمایا تھا۔ (۱۰)

حافظ سخاوی کی تصریح کے مطابق امام ابن جوزی نے اس مضمون کی جن روایات پر کلام کرتے ہوئے ان کو "موضوع" تک کہہ دیا تھا، اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرنے والی سند میں سلیمان بن أبی عبد اللہ ہیا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ سے نقل کرنے والی سند میں ہیصم بن شداخ ہے، ان دونوں راویوں کے بارے میں امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صرف "مجہول" کہا ہے اور اسی بنیاد پر ان کی

روایت کو ''موضوعات'' میں شمار کیا ہے مگر ان دونوں راویوں کو امام ابن حبان نے اپنی کتاب ''الثقات'' میں ذکر کیا ہے۔(۱۱)

کسی راوی کا مجہول ہونا ثابت ہو جائے، تب بھی اس کی روایت کو ''موضوع'' قرار دینا فنی لحاظ سے تسلیم شدہ نہیں، چہ جائے کہ ثقات میں شمار ہونے والوں کی روایت کو ''موضوع'' قرار دیا جائے، امام ابن حبان کی ''الثقات'' میں مذکور راویوں پر ناقدانہ کلام ہوتا رہا ہے؛ تاہم سلیمان بن ابی عبد اللہ کے بارے میں امام ابن جوزی کے مذکورہ بالا حکم کے مقابلہ میں حافظ عراقی نے ابن حبان کی ''الثقات'' سے ہی استدلال کیا ہے، اسی طرح ہیصم بن شداخ کے بارے میں بھی حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ نے ''مجہول'' ہونے کو رد کرتے ہوئے ابن حبان کی ''الثقات'' اور ''الضعفاء'' سے استدلال کیا ہے۔(۱۲)

خلاصہ کلام: اس روایت کی سندیں کئی ہیں اور بعض روایات پر اگرچہ کلام ہے؛ مگر تعددِ طرق کی بناء پر اس مضمون کے ثابت ہونے میں قوت پیدا ہوگئی ہے، کم از کم حسن لغیرہ تک اس کا مرتبہ پہنچ جاتا ہے، اگرچہ صحیح قرار دینے کا بھی قول موجود ہے، پھر اس روایت کا مضمون بھی ترغیب و ترہیب سے تعلق رکھتا ہے، جس کی وجہ سے مزید نرمی آجاتی ہے۔

معلوم ہوا کے محرم الحرام میں دو امور ایسے ہیں جو کہ احادیث سے ثابت ہیں، ایک ''صوم عاشوراء'' اور دوسرا ''اہل و عیال پر خرچ کرنا'' ان کے علاوہ دوسرے رسومات جن کا رواج ہمارے معاشرے میں بڑھتا جا رہا ہے اور بہت ساری سنی سنائی باتیں جو لوگ بیان کرتے ہیں، ان کی کوئی حقیقت، کوئی اصل نہیں ہوتی، مجالس، تقاریر، لاوڈ اسپیکر، اخبارات، چینلز، ویب سائٹس، موبائل سب ان بے ہودہ رسومات، منگھڑت روایات کی ترویج میں اور ان کو بیان کرنے، سنانے اور شوق دلانے میں استعمال ہوتے ہیں، عام لوگ کار خیر سمجھ کر ان رسومات اور سبیلوں پر پیسے اڑاتے ہیں، مجالس میں شرکت کرتے ہیں، خبروں کی آڑ میں افسانے سنتے ہیں، مشابہت کی کوشش کرتے ہیں، گویا یہ ''مومنین'' نہیں، یا ان کو اپنا عقیدہ، مسلک عزیز نہیں، جس کی وجہ سے خواہی نخواہی میں یہ ''مشابہت'' مجبوری بن گئی ہے۔ مگر مؤمن سنت کا تابع ہوتا ہے، اسی کا اہتمام کرتا ہے، اسی میں کامیابی اور کامرانی سمجھتا ہے، کوئی اچھا کہے یا برا کہے، لوگوں سے، میڈیا والوں سے اپنے ایمان و عقیدہ کی سند نہیں لینی ہے، اچھا وہی ہے جس کی تعلیم حضرت رسول اللہ ﷺ نے دی ہے، جس کا عملی نقشہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پیش فرما چکے ہیں، جو ہم تک اہلسنت والجماعت بالخصوص اکابر علماء دیو بند کی مضبوط سندوں کے ساتھ پہنچا ہے، دوسروں کی دیکھا دیکھی میں منگھڑت روایات سننا سنانا اور فضول رسومات اختیار کرنے کا جو سلسلہ ہے اس کی آخری کڑی ''خالص بے ایمان'' بننے پر جا کر ٹوٹتی ہے، یہ تاریخی حقیقت کبھی نہیں بھولنی چاہئے کہ بڑے جو کرنے لگتے ہیں، چھوٹے اس سے کہیں زیادہ آگے نکل جاتے ہیں!

من گھڑت روایات:۔ جیسے کہ ایک موضوع روایت ہے: ''ما من عبد یبکی یوم قتل الحسین الا کان یوم القیامة مع اولی العزم من الرسل''۔ جو شخص بھی شہادت حسین کے دن (انکے غم میں) روئے گا، قیامت کے دن اولوالعزم رسولوں کے ساتھ ہوگا۔(۱۳)

ایک اور روایت ہے: ''من صام تسعة ایام من أول المحرم بنیٰ اللہ له قبة فی الهواء میلاً فی میل لها أربعة ابواب''۔ جس نے پہلی محرم سے نو دن کے روزے رکھے، اللہ اس کے لیے ہوا میں ایک خیمہ بنائیں گے، جو ایک میل چوڑا اور ایک میل لمبا ہوگا اور اسکے چار دروازے ہوں گے۔(۱۴) اور ان جیسی بہت سی روایات، افسانوی باتیں جو محرم الحرام کے آتے ہی عام کی جاتی ہیں جن کی کوئی فنی شہادت نہیں ہوتی، کئی طرح کی عادتیں، رسومات کا آغاز ہو جاتا ہے، جس کی سلف صالحین بالخصوص اہل بیت نبوت سے کوئی ثبوت، دلیل نہیں ہوتی، اہل بیت سے تعلق اور محبت کے نام پر ان کی سچی تعلیمات سے بر سر عام روگردانی کی جاتی ہے، اہل بیت کے ''وفاداروں'' کو غدار اور شناخت شدہ غداروں کو ''محبان'' کہا جاتا ہے، ازواج مطہرات اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو طرح طرح کے اشاروں، کنایوں سے یاد کر کے اپنے بغض و نفاق کی آگ کو ٹھنڈا کیا جاتا ہے، مذہب کی آڑ میں ''سیاسی غلبہ'' کی کوششیں کی جاتی ہیں، اس کے لئے لوگوں کی ذہن سازی کی جاتی ہے۔

ان سب باتوں سے اپنے آپ کو بچانا اور امت مسلمہ کی حفاظت کرنا ضروری ہے؛ ورنہ اہل بیت سے جھوٹے تعلق کے نام پر ہونے والے اس کھیل میں وطن اور اہلیان وطن کی سنی شناخت ''ہضم'' ہو کر رہ جائے گی، پھر لوگ نہ تین میں ہوں گے نہ تیرہ میں، اسی فکر سے رفتہ رفتہ سیکولرزم اور صوفی ازم کو بھی تقویت ملے گی، جو کفر اور شرک کے نئے نام ہیں۔

حضرت رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''من احدث فی أمرنا هذا مالیس منه فهو رد''۔ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کی جو دین میں نہ ہو، تو وہ مردود ہے۔(۱۵)

مردود باتوں سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے کی سوچ انتہائی مضحکہ خیز ہے، نہ ہی ایسی مردود رسومات کے لئے جمع کئے گئے مجموعوں سے کفر اور اہل کفر کو کوئی خطرہ، اندیشہ لاحق ہو سکتا ہے؛ بلکہ ان کی کوششوں کا بنیادی محور ہی یہ ہے کہ ہم دین کے بارے میں صرف ''نقل، مستند روایت'' کے تابع نہ بنیں؛ بلکہ سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی خواہش (ذاتی رائے، پارلیمانی رائے، جمہوری رائے) یا نام نہاد ''عالمی برادری'' یا کم از کم پڑوسی ممالک کا بھی کچھ خیال رکھیں۔

حوالہ جات اور مآخذ

(۱) صحیح مسلم، باب فضل صوم المحرم: ۲ / ۸۲۱، رقم: ۲۰۲(۱۱۶۳) (۲) سنن النسائی، باب کیف یصوم ثلاثة أیام من کل شهر: ۴/ ۲۲۰، رقم: ۲۴۱۶ (۳) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء: ۲ / ۷۹۶، رقم: ۱۲۸ (۴) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب ایّ یوم یصام فی عاشوراء: ۷۹۷/، رقم: ۱۳۳(۱۱۳۴)(۵) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صوم عاشوراء: ۷۹۲/۲، رقم: ۱۱۳(۱۱۲۵)(۶) شعب الایمان، باب الصیام صوم التاسع والعاشر: ۳ / ۳۶۵، (۷) المقاصد الحسنة فی بیان کثیر من الأحادیث المشتهرة علی الألسنة، للامام شمس الدین محمد بن عبد الرحمان السخاوی المتوفی ۹۰۲ھ، حرف المیم، ص: ۴۹۴، رقم: ۱۱۹۱ (۸) شعب الایمان للبیهقی، باب الصیام، صوم التاسع والعاشر: ۳/۳۶۵ (۹) المقاصد الحسنة، حرف المیم، ص: ۴۹۴، رقم: ۱۱۹۱ (۱۰) المصدر السابق، حرف المیم، ص: ۴۹۴، رقم: ۱۱۹۱ (۱۱) أیضا (۱۲) أیضاً، (۱۳) تذکرة الموضوعات للعلامة الفتنی، ص: ۱۱۹ (۱۴) أیضاً ص: ۱۱۸ (۱۵) صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحکام، ورد محدثات الامور: ۱۳۴۳/۳، رقم: ۱۷(۱۷۱۸)

☆......☆......☆

پھولوں اور کلیوں کی باغبانی کیجیے

اہلیہ بلال

ہمارے بچے ہماری خوشیوں، شادمانیوں اور مسرتوں کے گلشن کے پھول اور کلیاں ہیں، اس گلشن کے لہلہاتے، مسکراتے، گنگناتے اور چہچہاتے شاداب غنچے ہیں، ان کی آبیاری، ان کی ہمہ وقت آباد کاری، ان کی نگہبانی اور باغبانی کرنا ہمارا فرض ہے، بالکل ایسے کہ جیسے ایک باغبان باغ کے پیڑوں، پودوں اور پھولوں کی باغبانی کرتا ہے، وقت پر ان کی پنیری لگاتا ہے، زمین کو نمو کے قابل بناتا ہے، برے اور نقصان دہ موسمی اثرات سے بچاتا ہے، نقصان دہ حشرات اور کیڑوں مکوڑوں کے حملوں سے ان کو بچاتا ہے، ان کی تراش خراش کرتا ہے، ان کی نزاکت، خوب صورتی اور رعنائی اور زیبائی اور دلربائی کو بچانے کے لئے ہر جتن کرتا ہے...... بالکل ایسے ہی...... بلکہ اس سے بھی بڑھ کر...... ہمیں اپنی زندگانی کے گلشن اور چمن کے پھولوں اور کلیوں یعنی اپنے بچوں کی بہترین پرورش کرنی ہے...... تاکہ وہ علم شباب میں پہنچ کر ہمارے لئے اور خود اپنے لئے نیک نامی اور دنیا و آخرت میں کامیابی کا باعث بن سکیں، ہر والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد خوش حال ہو، ان کے پاس اعلیٰ ڈگریاں ہوں اور وہ اونچے عہدوں پر فائز ہوں، عیش و آرام کا سارا ساز و سامان ان کے پاس ہو، دنیوی اعتبار سے وہ ہر طرح کامیاب ہو، اولاد کے لئے یہ کوششیں ہرگز ناپسندیدہ نہیں ہیں، ناپسندیدگی کی بات یہ ہے کہ آپ دنیاوی کامیابی ہی کو اپنا مقصود بنالیں اور اولاد کے دین و اخلاق سے غافل ہوجائیں، اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ اولاد کے پیدا ہوتے ہی اس پر غیر معمولی توجہ دیں، والدین انتہائی، حکمت، دلسوزی، بردباری اور صبر و استقلال کے ساتھ اس مشن میں لگے رہیں۔

یاد رکھئے! اولاد کی نیک تربیت جہاں آپ کے لئے دنیا میں نیک نامی اور عزت و رفعت کا باعث اور سکون و راحت کا ذریعہ بنے گی، وہیں مرنے کے بعد صدقہ جاریہ بن جائے گی، یعنی آپ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد آپ کا سیونگ اکاؤنٹ کھل گیا اور آپ کو باقاعدگی سے نفع پہنچے گا، ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کے ہاں جب انسان کے درجات بڑھائے جاتے ہیں، تو وہ کہتا ہے: اے مولائے کریم! میرے درجات میں بلندی کا کیا سبب ہے؟ تو جواب ملتا ہے: تیری اولاد کا تیرے لئے استغفار کے سبب۔"

اولاد سے یہ سعادت حاصل کرنے کے لئے ہمیں بھی کچھ ذمہ داریاں ادا کرنا ہوں گی کہ ہم ان کی تربیت اسلامی دستور کے مطابق کریں، اسلام جیسی انمول نعمت ان کے دامن میں ڈالیں، اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ جس نے ہمیں یہ نعمت عطا فرمائی، ہماری مسلمانی کا ثبوت بھی اس میں ہے کہ ہم اپنی نسلوں کو دین حنیف سے روشناس کرائیں، پھر ان کو دینی ماحول میں رہنے پر آمادہ کریں۔

ہمیں یہ تو فکر رہتی ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارا کیا بنے گا؟ لیکن کبھی اس بات کی فکر نہیں کی کہ ہمارے مرنے کے بعد ہماری اولاد کا کیا بنے گا۔ اس حوالے سے خود غرض واقع ہوئے، اس وقت پوری دنیا کے ہنود و یہود اس مسئلے میں پریشان ہیں کہ وہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کی نئی نسل کو نئی پود کو قابو کریں، بچوں اور بچیوں کو کسی طرح اپنا ذہنی غلام بنائیں، ان کو خراب کریں اور ان کے اذہان و قلوب سے مسلمانیت کے نقوش حرف غلط کی طرح مٹا دیں، ان بچوں کی تربیت اس طرح کریں کہ جس پر عمل پیرا ہو کر یہ بچے کم از کم مسلمان نہ رہیں یا صرف اس طرح کے مسلمان بن جائیں، جن کے نام مسلمانوں جیسے ہوں، لیکن ان کے تمام کام ہمارے (ہنود و یہود اور صلیبیوں اور عیسائیوں) جیسے ہوں، اس مقصد کے حصول کے لئے ٹی وی، ڈش، کیبل، نیٹ ورک سسٹم اور انٹرنیٹ کے ذریعے نئی نسل کی تربیت کرنے میں مصروف ہیں۔

والدین کسی بھی صورت میں بچوں کی تربیت سے بری الذمہ قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ فکر معاش اولاد کی تربیت سے غفلت برتنے کے لئے باپ کے پاس جواز اور حیلہ نہیں بن سکتا اور نہ ہی والدہ کی سماجی و گھریلو مصروفیات اس فرض سے کوتاہی کا جواز اور حیلہ بن سکتی ہیں کہ ماں ان امور میں مصروفیت اور خانہ داری کی مصروفیتوں کی وجہ سے اپنی اولاد کو ملازموں اور آیاؤں کے سپرد کر کے مطمئن ہوجائے یا پھر والدین تربیت اولاد کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈال کر خود کو بری الذمہ قرار دے کر مطمئن ہوجائیں، اللہ کی پناہ اس سے، حقیقت یہ ہے کہ بچوں کی تربیت کرنا نہ صرف والدین میں سے کسی ایک کا فرض ہے، بلکہ یہ دونوں کا مشترکہ فریضہ ہے، اس بات کی راہنمائی کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص نگراں ہے اور اپنے زیر نگرانی افراد کے بارے میں جوابدہ ہے۔

بعض بچے والدین کے زندہ و جاوید ہوتے ہوئے بھی یتیم ہوتے ہیں، محروم شفقت و توجہ ہوتے ہیں، اگرچہ آیائیں، نوکر چاکر موجود ہوتے ہیں، سہولت کی ہر چیز میسر ہوتی ہیں، لیکن پھر بھی یتیموں کی سی زندگی گزارتے ہیں، اس لئے کہ آج کل بعض والدین زندگی کی گہما گہمی اور تجارت و کاروبار میں اس قدر مصروف ہوتے ہیں کہ وہ اولاد کی تربیت کی جانب ذرہ توجہ نہیں دے سکتے، غلط افکار و خیالات بچوں کے ذہنوں میں جگہ بنالیتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی وہ دین سے بھی بے بہرہ ہوجاتے ہیں، جب یہ بچے بڑے ہوتے ہیں تو والدین کے لئے فکر و پریشانی کا باعث بنتے ہیں اور والدین اپنی کوتاہی تسلیم کرنے کے بجائے یہ الزام تعلیم گاہوں اور معاشرے پر ڈالنے لگتے ہیں، یہ احساس نہیں کرتے کہ

فی الواقع تربیت کی اولین ذمہ داری ان ہی کی تھی۔

کیا خوب کہا: ”یتیم وہ نہیں ہے، جس کے والدین غمِ حیات سے رہائی پا کر اسے اپنے پیچھے خستہ حال چھوڑ گئے ہوں، بلکہ یتیم وہ ہے، جس کی ماں اپنے آپ میں مگن ہو اور باپ کو (اپنے ہی کاموں سے) فرصت نہ ہو“۔ ہر قوم اور ملک کے مستقبل کا دارومدار اس کے ہونہار بچوں پر ہے، آج کے بچے کل کے معمار یا تخریب کار ہیں، بچوں کو نظر انداز کر کے کوئی قوم کامیاب ہو سکتی ہے اور نہ کوئی ملک، ہر دور میں بچوں کی اہمیت کو کسی نہ کسی درجے میں ضرور تسلیم کیا جاتا رہا ہے، لیکن انیسویں صدی کے آغاز سے بچوں پر خصوصی توجہ دی جانے لگی ہے، بچوں کی اہمیت اس اعتبار سے تو ہے ہی کہ وہی بڑے ہو کر سماج کے رکن کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں، لیکن اس حیثیت سے بھی ان کی بڑی اہمیت ہے کہ وہ اپنے بچپن میں بھی اپنی صلاحیتوں سے ملک وملت کو مستفید کرتے ہیں، اگرچہ بزرگوں کی فہم وفراست، صبر وتحمل اور زیرکی و تجربہ کاری، نوجوانوں کی رگوں میں دوڑتا ہوا خون اور ان کا جوش وولولہ، ملک وملت کی تعمیر میں اہم رول ادا کرتا ہے تو بچوں کی معصوم ادائیں ان کی ننھی منی کلائیاں، ان کے پرسوز نغمے، زندگی کی روح کو بیدار کرتے ہیں۔

یہ بات ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ کیا ہم اہل اسلام اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہے ہیں؟ چنانچہ ہمیں چاہئے کہ آخرت کی کامیابی کے لئے اپنے بچوں کو غلط اخبار وجرائد، ٹی وی، ڈش، وی سی آر، کمپیوٹر، انٹرنیٹ وغیرہ کی فراہم کردہ غلط تربیتوں سے نکال کر ڈائریکٹ اپنی تربیت میں لیں، تاکہ وہ دنیائے کفر کی سازشوں اور کفر والحاد کی آندھیوں سے اپنے دامن کو بچا کر علم وعمل کی تلوار سے ان کو کاٹ لیں اور ان کا مردانہ وار مقابلہ کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اولاد کی صحیح تربیت کرنے والا بنائے۔ (آمین)

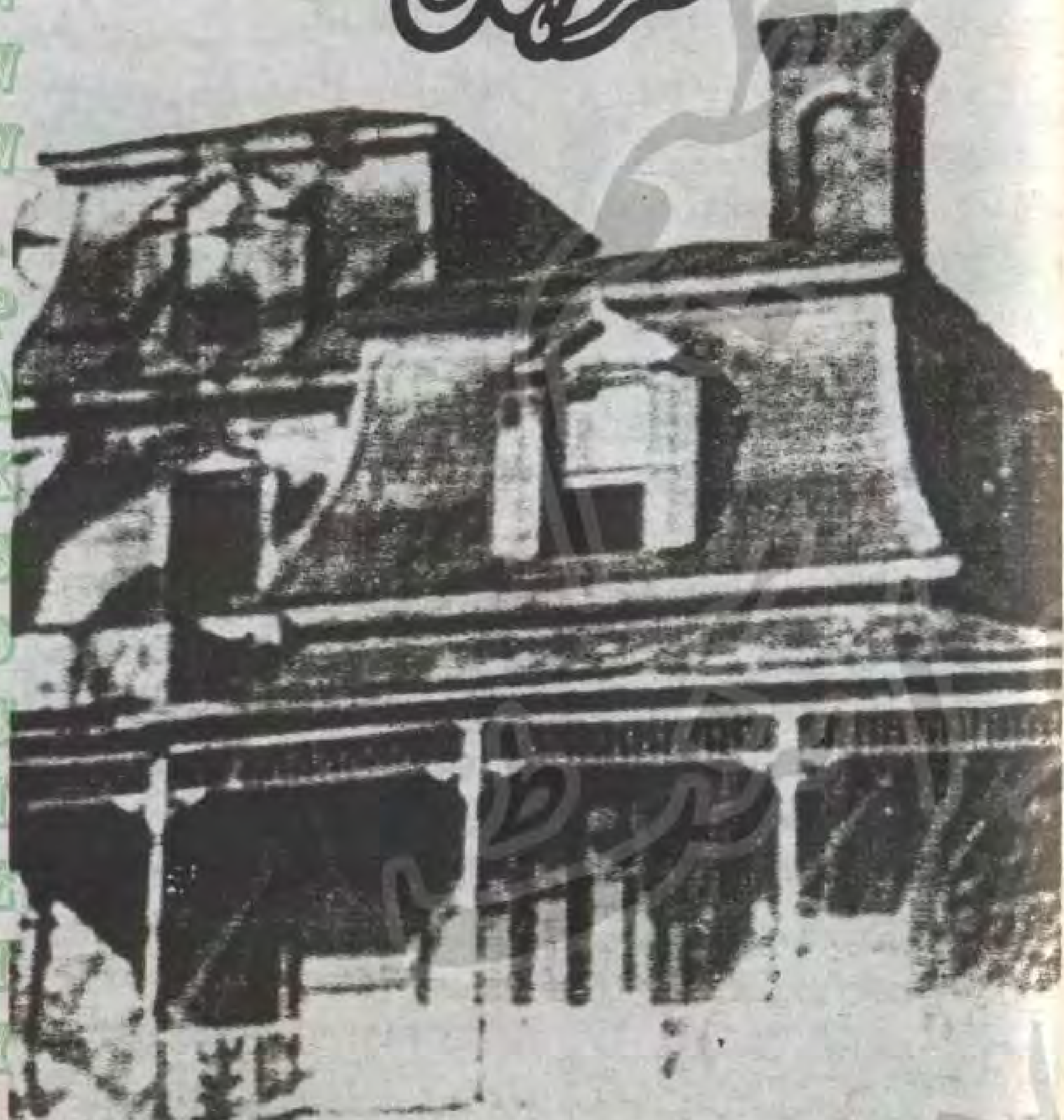
☆......☆......☆

گناہوں کے وساوس ایمان کی علامت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ گناہوں کے وساوس بہت آتے ہیں، اس بارے میں یہ سمجھ لیں کہ گناہوں کے وساوس آئیں، مگر ان پر عمل نہ کریں، تو یہ بہت بڑی نعمت ہے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے دل میں ایسے خیالات آتے ہیں کہ اگر ان پر عمل کر لیں تو ہم جل کر خاک ہو جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو ایمان کی علامت ہے۔ دوسری بات یہ کہ چور وہاں جاتا ہے، جہاں کچھ ہو، نفس وشیطان تو وہاں جاتے ہیں، جہاں کچھ خزانہ ہو اور جہاں کچھ ہے ہی نہیں، اسے تو وہ اپنا بھائی سمجھتے ہیں، وہاں تو شیطان متوجہ ہوتا ہی نہیں، جن کے پاس کچھ خزانہ ہو، ان کے خلاف اگر کسی وقت نفس وشیطان بظاہر کامیاب ہو بھی جائیں تو وہ درحقیقت کامیاب نہیں ہوتے، اس لئے کہ گناہ کے بعد جب وہ اللہ کے حضور ندامت سے رو رو کر آہ وزاری کرتا ہے تو شیطان پھر نیچے اور وہ اوپر، اس طرح آئندہ کے لئے شیطان کی ہمت پست ہو جاتی ہے، وہ کان پکڑتا ہے کہ اس سے تو گناہ کرانے سے تو اس کے درجات میں اور ترقی ہوتی ہے، ایسا انسان نفس و شیطان کے ساتھ جہاد کر رہا ہے اور نفس وشیطان کے تقاضوں کو روندتا چلا جاتا ہے، اللہ کے قرب کے درجات طے کرتا چلا جا رہا ہے۔

☆......☆......☆

گھر کہانی



اہلیہ محمد امان اللہ فاروقی

”آج آپ سب کو ایک خوش خبری سنانی ہے۔“

سب نے حیثمہ کی طرف دیکھا، جو چائے کی پیالی منہ سے لگائے بڑی خوش تھی۔

”اب بتاؤ جلدی سے حیثمہ، زیادہ انتظار نہ کراؤ۔“

حلیمہ نے کہا اور سب چائے کے کپ رکھ کر حیثمہ کی طرف متوجہ ہو گئے، جو سب کو اپنی طرف متوجہ کر کے بڑے پرسکون انداز میں چائے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔

حیثمہ اور اس کی کزنز جو سب قریب ہی رہتی

تھیں آپس میں ہم جماعت تھیں۔ میٹرک کے پیپرز سے فارغ ہونے کے بعد روزانہ عصر کے بعد یہ تمام کزنز حیشمہ کے گھر میں جمع ہو جاتی اور آپس میں طے شدہ پروگرام کے مطابق کوئی ایک سب کو چائے پلاتی ، اس بہانے سب آپس میں مل بیٹھتی اور مختلف موضوعات پر بات چیت کرتی تھیں اور ہلکی پھلکی خوش گپیاں بھی ہو جاتی تھی۔ آج حیشمہ کی باری تھی چائے پلانے کی ،تو وہ سب کو چائے کے بعد خوش خبری بھی سنانا چاہتی تھی۔

"اب خوش خبری سے پہلے سب دس دس روپے جمع کراؤ، سموسے کھائیں گے۔" حیشمہ نے سب کو اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر کہا۔

"اس وقت گھر سے لینے دس روپے کون جائے؟" جویریہ نے کہا تو باقی سب بھی تائید میں بول پڑیں۔

"ہاں، چلو ایسا کرو سموسے کل کھائیں گے......اب بات بتاؤ حیشمہ، وقت کافی ہو گیا انتظار میں ،کب بتاؤ گی۔"

حلیمہ نے ناراض لہجے میں کہا تو حیشمہ نے کہا۔

"سنو دوستو، میرا ارادہ ہے اس سال حج بیت اللہ کی زیارت کا اور اب میرا پاسپورٹ بھی بن جائے گا، پھر میں ابو جان کے ساتھ چلی جاؤں گی، آپ سب بھی دعا ضرور کرنا کہ مجھے بیت اللہ کی حاضری کی سعادت مل جائے۔ آمین اور ہم سب کو بھی۔"

طاہرہ نے کہا۔ "تو اب مٹھائی تم کھلا رہی ہو ہمیں یا وہ واپسی پر ہوگی۔" جویریہ نے کہا تو حیشمہ نے سب کی طرف دیکھا اور کہا:

"پہلے بھی اور واپسی پر بھی، بس تم سب دعا کرو، میں جا سکوں۔" سب نے پھر آمین کہا اور سب نے اپنے گھر جانے کی راہ لی وقت جو کافی ہو گیا تھا۔

"حیشمہ تم بڑی خوش قسمت ہو، ابھی اس عمر میں جاؤں گی، خوب عبادت کرنا، وہاں کا ہر لمحہ قابل قدر ہے، اس کی خوب قدر کرنا، اپنا وقت بالکل بھی فضول نہ گزارنا، اپنی موجودگی کو وہاں سعادت سمجھنا، یہ وقت پھر کبھی ہاتھ نہ آئے گا۔"

حیشمہ کی ماں رات کو حیشمہ کو بتا رہی تھی، کیونکہ وہ خود دو سال قبل حج کر کے آئی تھیں، اب اس سال حیشمہ کو بھی ماں نے تیار کیا تھا اور حیشمہ کے والد اکثر جاتے رہتے تھے، کیونکہ حیشمہ کا ایک بھائی تھا، جو سعودی عرب ہی میں تجارت کرتا تھا، وہ اپنے والد کو خرچ دیتا تھا حج کا، تو یوں اس سال حیشمہ بھی اپنے والد کو اپنی تیاری سے آگاہ کر چکی تھی۔

"حیشمہ، تم میری ایک ہی بیٹی ہو، میرا ارادہ تھا تم مدرسے میں بھی تعلیم حاصل کرو، تاکہ اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات جان سکو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی یاد کرو، کس طرح گزاری تھی سبحان اللہ، صبر شکر معاف کرنا اور ہر طرح حسن سلوک پورا قرآن ہی سیرت ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ،اب تم سن رہی میری بات۔" ماں نے پوچھا تو حیشمہ نے کہا۔

"جی امی جان۔"

"اب کافی رات ہو چکی ہے، سو جاؤ، یہ نصیحت اکثر، روزانہ ماں بیٹی کو سناتی تھی، یوں حج کا شوق بھی حیشمہ کے دل میں پروان چڑھتا رہا اور یہ انہی دعاؤں کا ثمر تھا کہ حیشمہ حج پر روانہ ہونے والی تھی، وہ بڑی خوش تھی، سب کزنز اسے آج الوداع کر رہی تھی اور وہ سب کو مٹھائی کھلا رہی تھی اتنے میں حیشمہ کی ماں نے پاس آ کر کہا:

"یہ بچے بھی پھول ہوتے ہیں، دو دوستوں کے، پھر ہمارے پھول سدا خوش رہ کر دوسروں کو خوشبو دیں، ہر انسان پھول کی طرح نکھر کر خوشبو دیتا ہے اور چند دن کے پھر وہ مرجھا جاتا ہے، اب حیشمہ روانہ ہونے والی ہے، آپ سب بھی ہر وقت دعاؤں میں ایک دعا حج کی بھی کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

☆......☆......☆



قارئین کرام سے گزارش ہے کہ صرف ایسے علمی اور معاشرتی سوال ارسال کریں جن کا تعلق عام زندگی سے ہو۔

☆......ذاتی نوعیت کے سوالات، شرم وحیا کے متعلق مسائل اور اختلافی مسائل بھیجنے سے گریز کریں، ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا جائے گا۔

☆......سوال مختصر اور جامع ہو، غیر ضروری طوالت سے اجتناب کریں۔

☆......تحریری صاف ستھرے کاغذ پر لائن چھوڑ کر لکھیں۔

☆......لفافے پر "آپ کے مسائل کا حل" لکھنا نہ بھولیں۔

سوال:......جب سے میں نے نماز پڑھنا، زکوۃ وغیرہ دینا اور حتیٰ الامکان دین کے دیگر احکامات پر عمل کرنا شروع کیا ہے، اس وقت سے اکثر دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ کہیں یہ جنت دوزخ کی باتیں (نعوذ باللہ) جھوٹ نکلیں تو......مگر پھر توبہ کر کے ٹھنڈے ذہن کے ساتھ اس بات پر نہایت سختی سے جم جاتی ہوں کہ "اگر قیامت، دوزخ ،جنت سب سچ نکلا تو......! اربوں کھربوں سالوں پر مشتمل لامحدود وقت کون دوزخ میں گزارے گا اور اتنا بڑا رسک کیوں لیا جائے؟" اب جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا ان خیالات سے ایمان جاتا رہتا ہے جبکہ فوراً توبہ کر لی جائے؟

(میمونہ رضوانہ، راول پنڈی)

جواب:......اس قسم کے خیالات اور وسوسے جو غیر اختیاری طور پر دل میں آئیں، وہ دین اور ایمان کے لئے نقصان دہ نہیں جبکہ آدمی ان کو ناپسند کرتا ہو، ایسا وسوسہ اگر دل میں آئے تو فوراً استغفار کرنا چاہئے اور توجہ ہٹانے کے لئے کسی دوسرے کام میں لگ جانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام وعدے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات برحق ہیں، جنت برحق ہے، دوزخ برحق ہے، نیکی

اور بدی کا حساب وکتاب برحق ہے اور جزاوسزا برحق ہے، عذاب قبر برحق ہے، عالم غیب کے وہ حقائق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں، سب برحق ہیں، ان پر عقیدہ رکھنا شرط ایمانی ہے، اس لئے ان غیر اختیاری خیالات ووساوس کا علاج یہ ہے کہ ان کی طرف توجہ ہی نہ کی جائے، نہ ان سے پریشان ہواجائے۔

☆......☆......☆

سوال ......انگریزی زبان کو مذہب اسلام میں کیا حیثیت حاصل ہے؟ کیونکہ ہمارے والدین اس زبان سے سخت نالاں ہیں اور اس کے سیکھنے کے حق میں نہیں ہیں، لیکن آج کے دور میں انگریزی سیکھے بغیر چارہ نہیں ہے، اس کے بغیر ہم ترقی نہیں کر سکتے، لہٰذا آپ برائے مہربانی ہمیں بتائیں کہ مسلمانوں کے لئے انگریزی تعلیم حاصل کرنا کیسا ہے؟

(حنا صغیر، پی آئی بی کالونی کراچی)

جواب......انگریزی بھی دیگر زبانوں کی طرح ایک زبان ہے، جسے کے بولنے اور سیکھنے پر کوئی اعتراض نہیں، البتہ اس بات کی رعایت ضروری ہے کہ انگریزی سیکھنے کی وجہ سے انگریزی تہذیب اور اس کے اثرات انسان کے اندر نہ آئے۔ لہٰذا اگر انگریزی تعلیم سیکھنے سے دین کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کا سیکھنا حرام ہے اور اگر دین کی حفاظت کے ساتھ دنیوی اور معاشی مقصد کے لئے سیکھی جائے تو مباح (جائز) ہے اور اگر اس کا حصول دینی مقاصد کے لئے ہو تو کار ثواب ہے۔

☆......☆......☆

سوال:......کسی شخص نے دانتوں پر سونے یا چاندی کا خول چڑھایا ہو تو کیا اس کا غسل ادا ہو جائے گا؟ حالانکہ غسل میں کلی کرنا فرض ہے، تو کیا یہ خول دانتوں تک پانی پہنچنے سے رکاوٹ نہیں ہوگا؟

(مہوش فیصل، شادمان، کراچی)

جواب :......دانتوں پر بلاضرورت چاندی یا سونے کا خول چڑھانا مکروہ ہے، لیکن اگر ضرورت کی وجہ سے چڑھائے جائیں تو مکروہ نہیں اور دونوں صورتوں میں یہ خول غسل سے مانع نہیں ہوگا، بلکہ غسل ہو جائے گا۔

☆......☆......☆

سوال ......اگر چھ ماہ کی بچی کپڑے پر پیشاب کردے تو وہ پاک ہے یا ناپاک ہے؟ اور اگر چھ یا سات ماہ کا شیر خوار لڑکا پاک کپڑے پر پیشاب کردے تو کیا حکم ہے؟ کچھ لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ اگر شیر خوار لڑکا پیشاب کردے تو اس کپڑے پر پاک پانی کا چھینٹا دینے سے وہ کپڑا پاک ہو جاتا ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

(بنت فیضان، سرگودھا)

جواب ......شیر خوار بچے اور بچی دونوں کا پیشاب ناپاک ہے، البتہ لڑکے کے پیشاب کو زیادہ مبالغہ کے ساتھ دھونا ضروری نہیں بلکہ پانی بہادینا اور نچوڑ دینا کافی ہے۔ جب کہ لڑکی کے پیشاب کو مبالغہ کے ساتھ دھونا اور ہر بار نچوڑنا ضروری ہے۔

☆......☆......☆

سوال ......میری بیوی کے پاس دس تولے سونا ہے، میں بھی صاحب نصاب ہوں، عموماً اس کی طرف سے بھی میں ہی قربانی کرتا ہوں، اس سے رقم کا مطالبہ نہیں کرتا، نہ وہ اس کا تذکرہ کرتی ہے، کیا اس طرح اس کی قربانی ہو جاتی ہے؟

جواب......قربانی چونکہ مالی عبادت ہے اس لئے اس میں دوسرے کو نائب بنانا جائز ہے، لہٰذا آپ اگر بیوی کو مطلع کر کے اس کی اجازت سے اس کی طرف سے قربانی کرتے ہوں تو اس کی قربانی ہو جاتی ہے، خواہ آپ اس سے رقم لیں یا نہ لیں، تاہم اگر اس کو سرے سے علم ہی نہ ہو کہ میری طرف سے قربانی کی جا رہی ہے یا نہیں تو ایسی صورت میں نائب بننے میں محض آپ کی نیت معتبر نہ ہونے کی وجہ سے اس کی قربانی ادا نہیں ہوگی، لہٰذا جب آپ اہلیہ کی طرف سے قربانی کریں تو اس کو مطلع کر کے اس سے اجازت لیا کریں۔

خوابوں کی تعبیر

مولانا عبداللہ صفدر

☆......قاریات سے گزارش ہے کہ "خوابوں کی تعبیر کے لئے خط بھیجتے وقت چند باتوں کا خیال ضرور رکھیں۔

☆......تحریر صاف ستھرے کاغذ پر لائن چھوڑ کر لکھیں۔

☆......ایک صفحہ پر ایک خواب تحریر کریں۔ ☆......تحریر صاف اور واضح ہو۔

☆......لفافہ پر "خوابوں کی تعبیر" ضرور لکھیں۔ اپنے خواب ماہنامہ حیا کے ای میل ایڈریس Hya.diegest@gmail.com پر بھی ارسال کر سکتے ہیں۔

نوٹ:

☆......جن خوابوں کی تعبیر کی اشاعت شمارے میں مناسب نہ ہوگی ان کو تحریری جواب بھیج دیا جائے گا۔

☆......جوابی لفافہ لازمی اپنے خواب نامہ میں رکھیں۔

خواب:......میں نے رشتے کے متعلق استخارہ کیا، خواب میں دیکھا کہ اپنے سسرال میں، جہاں میرا رشتہ طے ہوا، ہونے والی نند سے پوچھتی ہوں، دہی جمانے کے لئے سمین ہے؟ وہ کہتی ہے، نہیں ہے، مجھے ایک انار کا پودا دکھا، اس پودے میں سے ایک انار توڑ کر دیکھتی ہوں تو اس میں دہی ہوتا ہے، میں کہتی ہوں، یہ ہے تو سہی، اسی دوران خوش گوار سی ہوا چلتی ہے، جیسے آندھی ہو اور تھوڑی اونچی جگہ پر ہوتی ہوں اور بہت خوش ہوتی ہوں، ہونے والے دیور کو بھی دیکھتی ہوں، وہ بھی بہت خوش ہوتا ہے اور میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ یہ خواب غالباً درمیانی شب کا ہے، ایک اور بات کہ جہاں رشتہ طے ہونا ہے، وہ میری سگی خالہ ہیں۔

(بنت حوا، کمالیہ)

تعبیر ......استخارہ اچھا ہے، ان شاء اللہ آئندہ زندگی اچھی ہوگی۔

☆......☆......☆

خواب :......میں، میری بہن اور دو کزنز تھیں، میں نے دیکھا کہ ہم چار ایک کمرے میں جاتے ہیں، وہاں پر

سب جنازے پڑے ہیں، الٹے سیدھے پڑے ہیں اور وہ بھی سارے کفن میں، سب جنازوں کی ایک لائن سیدھی ہے، اس میں پہلا جنازہ دروازے کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسرا جنازہ کسی بزرگ کا ہوتا ہے، پھر ایک اور جنازہ، پھر میرے ابو اسی طرح اور یہ لائن سیدھی ہوتی ہے، سب مُردوں کے منہ یا جسم کے کسی اور حصہ پر زخم کا نشان ہوتا ہے، میرے ابو کے منہ پر زخم کا نشان ہے، صرف ان بزرگ کا جنازہ ٹھیک ہوتا ہے، ان کی داڑھی ہوتی ہے، مونچھیں نہیں ہوتی، سر کے ساتھ رومال ہے سفید رنگ کا، اس بزرگ کا چہرہ بہت زیادہ نورانی ہے، بہت زیادہ، پھر ہمیں وہی جنازے بیٹھنے کے لئے کہتے ہیں، میں ابو کے پاس نہیں بیٹھتی، بلکہ ایک کونے میں جاکر بیٹھ جاتی ہوں اور کہتی ہوں کہ میرے ابو مرے ہوئے ہیں، اس لئے ان کے پاس بیٹھنے سے ڈر لگتا ہے، سارے مردے بیٹھ جاتے ہیں اور انسانوں کی طرح آپس میں باتیں کرتے ہیں، ایک بڑھیا ہمارے پاس آتی ہے اور میرا ہاتھ پکڑ لیتی ہے، میں بہت ڈرتی ہوں، میں اونچی آواز میں کلمہ اور آیت الکرسی پڑھنا شروع کرتی ہوں تو سب ہنسنا شروع کردیتے ہیں، پھر مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ بڑھیا میرے ساتھ پیار سے باتیں کرتی ہے اور کہتی ہے، میں آپ کو یہاں سے جانے نہیں دوں گی، سب آپس میں باتیں کررہے ہوتے ہیں، صرف میرے ابو اور وہی بزرگ اسی طرح لیٹے ہوتے ہیں، پھر ایک دلہن آتی ہے، سرخ جوڑا پہنا ہوتا ہے، سر پر چادر نہیں ہوتی ہے، وہ بھی ہمارے ساتھ باتیں کرتی ہیں، یاد نہیں کیا باتیں تھی، میں اس سے پوچھتی ہوں کہ میں نے سنا ہے کہ یہاں ایک دلہن بھی ہے، جو شادی کے دن ہی فوت ہوگئی تھی، وہ کہتی ہے، میں ہی ہوں اور وہ کچھ بتاتی ہے کہ کیسے فوت ہوئی، لیکن مجھے اب یاد نہیں ہے، تبھی میں دیکھتی ہوں کہ کمرہ خالی ہوتا ہے، سارے جنازے باہر چلے گئے، حالانکہ میرے ابو اور بزرگ لیٹے تھے، لیکن وہ بھی نہیں تھے، ابھی ہم یہ سوچ رہے ہوتے ہیں کہ باہر کیسے جائیں، میں اپنی بہن اور ایک کزن کو باہر کسی طرح کرکے بھیجتی ہوں کہ ہمیں بھی نکالنا، وہ چلی جاتی ہیں، ہم کمرے کے باہر جاتے ہیں، وہ لکڑی کا گھر ہوتا ہے، جیسے کبوتروں کے لئے کسی نے بنایا ہوتا ہے اور ہوتا بھی درخت کے اوپر ہے، ہم باہر کھڑے ہوتے ہیں، تبھی ہمارے اپنا بندہ آکر کہتا ہے کہ ان دونوں نے جو کچھ ساتھ لے کر گئی تھی، واپس دے دیا ہے، پھر ہم امید چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ اب نہیں جاسکتے۔

خواب کی تعبیر جلد از جلد دے دیں، بہت مہربانی ہوگی، یہ ہمیں گھر میں چاہئے، حیا میں نہیں شائع کرنا۔ شکریہ

تعبیر :......اپنے مکمل پتے کے ساتھ جوابی لفافہ دوبارہ بھیجئے۔

☆......☆......☆

خواب:......میں نے خواب یہ دیکھا کہ میں مدرسے سے آرہی ہوں اور پھر بہت سے مرد جنازے کے ساتھ سامنے سے آرہے ہوتے ہیں، میں ان جنازے کے ساتھ مردوں کو دیکھ کر سہم جاتی ہوں اور پھر تھوڑی آگے جاکر دیکھتی ہوں کہ بہت سی خواتین باہر کھڑی ہیں اور جنازے کو دیکھ رہی ہے تو میں ان عورتوں کو دعوت دیتی ہوں کہ یہ جانے والے تو چلے گئے، پھر کل ہماری باری ہے، ہمیں جانا ہے، بہت تھوڑا وقت ہے، تیاری کرلو، اس طرح کی باتیں میں ان عورتوں سے کرتی ہوں، وہ عورتیں بھی ان باتوں کا اثر لیتی ہیں اور پھر گھر چلی جاتی ہیں اور میں بھی گھر آجاتی ہوں، مہربانی ہوگی، اس خواب کی تعبیر سے ضرور آگاہ کریں، اللہ آپ کو دنیا وآخرت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

(بنت عبدالحق)

تعبیر :......اللہ، آپ کے ذکرواذکار اور عبادت میں اضافہ کرے، اپنی داعیانہ صفات میں شرعی حدود میں رہتے ہوئے اضافہ کیجئے، خود بھی نظروں کی حفاظت کریں اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کریں، اس دعا کو کثرت سے پڑھیں۔ اللھم انی اعوذبک من فتنۃ الرجال

☆......☆......☆

کئی سال پیچھے چلتے ہیں

شفقتوں کا پیکر

ساجدہ بتول

والدین ہر انسان کے لیے سائبان ہوتے ہیں، بچہ چھوٹا ہو یا بڑا، والدین ہی ہوتے ہیں جو ہمہ وقت، ہر دم ان کی فکر اور نگہبانی میں لگے رہتے ہیں اور زمانہ کے سرد وگرم تھپیڑوں سے ان کی حفاظت کرتے ہیں، لیکن...... جب انہی والدین میں سے دونوں یا کوئی ایک ہم سے ہمیشہ کے لیے روٹھ جائے اور بہت دور چلا جائے جہاں سے جانے والے واپس نہیں آتے، تو ان کی یادیں، ان کی باتیں دل کو تڑپاتی اور آنکھوں کو آنسو میں ڈبڈبا دیتی ہیں...... ایک ایسی ہی تحریر جس میں ایک بیٹی نے اپنے والد کی وفات بعد ان کے ساتھ بیتے لمحات کی یادوں کو تازہ کیا ہے۔

کئی سال پیچھے چلتے ہیں...... ایک ننھی سی بچی کھیلتے کھیلتے گر گئی تھی، کلائی میں پہنی کانچ کی چوڑی جو ٹوٹی تو کانچ جلد کے اندر تک گھس گیا، بھل بھل بہتا خون دیکھ کر امی جی، نانا ابو، نانی اماں، سب بری طرح گھبرا گئے، چونکہ ابو جی کے آنے کا وقت ہوا چاہتا تھا، امی جی کو معلوم تھا، ابو جی یہ چوٹ برداشت نہیں کرسکیں گے...... فوراً کانچ نکال کر پٹی کی گئی اور آستین میں چھپا دی گئی، بچی کو سمجھا دیا گیا کہ ابو جی کو کچھ نہیں بتانا...... ابو جی نے اندر داخل ہوتے ہی معمول کے مطابق اسے اٹھایا اور سوجی آنکھیں دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہوگئے، گھر والوں سے وجہ پوچھی تو امی جی نے ڈرتے ہوئے بچی کی آستین اوپر کردی۔

”یہ...... یہ کیسے؟ اور مجھے پہلے کیوں نہ بتایا؟“ ابو جی کے اوسان خطا ہوگئے۔

”آپ سفر سے تھکے ہارے لوٹے تھے، لہٰذا میں نے پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا۔“ امی جی دھیمے لہجے میں بولیں۔

”تمہیں اچھی طرح معلوم ہے، میں بے بی کے معاملے میں کتنا حساس ہوں، اس کے مقابلے میں مجھے میری تھکاوٹیں یاد نہ دلایا کرو۔“ ابو جی نے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

☆......☆......☆

اور اب...... وہ ننھی بچی بڑی بھی ہوچکی ہے اور شادی شدہ بھی...... 30 جون 2013ء کو ملتان کی

خواتین رائٹرز کی میٹنگ طے تھی، فجر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو محسوس ہوا، دل بے چین ہے، نجانے کیوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے...... میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا، مجھے کیا ہو رہا ہے؟؟ فر فر بہتے آنسوؤں کے ساتھ ناشتہ بنایا، لیکن کھایا نہ گیا، میٹنگ پر جانے کا ارادہ بھی میں نے بلاوجہ کینسل کر دیا، ابھی برتن دھونے کی تیاری کر رہی تھی کہ یہ، جو گھر سے باہر تھے، اچانک گھر آئے اور مجھے کہا: "امی کے ہاں چلنے کی تیاری کرو۔"

"کک...... کک...... کیوں؟" خطرے کا عجیب سا الارم میرے دماغ میں بجنے لگا تھا۔

"پریشان مت ہو...... سب خیریت ہے...... بس ابو تمہیں یاد کر رہے ہیں، ان کی طبیعت ذرا ٹھیک نہیں۔"

اُن کی اس بات سے میری تسلی نہ ہوئی، رات کو ہی تو ابو جی سے بات ہوئی تھی، اس وقت ان کی آواز میں کمزوری ضرور محسوس ہوئی تھی اور...... اور مجھے لگا تھا، وہ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے تھے، میں امی جی اور بھائی سے بار بار پوچھتی رہی تھی، ابو جی کو کیا ہوا ہے؟ لیکن وہ دونوں ٹال مٹول کرتی رہیں، شاید یہی وجہ تھی کہ مجھے ساری رات نیند بھی نہ آئی تھی اور اب تین گھنٹے کا سفر مکمل ہونے پر جب ہم گاڑی سے اترے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ...... "سائبان چھن گیا ہے۔"

" سائبان تو سائبان ہی ہوتا ہے، والدین تو والدین ہی ہوتے ہیں، ڈھلتی عمر کا تقاضا ان کو ہر ذمہ داری سے فارغ کیوں نہ کر دے؟ اولاد جوان کیوں نہ ہو جائے؟ اپنے پیروں پر کھڑی کیوں نہ ہو جائے؟ ان کا سہارا پھر بھی ان کا سہارا ہے، ان کی ضرورت تا عمر باقی رہتی ہے، ان کی احتیاج ہمیشہ برقرار رہتی ہے، ماں باپ کے بغیر دنیا ویران ہے اور زندگی بے رونق...... دنیا میں ماں باپ کا نعم البدل کوئی ہے، نہ ہی کوئی بن سکتا ہے۔

ابو جی کو تین دفعہ ہارٹ اٹیک ہوا اور تیسرے اٹیک نے انہیں ہم سے چھین لیا، دو ہفتے کے اندر اندر تین دفعہ اٹیک...... لیکن مجھے کچھ نہ بتایا گیا تھا...... ہاں لیکن میرا دل ضرور بوجھل رہا تھا، میں دو ہفتے سے مسلسل پریشان تھی اور ٹینشن کی وجہ سے بیمار بھی ہو گئی تھی، دل سے بار بار صدا اٹھتی تھی۔ "کچھ ہونے والا ہے۔"

مجھے پریشانی سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی، مجھے بے خبر رکھنے والے اس بات سے بے خبر تھے کہ میں تو دو ہفتے سے مسلسل پریشان تھی اور پریشانی کا سرا ابھی میرے ہاتھ نہیں لگ رہا تھا، گھر سے ذرا فاصلے پر روڈ کے عین اوپر ابو جی کے دوست کی دکان ہے، اب چونکہ ملازمت سے ریٹائرڈ تھے، لہٰذا فراغت کے اوقات میں اس دکان میں بیٹھ جاتے...... ہم جب ان کے ہاں پہنچتے تو روڈ سے اترتے ہی سامنے دکان پر نظر دوڑاتے جہاں ابو جی ہمارے انتظار میں ہی بیٹھے ہوتے، ہمیں دیکھتے ہی بینچ سے اٹھتے اور ہمارے ساتھ ہی گھر کی جانب روانہ ہو جاتے، گھر پہنچ کر سر پر دست شفقت رکھتے، پھر کولڈ ڈرنکس وغیرہ لینے کے لئے دوبارہ باہر چلے جاتے۔

لیکن آج...... آج جب ہم روڈ سے اترے...... سامنے دکان پر نظر ڈالی، مگر وہ بینچ تو خالی تھا! کوئی نہیں تھا جو لاڈلی اور ضدی بیٹی کے انتظار میں نگاہیں جمائے بیٹھا ہو...... کسی نے میرے ساتھ گھر کی جانب قدم نہ بڑھائے، گھر پہنچی تو کسی نے سر پر ہاتھ نہیں دھرا، ہاں مگر ذرا فاصلے پر ابو جی کا بے جان جسم ضرور موجود تھا اور سسکتی، تڑپتی ماں بھی...... پھر درد تو درد ہی ہوتا ہے، دکھ تو دکھ ہی ہوتا ہے...... اور انسان اپنا دکھ جس قدر خود سمجھ سکتا ہے اور کوئی بھی سمجھ نہیں پاتا...... ساری دنیا مل کر حوصلہ دے، ہمت بندھائے، سہارا بنے، شفقت دے تو بھی ماں باپ کی کمی کوئی پوری کر نہیں سکتا، ماں باپ کے سوا ہر کسی کی محبت شاید مول میں ملتی ہے، یا پھر قرض میں۔

بس اتنا ہی بتا سکتی ہوں کہ کل تک بچی تھی، آج ایک دم بڑی ہو گئی ہوں، مجھے تو بس اتنا یاد ہے کہ ابو جی اگر کبھی طبیعت کی خرابی کے باعث سفر کے قابل نہ ہوتے اور امی جی اکیلی مجھ سے ملنے آتیں تو بہت سے مہنگے مہنگے تحائف کے ساتھ ساتھ ایک بڑا سا شاپر بھی مجھے تھما دیتیں، جس میں بہت سے بسکٹ کے پیکٹ، نمکو، چاکلیٹس اور سلانٹیز بھری ہوتیں، ساتھ ہی بتاتیں، یہ "چیز" تمہارے ابو نے تمہارے لئے دی ہے، مجھے بالکل ننھی بچی کی طرح ڈیل کرتے تھے۔

میں اور بھائی، اکلوتے ہونے کی وجہ سے سارے خاندان میں "مہنگی اولاد" کے نام سے مشہور ہیں، ابو جی نے زندگی بھر ہم دونوں کو کبھی نہ ڈانٹا...... مارنے کا تو سوال ہی نہیں تھا، گھر میں کسی بھی کام کے لئے گھر کے کسی فرد کو بلانا ہوتا، میں موجود ہوتی یا نہ ہوتی، آواز مجھے ہی دیتے تھے...... نام میرا ہی پکارتے تھے...... میں ہوتی تو حاضر ہو جاتی، پھر مجھ سے کہتے، فلاں کو بلاؤ، میری رائے کو جتنی اہمیت حاصل تھی، اتنی کسی اور کو نہ تھی، کوئی بھی اہم معاملہ ہوتا، کسی کام کے لئے ابو جی نہ مان رہے ہوتے...... تو گھر کے سب افراد مجھے آگے کرتے تھے...... میرے ایک دفعہ کہنے کی دیر اور ابو جی مان جاتے...... میرے سامنے "نہ" کا تو سوال ہی نہیں تھا۔

آہ!! کس دل سے بتاؤں کہ یہ الفاظ کس دل سے لکھ رہی ہوں، کپکپاتے لب اور برستے آنسو کسی کے جذبات کے غماز ضرور ہو سکتے ہیں، مگر اپنا دکھ، اپنا درد اور اپنا رنج و غم جس قدر وہ شخص خود محسوس کر سکتا ہے، دوسرے اس کی دھول بھی پا نہیں سکتے اور جب رنج دنیا کی قیمتی ترین نعمت سے جدائی کا ہو تو کرب و دل شکستگی کے کیا ہی کہنے!! مگر...... اس آنسوؤں کی برسات کو روکنے والے ابو جی اب میرے پاس نہیں کیا، مجھے کوئی بھی پریشانی ہوتی، مجھ سے پہلے آنسو ابو جی کی آنکھوں سے گرتے تھے، میری آہ نکلتی، ان کی ہائے نکلتی تھی، مجھ سے کوئی بڑے سے بڑا نقصان بھی ہو جاتا، ابو جی "بچی ہے" کہہ کر ٹال جاتے۔

اسکول یا مدرسے میں کوئی بھی مقابلہ ہوتا، میں مقابلہ جیتنے کے بعد ٹرافیاں اور شیلڈز لئے جب گھر میں داخل ہوتی تو ابو جی کو تحائف لئے اپنا منتظر پاتی، پھر ہم دونوں میں تحائف اور انعامات کا تبادلہ ہوتا، پھر ابو جی میرے سر پر ہاتھ دھر کر فخریہ انداز میں امی جی سے کہتے۔ "میری بیٹی کا مقابلہ پورے خاندان میں کوئی نہیں کر سکتا۔"

ایک حیران کن بات...... ابو جی ملازمت کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے لیکن ملازمت تھی کہ مل ہی نہیں رہی تھی، عین جس مہینے میری پیدائش ہوئی، اسی مہینے ابو جی کو ایک سرکاری محکمے نے خود ہی ملازمت کی آفر کی، جہاں درخواست تک نہیں دی تھی...... پھر وہ ملازمت پورے انیس سال برقرار رہی اور عین جس مہینے میری رخصتی تھی، اسی مہینے اچانک ابو جی کو ملازمت سے فارغ کر دیا گیا، صرف یہی نہیں بلکہ وہ محکمہ ہی ختم ہو گیا...... مہینہ تب بھی فروری کا تھا، جب ملازمت ملی اور مہینہ اب بھی فروری کا ہی تھا، جب برطرف کیا گیا۔

باتیں تو بہت سی ہیں لیکن میری طبیعت ابھی سنبھلی نہیں، حالانکہ اس سانحے کو پورے دو ماہ اور بیس دن ہو چکے ہیں، میری حالت بہت خراب ہے، بہت مشکل سے یہ چند الفاظ تحریر کئے ہیں۔

دل زخم زخم لوگو کوئی ہے جسے دکھائیں
کوئی ہم نفس نہیں ہے غم جاں کسے سنائیں
یکا یک جو چھا گئی ہیں غم و درد کی گھٹائیں
گیا کون اس جہاں سے کہ بدل گئیں فضائیں
اٹھا سائبان شفقت بڑی تیز دھوپ دیکھی
نہیں دور دور چھاؤں کہاں اپنا سر چھپائیں

☆......☆......☆



محمود عباسی

ایک دیہاتی شخص گائے لئے جا رہا تھا، اچانک گائے کی دم اور رسے میں بل پڑ گئے، اس بے وقوف نے گائے کی دم کاٹ دی، کسی نے پوچھا کہ رسہ کیوں نہیں کاٹا۔ اس نے جواب دیا۔

"رسہ تو پتہ تھا، اس لئے دم کاٹ دی۔"

(محمد طیب بن غلام نبی، سرائے نورنگ)

☆......☆......☆

ایک بیوقوف اپنی چھت پر کھڑا تھا، اتنے میں ایک کوا بھی وہاں پہنچ جاتا ہے، وہ بیوقوف جلدی سے نیچے اترتا ہے اور سیڑھی ہٹا دیتا ہے اور کوے کی طرف دیکھ کر کہتا ہے۔ بچو اب کیسے نیچے آئے گا، میں نے تو سیڑھی ہٹا دی۔

☆......☆......☆

ایک بچہ زور زور سے رو رہا ہوتا ہے، اتنے میں ایک دوسرے لڑکے کا وہاں سے گزر ہوتا ہے تو وہ بچے سے رونے کی وجہ معلوم کرتا ہے۔

بچہ روتے ہوئے: میری مرغی مرگئی ہے۔

لڑکا: تم صرف مرغی کے مرنے پر اتنا رو رہے ہو، میرا تو ابا مرگیا، میں تو نہیں رویا۔

بچہ: میری مرغی تو انڈے دیتی تھی، کیا تمہارے ابا انڈے دیتا تھا۔

(پروین بنت خلیل احمد، میر پور خاص)

☆......☆......☆

ایک شخص نے غیر قانونی دیوار بنائی اور وکیل سے مشورہ مانگا، اس نے کہا: اب کچھ ایسا کرو کہ یہ دیوار بہت پرانی نظر آئے، اس نے دیوار پر یہ جملہ لکھوا دیا:

"ہم قائد اعظم کو اپنے شہر میں آنے پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔"

☆......☆......☆

ایک طالب علم کے استاد فوت ہو گئے، وہ ہر روز ان کے گھر فون کر کے پوچھتا:

"کیا واقعی ہمارے سر فوت ہو گئے ہیں۔"

استاد کی بیوی نے تنگ آ کر کہا:

"کتنی بار بتا چکی ہوں کہ وہ فوت ہو گئے ہیں، پھر کیوں بار بار پوچھتے ہو۔"

اس نے فوراً کہا:

"یہ جملہ سن کر بہت اچھا لگتا ہے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔"

(سکینہ بنت محمد رمضان، میر پور خاص)

ایک چوہا شراب کی بوتل میں ڈوب رہا ہوتا ہے، قریب سے ایک بلی گزر رہی ہوتی ہے، چوہا بلی سے کہتا ہے کہ مجھے اس گلاس میں سے نکال دو، پھر بے شک تم مجھے کھا لینا۔

بلی گلاس کو نیچے گرا دیتی ہے تو چوہا فوراً نکل کر بھاگ جاتا ہے۔

بلی (زور زور سے چیختے ہوئے) اوئے جھوٹے، مکار، دھوکے باز، اب تو کہاں بھاگ رہا ہے۔

چوہا (معصومیت سے) جی اس وقت میں "نشے" میں تھا۔

(حافظہ وشطی چوہدری، ملتان)

☆......☆......☆

استاد: بتاؤ ظہیر الدین بابر کون تھا؟

شاگرد: اپنے ماں باپ کا بیٹا تھا۔

(جنید اشرف، نور پور چکر)

☆......☆......☆

شاگرد: سر! آخر سورج کا کیا فائدہ ہے؟

استاد: (حیران ہو کر) کیوں؟

شاگرد: اس لئے کہ سورج دن میں نکلتا ہے، دن میں تو روشنی ہوتی ہی ہے۔ اس کا فائدہ تو تب ہے جب یہ رات کو نکلا کرے۔

(حفصہ اسماعیل، جلال پور پیر والا)

☆......☆......☆

باپ: تم پھر حساب کے پرچے میں فیل ہو گئے۔

بیٹا: کیا کرتا ابا جان! چار سوال سود کے تھے اور آپ جانتے ہیں، سود حرام ہے۔

☆......☆......☆

استاد گرمی کے موسم میں اللہ تعالیٰ ہمیں کون سی نعمت عطاء کرتے ہیں۔

شاگرد: گرمیوں کی چھٹیاں۔

(مریم سجاد، کبیر والا)

ایک شخص انگور بیچ رہا تھا، لیکن آواز لگا رہا تھا کہ آلو لے لو، آلو لے لو، کسی نے کہا، یہ تو انگور ہیں، اس پر اس نے کہا:

"چپ رہو، مکھیاں آ جائیں گی۔"

(عمر خان، حسان، کراچی)

☆......☆......☆

ایک صاحب کیلے کو چھلکے سمیت کھا رہے تھے، کسی نے کہا، جناب چھلکا تو اتار لیں، اس پر اس نے کہا:

"چھلکا اتارنے کی کیا ضرورت ہے، مجھے پتہ ہے اس کے اندر کیلا ہے۔"

(نعمت اللہ، اسامہ، فیصل، کراچی)

☆......☆......☆

استانی: منے میاں! کوئی عجیب بات سناؤ۔

منا: مس! میرے ابو اور امی کی شادی ایک ہی دن ہوئی تھی۔

(حافظ صبغہ بچل، ٹوبہ ٹیک سنگھ)

☆......☆......☆

مل کا مالک: تمہاری تعلیم کتنی ہے؟

امیدوار: پی پی ایم ایف۔

مل کا مالک (حیران ہو کر): یہ کون سی ڈگری ہے؟

امیدوار: پرائمری پاس مڈل فیل۔

(اصفیٰ نور، اقصیٰ نور، گوجرانوالہ)

☆......☆......☆

سمیعہ یہ تم بلب اٹھا کر سر پر کیوں رگڑ رہی ہو، امی نے حیرت سے پوچھا:

سمیعہ نے جھٹ سے جواب دیا:

امی، آج مس صائقہ نے کہا ہے کہ دماغ روشن کرو۔

(ہادیہ حبیب الرحمٰن، باغ آزاد کشمیر)

☆......☆......☆

سہانا بچپن

بچپن کسی کا بھی ہو، تاہم ہر غم سے بے نیاز، ہر فکر سے آزاد، ہر پریشانی سے دور صرف بچپن ہوتا ہے۔ اس دور میں کی گئیں شرارتیں، کھیلے گئے کھیل اور کی گئی حرکتیں ہمیشہ یاد رہتی ہیں، بچپن کے کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں جن کی یاد بار بار آتی ہے اور ہر بار ایک نیا لطف دیتی ہے۔ اپنی ان یادوں میں ماہنامہ حیا کی قاریات و قارئین کو بھی شامل کر لیجئے۔ ہم یہ واقعہ شکریہ کے ساتھ آپ کے نام سے شائع کریں گے۔

آج میں آپ کو اپنی چھوٹی بہن خولہ کے بارے میں بتاؤں گی (اب تو بڑی ہے) لیکن جب جامعہ حفصہ اور لال مسجد شہید ہوئیں تو اس وقت وہ بہت چھوٹی تھی، ہمارے گھر والے مشرف کی باتیں کر رہے تھے کہ وہ کتنا برا ہے کہ جامعہ حفصہ کو بے گناہ شہید کر رہا ہے، تو وہ بات اس کے ذہن میں بھی آئی تھی اور جب ایک دن اخبار میں مشرف کی تصویر آئی تو اس نے مشرف کے چہرے کو چیر پھاڑ کے رکھ دیا اور دوسری بہن بھی جب چھوٹی ہوا کرتی تھی تو ایک دفعہ میں اسے نماز پڑھا رہی تھی تو میری توجہ دوسری طرف ہوگئی، میں اسے بھول گئی، بہت دیر تو وہ بیچاری صبر کرتی رہی مگر تھوڑے سے وقت بعد کہنے لگی کہ آپی مجھے دعائے قنوت پڑھائیں نا، مجھے پوری نہیں آتی، آگے کیا پڑھو، ہم اس کی بات سن کر اتنے ہنسے، کیونکہ وہ نماز ہی میں یہ سب کچھ کہہ رہی تھی، اللہ دونوں کو سلامت رکھے۔

(حلیمہ بنت نور محمد)

☆......☆......☆

میں آج آپ کو اپنے بچپن کے دو واقعات سنانا چاہتی ہوں، 2005ء کے زلزلے سے پہلے کی بات ہے کہ میں بہت چھوٹی تھی اور اسکول نہیں جاتی تھی، ایک دن میری بہن اسماء باجی مجھے اپنے اسکول میں لے گئیں، یہ ہمارے اپنے گاؤں پنیالی میں ہی ہے، وہاں پر یہ قانون ہے کہ جس کا گھر اسکول کے قریب ہو، وہ بریک ٹائم میں استاد کو چائے بنا کر دیتا تھا، روزانہ کی طرح اس دن بھی جب استاد کی چائے آئی تو وہ چائے دفتر میں رکھ کر چلے گئے، استاد صاحب ابھی بچوں کو پڑھا رہے تھے، میں فوراً دفتر گئی اور استاد صاحب کی ساری چائے اور کلچہ کھا لیا، جب استاد صاحب آئے تو انہوں نے دیکھا کہ یہاں تو پیالی خالی ہے، پھر مجھے دیکھ کر مسکرانے لگے اور آج تک وہ مجھے تنگ کرتے ہیں اور کہتے ہیں، میرا کلچہ اور چائے واپس کرو۔

(ہادیہ حبیب الرحمان، باغ آزاد کشمیر)

☆......☆......☆

باورچی خانہ

چکن فرائیڈ اونین

اشیاء:

چکن بریسٹ دو عدد۔ کالی مرچ آدھا کھانے کا چمچہ۔ نمک آدھا کھانے کا چمچہ۔ مسٹرڈ پیسٹ آدھا کھانے کا چمچہ۔ لہسن آدھا کھانے کا چمچہ۔ سویا ساس دو کھانے کا چمچہ۔ تیل دو کھانے کا چمچہ۔ پیاز کے لچھے (کٹے ہوئے) 1/4 کپ۔ مکھن آدھا کھانے کا چمچہ۔

ساس بنانے کیلئے:

میدہ ایک کھانے کا چمچہ۔ فریش کریم ایک کھانے کا چمچہ۔ یخنی چوتھائی کپ۔ نمک چٹکی بھر۔ کالی مرچ 1/4 چائے کا چمچہ۔ براؤن سیرپ 1/4 کھانے کا چمچہ۔ ملا کر سوپ بنا لیں۔

ترکیب:

چکن بریسٹ میں تمام مصالحہ لگا کر دو گھنٹہ رکھ دیں ایک پین میں تیل گرم کریں۔ چکن بریسٹ ہلکی آنچ میں تلیں۔ دونوں اطراف سے براؤن ہو جائے تو سویا سوس ڈال کر پکنے دیں تیار ہونے پر اتار لیں۔ اب ایک ڈش میں چکن نکال کر (اور سوس تیار کر کے پیاز کے لچھے ملا کر) چکن کے اوپر ڈال کر سرو کریں۔

حیدر آبادی مرغ مصالحہ

اشیاء:

مرغی کا گوشت آدھا کلو۔ گھی کا ایک کپ۔ ناریل ایک کپ۔ دہی ڈیڑھ کپ۔ ہری مرچ 8 عدد۔ مونگ پھلی 1/4 کپ۔ سورج مکھی کے بیج ایک چمچ۔ کاجو ایک چمچ۔ لہسن دو چائے کے چمچ۔ ادرک ایک چمچ۔ ہلدی ایک چمچ۔ گرم مصالحہ دو چمچ۔ لیموں کا رس دو چمچ۔ نمک حسب ضرورت۔ تیل ایک چمچ۔ ہرا دھنیا اور پودینہ۔

ترکیب:

سب سے پہلے کاجو کو تل میں تل لیں۔ پھر پیاز گھی میں براؤن کر لیں اور ادرک، لہسن تلنے کے ایک منٹ بعد ہلدی اور ہری مرچ ڈال دیں۔ جب اچھی طرح بھن جائیں تو سورج مکھی کے بیج، مونگ پھلی اور ناریل فرائی کریں۔ پھر دہی ڈال دیں۔ جب یہ مصالحہ گھی چھوڑنے لگے تو اس میں چکن ڈال دیں۔ پھر ایک

کپ پانی ڈال کر چکن کو گلالیں۔ جب اچھی طرح بھن جائے تو اس میں گرم مصالحہ چھڑک دیں اس کے بعد ہرا دھنیا، پودینہ اور کاجو ڈال کر ایک منٹ دم پر رکھ کر اتار لیں۔

چیازہ (برمیز ڈش)

اشیاء:

مرغی (بون لیس) 250 گرام (ایک انچ کے کیوبز کاٹ لیں)۔ پیاز درمیانی دو عدد (سلائس کاٹ لیں)۔ لال مرچ پاؤڈر ایک چائے کا چمچہ۔ چائنیز نمک ایک چائے کا چمچہ۔ نمک حسب ذائقہ۔ تیل تلنے کے لئے۔

ترکیب

مرغی تیار کرنے کے لئے:

ایک پین میں تیل گرم کریں۔ اس میں پیاز کا پیسٹ شامل کر کے فرائی کریں۔ فرائی کرنے کے بعد لال مرچ، چائنیز نمک اور نمک شامل کر کے پکائیں۔ اس میں تھوڑا سا پانی بھی شامل کریں۔ مرغی گل جائے اور گریوی گاڑھی ہوجائے تو اتار لیں۔

کڑھی کیلئے:

بیسن ایک پاؤ۔ نمک حسب ذائقہ۔ تیل تلنے کے لئے۔ پانی 4/5 کپ۔ ہلدی پاؤڈر 1 چائے کا چمچہ۔ لہسن کے جوئے چار پانچ عدد۔ چیازہ نوڈلز حسب ضرورت۔ کوکونٹ ملک 1/2 کپ۔ ہری پیاز کے پتے 1/4 کپ (چوپ کئے ہوئے)۔ ہرا دھنیا 1/4 کپ (چوپ کیا ہوا)

کڑھی تیار کرنے کیلئے:

ایک دیگچی میں پانی ڈال کر ابال لیں۔ اس میں چیازہ نوڈلز ڈال کر ابال لیں۔ نوڈلز تیار ہوجائیں تو نکال کر خشک کرلیں اور پانی میں ڈال لیں۔

ایک ہانڈی کو گرم کریں۔ اس میں بیسن ڈال کر اچھی طرح فرائی کرلیں۔ پانی ڈال کر مکس کریں، خیال رکھیں کہ گٹھلیاں نہ بنیں۔ اس کے بعد ہلدی پاؤڈر، نمک ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ چمچہ مسلسل چلاتے رہیں۔ جب خوشبو آنے لگے تو کوکونٹ ملک ڈال کر پکائیں۔ گریوی گاڑھی ہونے لگے تو چیازہ اور مرغی ڈال دیں۔ کچھ دیر فرائی کرنے کے بعد ہری پیاز کے پتے اور ہرا دھنیا ڈال دیں۔ ایک پین میں تیل گرم کریں۔ اس میں لہسن ڈال کر ہلکا سا فرائی کرلیں۔ لہسن کا بگھار چیازہ پر ڈال دیں۔ ابلے ہوئے چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

☆☆☆

بیف اسٹیک ادرک اور سرکہ کیساتھ

اشیاء:

زیتون کا تیل آدھا کپ۔ سرکہ 1/4 کپ۔ تازہ ادرک (چھلی ہوئی) ایک کھانے کا چمچ۔ براؤن شوگر ایک چائے کا چمچ۔ سویا ساس ایک چائے کا چمچہ۔ ٹی بون اسٹیک قتلوں کے ساتھ چار عدد۔

ترکیب:

ایک جار میں زیتون کا تیل، سرکہ، ادرک، براؤن شوگر اور سویا ساس ڈالیں اور جار کا منہ بند کر کے اچھی طرح شیک کریں۔

اس مکسچر کا 1/4 کپ حصہ الگ نکال دیں۔ اب باقی مکسچر کا آدھا حصہ بیف اسٹیکس پر اچھی طرح برش کی مدد سے لگادیں۔ ان اسٹیکس کو کم از کم تین گھنٹے یا رات بھر کے لئے ریفریجریٹر میں رکھ دیں۔

ان بیف اسٹیکس کو گرم تیل لگے باربی کیو پر لگائیں۔ باربی کیو ڈھکا ہونا چاہئے اور ان ڈائریکٹ ہیٹ استعمال کی جائے۔ تقریباً تیس منٹ تک، جب تک کہ بیف اسٹیکس دونوں طرف سے براؤن نہ ہوجائیں۔ وقفے وقفے سے سرکہ کا برش کرتے رہیں۔

جب پک جائیں تو اسٹیکس کو آگ پر سے

ہٹالیں اور ڈھک کر تقریباً دس منٹ تک رکھا رہنے دیں۔ سرو کرتے سے پہلے 1/4 کپ سرکہ مکسچر ان پر انڈیل دیں۔

☆......☆......☆

کریمی چکن کیساتھ مشروم

اشیاء:

ویجی ٹیبل آئل ایک کھانے کا چمچہ۔ لہسن دو جوئے۔ چکن بریسٹ ایک پاؤ (لمبائی میں کٹے ہوئے پیس)۔ ہری پیاز (کٹی ہوئی) چار عدد۔ فریش کریم ایک کپ۔ چکن یخنی آدھا کپ۔ کالی مرچ (پسی ہوئی) حسب ضرورت۔ نمک حسب ذائقہ۔

ترکیب:

ایک پتیلی میں تیل گرم کر کے اس میں کٹا ہوا لہسن ڈالیں۔ جب لہسن ہلکا براؤن ہوجائے تو اس میں چکن ڈال کر پانچ منٹ بھونیں پھر تھوڑا سا پانی ڈال کر گلنے کے لئے رکھ دیں۔ جب چکن گل جائے تو اس میں ہری پیاز کٹی ہوئی اور مشروم کٹے ہوئے ڈال کر دو منٹ بھونیں۔ اب آنچ ہلکی کر کے کریم پھینٹ کر اس میں ڈالیں اور چمچہ ہلاتی رہیں اور ساتھ میں یخنی ڈال کر پندرہ منٹ دھیمی آنچ پر پکائیں۔ جب سوس گاڑھی ہوجائے تو اس میں نمک اور کالی مرچ ڈال کر اتار لیں۔

☆......☆......☆

چکن کباب پاکٹ

اشیاء:

چپاتی دو عدد۔ چکن بوٹی بون لیس آدھا کلو۔ چنے کی دال ایک کھانے کا چمچ۔ انڈا ایک عدد۔ لہسن ادرک کا پیسٹ ایک کھانے کا چمچ۔ نمک حسب ذائقہ۔ گرم مصالحہ ایک چائے کا چمچہ۔ ثابت لال مرچ 8 عدد۔ ہرا مصالحہ ایک کھانے کا چمچ۔ پیاز ایک کھانے کا چمچ (باریک کٹی ہوئی)۔ تیل فرائی کے لئے۔ ٹماٹر، سلاد پتہ، کھیرا سرو کے لئے۔

ترکیب:

ایک ساس پین میں اس مکسچر کو کسی پروسیسر میں چکن، چنے کی دال، لہسن، ادرک کا پیسٹ، مرچ لال ثابت، نمک سب چیزیں ڈال کر اچھی طرح پکنے دیں۔ جب پانی خشک ہوجائے تو اتار لیں۔

اس مکسچر کو کسی پروسیسر میں ڈال کر باریک پیس لیں اور گرم مصالحہ، ہرا مصالحہ ملا کر ڈال دیں اس کے بعد ان کی ٹکیاں بنالیں۔

چپاتی کو پاکٹ کی طرح بنالیں اور اس کے ایک حصے میں کباب رکھیں اور دوسرے حصے میں سلاد، کچپ چٹنی اور دہی کے ساتھ سرو کریں۔

☆......☆......☆

لاہوری چکن مصالحہ قورمہ

اشیاء:

مرغی ایک عدد۔ دہی 250 گرام۔ پیاز 125 گرام۔ گھی 250 گرام۔ سرخ مرچ حسب ضرورت۔ نمک حسب ضرورت۔ ادرک اور لہسن پسا ہوا 125 گرام۔ بادام، کھوپرا، تل، خشخاش 25 گرام۔ دھنیا، سفید زیرہ 3-3 چھوٹے چمچ۔

ترکیب:

مرغی کو صاف کر کے اس کے ٹکڑے کاٹ لیں۔

سارا مصالحہ بھون کر دہی ملا دیں۔

دہی اور مصالحوں کو گوشت پر مل کر اسے دس پندرہ منٹ کے لئے رکھ چھوڑیں۔

ایک دیگچی میں گھی گرم کر کے اس میں پیاز کاٹ کر بادامی رنگ کا فرائی کرلیں اس میں مرغی کو بگھار دیں اور اتنا بھونیں کہ اس پر سرخ آجائے۔ ایک پیالی پانی ڈال کر مرغی کو گلنے کے لئے چھوڑ دیں۔ جب مرغی گل جائے اور پانی خشک ہوجائے تو تھوڑا بھون کر پسی ہوئی زعفران ڈال دیں اور اوپر نیچے کوئلے رکھ کر دم پر لگائیں۔

تھوڑی دیر بعد مصالحے اور دار سالن تیار ہوگا۔ اس

کے بعد پیش کریں۔

کلرفل بریانی

اشیاء:
چاول ایک کلو۔ قیمہ ایک کلو۔ گھی دو کپ۔ دہی ایک کپ۔ پیاز دو عدد درمیانی (باریک کاٹ لیں)۔ گرم مصالحہ پاؤڈر ایک چائے کا چمچہ۔ نمک حسب ذائقہ۔ سرخ مرچ پاؤڈر ایک کھانے کا چمچ۔ سبز مرچیں 4/6 عدد (باریک کاٹ لیں)۔ ٹماٹر ایک عدد (بڑے سائز کا)۔ ادرک پیسٹ ایک چائے کا چمچہ۔ سبز الائچی 5/7 عدد۔ کشمش 1/2 کپ۔ ثابت سفید زیرہ ایک چائے کا چمچہ (بھنا ہوا)۔ ثابت خشک دھنیا ایک چائے کا چمچہ (بھنا ہوا)۔ بریانی مصالحہ ایک کھانے کا چمچہ۔ لیموں کا رس ایک چائے کا چمچہ۔ فوڈ کلر سرخ، سبز، زرد ہر ایک آدھا چائے کا چمچہ۔

ترکیب:
قیمے میں پیاز، ادرک، گرم مصالحہ، نمک سرخ مرچیں، ٹماٹر، سبز الائچی، سفید زیرہ، خشک دھنیا اور ایک پیالی پانی ڈال کر پکنے کے لئے ہلکی آنچ پر رکھ دیں۔ جب پانی خشک ہوجائے تو اس میں گھی ڈال دیں۔ تھوڑی دیر تک بھوننے کے بعد اس میں دہی ڈال کر اتنا بھونیں کہ دہی کا پانی خشک ہوجائے اور قیمہ اچھی طرح گل جائے تو سبز مرچیں اس میں ڈال کر چولہا بند کردیں۔

چاول 25/30 منٹ، بھگودیں اور ایک دیگچے میں پانی، لیموں کا عرق اور نمک حسب ذائقہ شامل کرکے ابلنے کے لئے رکھ دیں۔ چاولوں کو دو کنی ابالنے کے بعد چھلنی میں نکال دیں۔

اب ایک کھلے منہ کے دیگچے کے منہ اور اطراف میں گھی لگا کر پہلے چاولوں کی تہ لگائیں اس پر قیمے پر کشمش چھڑک دیں۔ اس پر چاول بچھا کر بریانی مصالحہ چھڑک دیں۔ اور اسی طرح تہ لگائیں۔ تاہم آخر میں چاولوں کی تہ ہونی چاہئے۔ اب دو چمچے گھی گرم کرکے اس میں ایک چمچہ دودھ یا پانی شامل کرلیں۔ پھر اس مکسچر سے ایک چمچہ لے کر اس میں سرخ کلر مکس کریں اور اسی طرح باقی دو کلرز بھی مکس کرکے چاولوں پر قطرے کی شکل ڈال دیں اور دس بارہ منٹ تک دم دینے کے بعد مزیدار خوشبودار کلر فل بریانی سے لطف اٹھائیے۔

☆☆☆

فش فنگرز

اشیاء:
مچھلی بغیر کانٹے کی لمبے ٹکڑے کروالیں (ایک کلو)۔ انڈے دو عدد۔ میدہ آدھا کپ Bread Crumbs آدھا کپ۔ نمک حسب ذائقہ۔ لال مرچ ڈیڑھ چائے کا چمچہ۔ سرکہ ایک کھانے کا چمچہ۔ تیل ڈیپ فرائی کے لئے

ترکیب:
مچھلی میں سرکہ، نمک اور مرچ لگا کر آدھے گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔ انڈے پھینٹ لیں۔ اب مچھلی کو میدے میں Coat کرکے انڈے میں لپیٹیں اور Bread Crumbs سے کوٹ کرکے تیل میں گولڈن براؤن ہونے تک تل لیں۔

☆☆☆

کیری کا اچار

اشیاء:
کچی کیری ایک کلو۔ لال مرچ کٹی ہوئی دو کھانے کے چمچے۔ ہلدی آدھا کھانے کا چمچہ۔ رائی گدری گدری پسی ہوئی ایک کھانے کا چمچہ۔ سفید زیرہ ایک کھانے کا چمچہ۔ کلونجی ایک چائے کا چمچہ۔ لہسن کے جوئے چھلے ہوئے پندرہ سے بیس عدد۔ کڑی پتہ چند پتے۔ ہری مرچ باریک کٹی ہوئی چھ عدد۔ نمک حسب ذائقہ۔

بگھار کیلئے مصالحہ:
سفید زیرہ (ایک چائے کا چمچہ) میتھی دانہ دس سے بارہ دانے۔ کڑی پتہ چند پتے۔ لال مرچ ثابت آٹھ عدد۔ سرسوں کا تیل تین پیالی۔

ترکیب:
کچی کیری چھلکے سمیت باریک کاٹ لیں۔ کیری کو دھو کر کسی ململ کے کپڑے سے الگ الگ خشک کرلیں۔ باریک کٹی ہوئی کیری میں سارے مصالحے ملا کر ایک گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔ ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ جب تیل گرم ہوجائے تو بگھار کا مصالحہ ڈال کر سیاہ کرلیں۔ چولہا بند کردیں۔ پانچ منٹ تیل ٹھنڈا ہونے دیں۔ پھر مصالحے ملی کیری ڈال کر ہلکی آنچ میں دس منٹ تک بھون کر اتار لیں۔ جب بالکل ٹھنڈا ہوجائے تو بوتل میں ڈال کر رکھ دیں۔ اچار کو ہمیشہ لکڑی کے چمچے کے ساتھ نکالا کریں۔

☆☆☆

آلو کی مدراسی بھجیا

اشیاء:
آلو آدھا کلو۔ ثابت سفید زیرہ ایک چائے کا چمچہ۔ سرخ مرچ پاؤڈر ایک چائے کا چمچہ۔ امچور ایک چائے کا چمچہ۔ چینی ایک چائے کا چمچہ۔ ثابت دھنیا ایک چائے کا چمچہ۔ کوکنگ آئل آدھا کپ۔ ہلدی ایک چٹکی۔ نمک حسب ذائقہ۔ ہرا دھنیا آدھی گٹھی۔ ہری مرچ پانچ عدد۔

ترکیب:
آلو ابال کر چھیل لیں اور تیز چھری سے اس کے چوکور ٹکڑے کاٹ لیں۔ زیرہ اور دھنیا توے پر بھون کر پیس لیں۔ دیگچی میں کوکنگ آئل گرم کرکے اتار لیں اور اس میں سفید زیرہ، سرخ مرچ، چینی، دھنیا، ہلدی، نمک ڈال کر اچھی طرح ملالیں۔ پھر اس میں آلو کے ٹکڑے ڈال کر آخر میں امچور ملادیں۔ کھانے کے دو چمچے پانی ملادیں۔ چند منٹ دھیمی آنچ پر دم دیں۔ اس کے بعد ہرا دھنیا اور ہری مرچ باریک کاٹ کر ڈال لیں۔ امچور کے بجائے لیموں، سرکہ یا املی کا پانی بھی ڈال سکتے ہیں۔

سلاد سموسے

اشیاء:
میدہ ایک کپ۔ نمک 1/3 چائے کے چمچ۔ تیل ایک کھانے کا چمچ۔ گرم پانی حسب ضرورت (میدہ میں نمک اور تیل ملا کر گرم پانی سے گوندھ لیں)۔

اشیاء (فلنگ کیلئے)
پیاز (کترلیں) ایک چھوٹی۔ سلاد (بچی ہوئی) آدھا کپ۔ (آلو (بھرتہ کے بچے ہوئے) آدھا کپ۔ چیز دو کھانے کے چمچ۔ سیاہ مرچ ایک چائے کا چمچ۔ ٹماٹر ایک عدد۔

ترکیب:
ایک ساس پین میں چیز پگھلائیں۔
بچی ہوئی سلاد شامل کرکے دو یا تین منٹ فرائی کریں۔ اسی میں آلو کا بھرتہ شامل کرکے ایک منٹ فرائی کریں۔ ٹماٹر ڈال کر ایک منٹ مزید فرائی کریں اور سیاہ مرچ چھڑک کر اتارلیں۔ میدہ میں سے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنا کر پوری کی طرح بیل لیں۔ گول پوری پر فلنگ چمچ بھر کر رکھیں۔ سموسے کی طرح بند کرکے رکھ لیں۔ پین میں تیل گرم کریں۔ تمام سموسوں کو تیل میں فرائی کرلیں۔

☆☆☆

چکن روسٹ

اشیاء:
چکن ڈیڑھ کلو۔ نمک ایک کھانے کا چمچ۔ مرچیں لال تین کھانے کے چمچ۔ تیل دو کپ

ترکیب:
ڈیڑھ کلو گوشت مرغی، چار بڑے روسٹ والے ٹکڑے، اس کے بعد مرغی پر چھری سے گہرے کٹس لگالیں۔ دوسری طرف نمک اور مرچوں کو مکس کرکے چھری کے کٹس میں گہرا کرکے لگادیں۔ یاد رکھیں مرچوں اور نمک کی مقدار زیادہ ہو۔ اس کے بعد پانچ منٹ تک اسے کڑاہی میں تیل گرم کرکے ڈیپ فرائی

کرلیں۔ اور پھر اس کے بعد اسے ڈش میں نکال لیں۔ پانچ منٹ تک مرغی سے جب پانی نکل جائے اس کو نئے تیل میں دوبارہ تل لیں۔ مزیدار روسٹ تیار ہے۔ اس کو سلاد اور رائتے کے ہمراہ پیش کریں۔

لاھوری چرغه

اجزاء:

ثابت چکن ڈیڑھ سے دو کلو، نمک حسب ذائقہ، پسا ہوا ادرک لہسن تین سے چار کھانے کے چمچ، سفید زیرہ بھنا ہوا کٹا ہوا ڈیڑھ کھانے کا چمچ، لال مرچ پسی ہوئی ایک کھانے کا چمچ، پسی ہوئی کالی مرچ ایک چائے کا چمچ، پسا ہوا گرم مصالحہ ایک چائے کا چمچ، لیموں کا رس، چار کھانے کے چمچ، دہی آدھی پیالی، زردے کا رنگ آدھا چائے کا چمچ، کوکنگ آئل تلنے کے لئے۔

ترکیب:

چکن کو صاف دھو کر دونوں طرف سے گہرے کٹ لگالیں، پھر اس پر اچھی طرح لیموں کا رس مل دیں۔

دہی میں زردے کا رنگ، نمک، ادرک، لہسن، زیرہ، لال مرچ، کالی مرچ، گرم مصالحہ اور چار کھانے کے چمچ کوکنگ آئل ملالیں۔

اس مکسچر کو چکن پر لگادیں اور ڈھک کر تین سے چار گھنٹوں کے لئے فریج میں رکھ دیں۔

بڑی کڑاہی میں کوکنگ آئل کو درمیانی آنچ پر تین سے چار منٹ گرم کریں اور چکن کو تیز آنچ پر گولڈن براؤن فرائی کرلیں۔

بڑے سائز کی دیگچی میں چکن، بچا ہوا مصالحہ اور تین سے چار کھانے کے چمچ کوکنگ آئل ڈال کر ڈھک دیں، درمیانی آنچ پر اتنی دیر پکائیں کہ پانی خشک ہوجائے اور چکن اچھی طرح گل جائے۔

☆......☆......☆

هری پیاز کے کباب

اجزاء:

چکن (بون لیس ابلی ہوئی) ایک کلو، ہری پیاز (باریک کتری ہوئی) ایک کپ، اجینوموتو ایک چائے کا چمچ، پسی ہوئی کالی مرچ دو چائے کے چمچ، سفید سرکہ ایک کھانے کا چمچ، نمک حسب ذائقہ، سویا سوس دو کھانے کے چمچ، انڈے تین عدد، چلی سوس دو کھانے کے چمچ، ڈبل روٹی کا چورا حسب ضرورت، کوکنگ آئل فرائی کرنے کے لئے۔

ترکیب:

سب سے پہلے ابلی ہوئی چکن کو باریک پیس لیں اور اسمیں ہری پیاز، پسی ہوئی کالی مرچ، اجینوموتو، سویا اور چلی سوس، نمک اور سرکہ ملا کر دو گھنٹے کے لئے رکھ دیں، اس آمیزے کے لمبے گول کباب تیار کرلیں، انڈے اچھی طرح پھینٹ لیں اور آئل گرم کرکے کبابوں کو انڈے میں ڈبوئیں اور ڈبل روٹی کے چورے میں رول کرکے شیلو فرائی کرلیں، سلاد، ٹماٹو کیچپ و فرنچ فرائز کے ساتھ پیش کریں۔

☆......☆......☆

چکن چٹ پٹی

اجزاء:

چکن ایک کلو، ادرک لہسن حسب ذائقہ، ہلدی تھوڑی سی، چاٹ مصالحہ 20 گرام، دھنیا پاؤڈر 20 گرام، گرم مصالحہ 5 گرام، گھی 200 گرام، ٹماٹر 500 گرام، ہرا دھنیا ایک گڈی۔

ترکیب:

ایک برتن میں گھی گرم کرکے لہسن ادرک اور چکن ڈال کر فرائی کریں پھر اس میں نمک، مرچ، ہلدی، دھنیا چائے مصالحہ، ڈال کر بھونیں، گوشت اچھی طرح بھن جائے تو ٹماٹر ڈال کر بھونیں، آخر میں ہرا دھنیا کاٹ کر ڈال دیں۔

☆......☆......☆



اسلام کے خدمت گاروں کو یہ رازِ حقیقت سمجھا دو
پروانے کے جلنے سے پہلے خود شمع کو جلنا پڑتا ہے
(انتخاب:......صبغہ نور، کمالیہ)

☆......☆......☆

یہ دنیا قہر کا کانٹا ہے جنت بن نہیں سکتی
زبانیں پھول برسائیں تو ایسا ہو بھی سکتا ہے
کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ سورج ظلمتیں بانٹے
ظلم جب حد سے بڑھ جائے تو ایسا ہو بھی سکتا ہے
(حسن ذوق:......قرۃ العین خالد، عربیہ نعمانیہ، کمالیہ)

☆......☆......☆

دامن پھیلائے رکھ

داتا ہے صرف اللہ تو سر کو جھکائے رکھ
رازق ہے وہی داتا تو دامن پھیلائے رکھ
دیتا ہے وہی خالق تو دامن پھیلائے رکھ
مقرر ہے پیمانہ اس کا، تو دامن پھیلائے رکھ
گھڑیال کی ٹک ٹک سے نہ ہو تو پریشان
ملے گا معین وقت پہ، تو دامن پھیلائے رکھ
چھین نہیں سکتی اجل بھی تیرے نصیب کو
محنت کیساتھ اس کے سامنے تو دامن پھیلائے رکھ
حاسد حسد کی آگ میں خود ہی جلا کرے
خالق کی نصرت کے ساتھ تو دامن پھیلائے رکھ
غنیمت ہے اس کی عنایتوں کی بارش
صبر میں سکون قلب ہے تو دامن پھیلائے رکھ
دیتا ہے بے حساب وہ مالک بحر بے کنار
ہوتا ہے خوش وہ مانگنے پر تو دامن پھیلائے رکھ
خالد کیوں جائے خالی اس کے در سخا سے
بھر دے گا وہ جھولی تیری، تو دامن پھیلائے رکھ
(شاعر:......ڈاکٹر حافظ عبدالغنی خالد، کمالیہ)

ہم کو ابھی طیبہ کے نظارے نہیں بھولے
دن رات جو جنت میں گزارے، نہیں بھولے
گو سارے صحابہ بڑے پیارے ہیں نبیؐ کے
پر ساتھ جو سلائے وہ پیارے نہیں بھولے
بوسے لئے نانا نے نواسوں کے لبوں پر
زہرہ وہ تیرے لعل پیارے نہیں بھولے
ابوجہل کی مٹھی ہو قمر ہو کہ شجر ہو
آقا تیری انگلی کے اشارے نہیں بھولے
معراج ہو میزان کوثر ہو کہ پل ہو
ہم کو کہیں سرکار ہمارے نہیں بھولے

(حسن انتخاب:......رافعہ عبدالغنی، بکمالیہ)

☆......☆......☆

مجاہد بننا ہے

مجھ کو مجاہد بننا ہے
دین کا تحفظ کرنا ہے
کفر سے ٹکر لینی ہے
حق کی شہادت دینی ہے
حق کو نافذ کرنا ہے
مجھ کو مجاہد بننا ہے
لے کر علم سچائی کا
بن کر نصیب اچھائی کا
خیر کی جانب بڑھنا ہے
مجھ کو مجاہد بننا ہے
قرآن کے سیپاروں سے
سنت کے میناروں سے
ہر سو اجالا کرنا ہے
مجھ کو مجاہد بننا ہے

(پسند فرمودہ:......امن اسلام علی، بکمالیہ)

☆......☆......☆

خونِ شہیداں

شہیدوں کے لہو سے جو زمین سیراب ہوتی ہے
بڑی زرخیز ہوتی ہے بڑی شاداب ہوتی ہے
جدھر سے غازیانِ ملت بیضاء گزرتے ہیں
وہاں کی کنکری بھی گوہر خوش آب ہوتی ہے
یقین کی شمع تابندہ کی اک ہلکی سی جنبش بھی
جہاں امروز، ظلمت سوز، عالم تاب ہوتی ہے
مسلمان کو کبھی یہ زندگی راس آ ہی نہیں سکتی
جو نقل و بادۂ وخشانہ و یرفاب ہوتی ہے
مجاہد کے لئے ہے زندگانی، حشر کا میداں
مگر راحت پسندوں کے لئے، ہمیشہ خواب ہوتی ہے
مجاہد کی نظر بھی کس قیامت کی ہے اے ماہر
کہیں بجلی، کہیں شعلہ، کہیں سیماب ہوتی ہے

☆......☆......☆

ہوگئی نظروں سے اوجھل میری غمخوار ماں
اس بھری دنیا میں، میرا اب کوئی تجھ سا کہاں
حوصلہ کتنا تھا میسر تیرے ہوتے ہوئے
ہر قدم تیری کمی محسوس ہوتی ہے یہاں

اب ذرا سی بات سن کر تلخ ہوجاتے ہیں سب
یہ تیرا دل تھا کہ تو سہتی تھی ساری تلخیاں
ہوک سی اٹھتی ہے جب سینے سے ماں کی یاد میں
آنکھ سے چپ چاپ ہونے لگتے ہیں آنسو رواں
ماں کے دم سے تھیں، زمانے بھر کی ساری رونقیں
ماں نہیں تو ہوگیا ویران یہ سارا جہاں
ان کے دل سے پوچھئے ماں کی جدائی کا ستم
جن کے سر سے اٹھ چکا ہوتا ہے ماں کا سائبان
ام عامر کے لئے یہ غم بھی تھوڑا تو نہیں
اب تو ماں کی یاد بھی لگتی ہے یادِ رفتگاں

(انتخاب:......خولہ بنت سلیمان)

☆......☆......☆

خدا ظالم کی رسی کو کھینچے گا ضرور
دے گا مظلوم کو ایک دن اس کا حق ضرور
جو ہے عالم باعمل وہ فردوس میں جائے گا ضرور
عالم منافق ہے جو سجین کا ہوگا ایندھن ضرور
جس کا کردار ہے تقویٰ وہ رب جلیل کا ہے مہماں
جو ہو باعث ایذائے مسلم، وہ ہوگا شفاعت سے محروم ضرور

(حسن انتخاب:......حمنہ صدیقی، بنت مولانا محمد اختر صدیقی)

☆......☆......☆

بخاری کا کارواں

حقیقت کروں گا بیاں دوستو!
چاہے کٹ جائے میری زباں دوستو!
جس زمین پر نبوت کی توہین ہو!
گر پڑے نہ کہیں آسمان دوستو
جو خلاف شریعت ہمیں حکم دے
بدل دیں گے وہ حکمراں دوستو
اور اپنی منزل کی دھن میں رہے کارواں
یہ بخاری کا ہے کارواں دوستو!

☆......☆......☆

اپنے لہو سے روشن کردیں کلیاں اس ویرانے کو
اگرچہ تنگ بہت تھیں راہیں، شہرِ وفا کو جانے کی
جان تھی اک، سو وہ بھی دے دی پھر بھی رہے شرمندہ سے
دل والے خود ہی لکھ لیں گے کہانی اس فسانے کی
اپنے مرکز سے اگر دور نکل جاؤ گے تو خاک ہوجاؤ گے
اپنے پرچم کا رنگ کہیں بھلا مت دینا
سرخ شعلوں سے جو کھیلو گے تو جل جاؤ گے
تیز قدموں سے چلو اور تصادم سے بچو
بھیڑ میں سست چلو گے تو کچل جاؤ گے
ہم سفر ڈھونڈو نہ کسی کا سہارا چاہو
ٹھوکریں کھاؤ گے تو خود ہی سنبھل جاؤ گے

☆......☆......☆

مرنے کو مسلماں بھول گئے

جس دور پر نازاں تھی دنیا اب ہم وہ زمانہ بھول گئے
اوروں کو جگانا یاد رہا خود ہوش میں آنا بھول گئے

اذاں تو اب بھی ہوتی ہے مسجد کی فضا میں اے انور
جس ضرب سے دل ہل جاتے تھے وہ ضرب لگانا بھول گئے

منہ دیکھ لیا آئینہ میں پر داغ نہ دیکھا سینے میں
دل ایسا لگایا جینے میں مرنے کو مسلماں بھول گئے

یہ دنیا سرائے دھر مسافر و بخدا ہے کسی کا مکاں نہیں
جو مکین اس میں تھے آج ان کا نشان نہیں

غرور تھا ، شور تھا ہٹو بچو کی تھی صدا
آج میں تم سے کیا کہوں کہ لحد کا بھی پتہ نہیں

وہ لوگ جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ ہیں ان کی قبر پر اور نشان کچھ بھی نہیں

☆......☆......☆

دمکتا رہے تیرے روضے کا منظر
سلامت رہے تیرے روضے کی جالی

ہمیں بھی عطا ہو وہ شوق ابوذرؓ
ہمیں بھی عطا ہو وہ جذبہ بلالیؓ

☆......☆......☆

دیار یثرب میں گھومتا ہوں
نبیؐ کی دہلیز چومتا ہوں

شراب عشق محمدی کو میں چومتی ہوں
رہے سلامت پلانے والا

☆......☆......☆

تجھ میں حور و قصور رہتے ہیں
میں نے مانا کہ ضرور رہتے ہیں

میرے دل کا طواف کر جنت
میرے دل میں حضورؐ رہتے ہیں

☆......☆......☆

حضور آئے تو سر آفرینش پا گئی دنیا
اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آگئی دنیا

بجھے چہروں کا زنگ اترا، ستے چہروں پر نور آیا
حضور آئے تو انسانوں کو جینے کا شعور آیا

☆......☆......☆

وہ آئے جن کے آنے کی زمانے کو ضرورت تھی
وہ آئے جن کی آمد کے لئے بے چین فطرت تھی

وہ آئے نغمہ داؤد میں جن کا ترانہ تھا
وہ آئے گریہ یعقوب میں جن کا فسانہ تھا

وہ آئے جن کی خاطر مضطرب تھی وادی بطحا
وہ آئے جن کے قدموں کے لئے کعبہ ترستا تھا

وہ آئے جن کو حق نے گود کی خلوت میں پالا تھا
وہ آئے جن کے دم سے عرش اعظم پر اجالا تھا

☆......☆......☆

کھلونا سمجھ کر نہ ہم کو برباد کرنا
ہم بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں

شجر آزادی کو خون دے کر سینچا
کہ پھل اس کے پکنے کو آئے ہوئے ہیں

☆......☆......☆

ساری زندگی باپ کے نام کرتی ہوں
میں خود کو باپ کا غلام کرتی ہوں

جنہوں نے کی زندگی اولاد پہ نثار
جو ہیں باپ ان کو سلام کرتی ہوں

جہاں دیکھتی ہوں لفظ باپ لکھا ہوا
چومتی ہوں اس کا احترام کرتی ہوں

(ہادیہ حبیب الرحمان، باغ آزاد کشمیر)

☆......☆......☆



قارئین کے قلم سے

''ماہنامہ حیا'' کی قاریات کے لئے ایک رنگارنگ انتخاب جو آپ کے بھیجے ہوئے شہ پاروں، ادبی نگارشات اور آپ کی اپنی تخلیقات سے آراستہ کیا جارہا ہے۔ ''گلدستہ حیا'' آپ کی منتخب کی ہوئی خوشبو سے معطر ہے۔ تاہم تحریر کے انتخاب کے وقت اس کے معیار کا ضرور خیال رکھئے۔ تحریر صاف اور ایک لائن چھوڑ کر لکھئے۔ جس کتاب یا مصنف یا شاعر کے کلام سے تحریر اخذ کی گئی ہے اس کا حوالہ بھی ضرور دیجئے۔

دکھاوے کی سزا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

''قیامت کے دن سب سے پہلے جن کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا، ان میں ایک وہ شخص بھی ہوگا، جو شہید کیا گیا ہوگا، یہ شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اپنی اس نعمت کا اظہار فرمائیں گے، جو اس پر کی گئی تھی، وہ اس کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ ''تو نے اس نعمت سے کیا کام لیا؟'' وہ عرض کرے گا: ''میں نے آپ کی رضا کے لئے قتال کیا، یہاں تک کہ شہید کردیا گیا۔'' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''جھوٹ بولتا ہے، تو نے جہاد اس لئے کیا تھا کہ لوگ بہادر کہیں۔'' چنانچہ کہا جاچکا، پھر اس کو حکم سنادیا جائے گا اور اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ دوسرا وہ شخص ہوگا، جس نے علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور قرآن شریف پڑھا، اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دی ہوئی نعمتوں کا اظہار فرمائیں گے اور وہ ان کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا۔'' وہ عرض کرے گا: ''میں نے تیری رضا کے لئے علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور تیری ہی رضا کے لئے قرآن شریف پڑھا۔'' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''جھوٹ بولتا ہے، تو نے علم دین کے لئے سیکھا تھا کہ لوگ تجھے عالم کہیں اور قرآن اس لئے پڑھا تھا کہ لوگ قاری کہیں۔'' چنانچہ کہا جاچکا، پھر اس کو حکم سنادیا جائے گا اور اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

تیسرا شخص وہ مالدار ہوگا، جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھرپور دولت دی ہوگی اور ہر قسم کا مال عطا فرمایا ہوگا، اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں بتلائیں گے اور وہ ان کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟'' وہ عرض کرے گا: ''جن راستوں میں خرچ کرنا تجھے پسند ہے، میں نے تیرا دیا ہوا مال ان سب ہی میں تیری رضا کے لئے خرچ کیا تھا۔'' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''جھوٹ بولتا ہے، تو نے مال اس لئے خرچ کیا تھا کہ لوگ سخی کہیں۔'' چنانچہ کہا جا چکا، پھر اس کو حکم سنا دیا جائے گا اور وہ منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔''

☆......☆......☆

اللہ تعالیٰ کی محبت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو لشکر کا امیر بنا کر بھیجا، وہ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے اور (جو بھی سورت پڑھتے اس کے ساتھ) اخیر میں ''قل ھو اللہ احد'' پڑھتے، جب لوگ واپس ہوئے تو انہوں نے اس کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان سے پوچھو کہ یہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟'' لوگوں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ''اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان ہے، اس لئے اسے زیادہ پڑھنا مجھے محبوب ہے۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''انہیں بتادو کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت فرماتے ہیں۔''

(انتخاب:......سکینہ بنت محمد رمضان راجپوت، میر پور خاص)

☆......☆......☆

الملک کے معنی اور خواص

الملک جل جلالہ (سارے جہاں کا بادشاہ)

خواص:......

(۱)......جو شخص اس اسم کو زوال کے وقت ایک سو بیس بار پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو صفائی قلب اور غنا عطا فرماتا ہے، خواہ غنا ظاہری ہو یا باطنی۔

(۲)......جو شخص اس اسم کو پڑھتا ہے، اس کا نفس اس کی اطاعت کرتا ہے اور اسے عزت و حرمت حاصل ہوتی ہے۔

(۳)......جو سورج نکلنے کے وقت تین ہزار بار یہ اسم مبارک پڑھے گا، وہ جو مراد مانگے گا، حاصل ہو جائے گا۔

(۴)......مال و ملک والا آدمی (حکمران یا بڑا عہدیدار) اگر یہ اسم (القدوس) کے ساتھ ملا کر پڑھے گا تو اس کا مال و ملک قائم رہے گا۔

(۵)......جو اس اسم کو فجر کے بعد ایک سو بیس بار پڑھنے کا معمول بنالے، اللہ تعالیٰ اسے اپنی عنایت کے ذریعے غنی فرما دیتا ہے۔

(۶)......اگر حکمران اسے پڑھنے کا معمول بنائیں تو بڑے بڑے فراعنہ (سرکش و متکبر لوگ) ان کے مطیع و

فرمانبردار بن جائیں۔

(۷)......جو کوئی روزانہ صبح کی نماز کے بعد (یاملک) کثرت سے پڑھا کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے غنی فرما دے گا۔

(انتخاب:......رافعہ عبدالغنی)

☆......☆......☆

آیت الکرسی کی برکت

یہ ایک سچا واقعہ ہے، میری بڑی بیٹی لبنیٰ جو ورجینیا میں ہوتی ہے، اس نے مجھے بتایا کہ یہ واقعہ ایک لڑکی، جو مسلمان ہے اور نیویارک میں رہتی ہے، اس کے ساتھ پیش آیا اور اس نے خود یہ بتایا کہ ''میں ایک آفس میں کام کرتی ہوں، ایک دن کام کی زیادتی کی وجہ سے کچھ لیٹ ہوگئی، شام کو گھر جا رہی تھی، جب اپنی اسٹریٹ میں داخل ہونے لگی تو یوں محسوس ہوا، جیسے کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے، مڑ کر دیکھا تو خوف سے کانپنے لگی، ایک موٹا لمبا کالا آدمی مجھے گھور رہا تھا، زیادہ تر جرائم یہی لوگ کرتے ہیں، میں دوڑنا چاہتی تھی، مگر میرے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے تھے، کچھ سمجھ میں نہیں آیا، اچانک میں نے آیت الکرسی پڑھنی شروع کی، پھر یوں لگا، جیسے وہ شخص دوسری اسٹریٹ میں مڑ گیا، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ نہیں تھا، اب میں نے دوڑ لگا دی، گھر پہنچ کر اللہ کا شکر ادا کیا، صبح اٹھی تو ٹی وی پر خبر چل رہی تھی کہ اسی اسٹریٹ میں (رات والی) ایک لڑکی کا قتل ہوا ہے، پولیس نے تین بندوں کو پکڑا ہے اور لوگوں سے درخواست کر رہے ہیں کہ اگر کوئی اس واقعے کے بارے میں کچھ جانتا ہو اور مجرم کی شناخت میں مدد کر سکتا ہو تو پلیز پولیس اسٹیشن آ جائے۔'' میں فوراً تیار ہو کر وہاں پہنچی، میں نے آفیسر سے کہا کہ میں نے ایک بندے کو وہاں دیکھا تھا، اگر یہ وہی شخص ہو رات والا تو پلیز آپ مجھے ایک منٹ دیں، تاکہ میں اس سے ایک بات پوچھوں، انہوں نے اجازت دے دی، جب میں آگے گئی تو لاکر (حوالات) میں تین آدمی تھے، وہ رات والا بھی تھا، پھر مجھے گھورنے لگا، میں نے اس سے پوچھا کہ تم تو میرا پیچھا کر رہے تھے، پھر اچانک تم دوسری طرف مڑ گئے، اس نے جواب دیا کہ تمہارے پاس اتنے بڑے بڑے دو گارڈز آ گئے کہ میں ڈر گیا، ورنہ میں تمہیں نہ چھوڑتا، یہ سن کر میں نے پولیس آفیسر کو بتایا کہ ''یہی وہ قاتل ہے اور رات کا واقعہ سنا دیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔'' یہ سب آیت الکرسی کی برکت تھی۔

قارئین کرام! یہ تو صرف آیت الکرسی کا معجزہ تھا، سارا قرآن، اس کی ہر صورت اور ہر آیت معجزہ ہے، جس مقصد کے لئے پڑھی جائے، بات صرف پختہ عقیدے کی ہے اور آیت الکرسی قرآن کی سب سے لمبی آیت اور عرش کے خزانوں میں سے ہے، اللہ ہم سب کو توفیق دے کہ ہر وقت اس کا ورد کرتے رہیں، تاکہ ناگہانی آفات سے محفوظ رہیں۔ آمین

☆......☆......☆

حضرت عمر بن العاصؓ اور یورپ کے قوانین

حضرت عمر بن العاص مصر کی جنگ پر تھے، ایک جگہ پڑاؤ تھا کہ آپ کے خیمہ پر کبوتری نے انڈے دے دیئے، کوچ کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا کہ خیمہ وہیں رہنے دیا جائے، ایک سپاہی حفاظت پر مقرر کیا، اسی جگہ ایک

شہر بھی آباد ہوا، جسے خیمے کی نسبت فسطاط کا نام دیا گیا، اس جگہ آج مصر کا دارالخلافہ اور عرب وافریقی دنیا کا سب سے بڑا اور جدید شہر آباد ہے، جسے دنیا قاہرہ کے نام سے جانتی ہے، آج یورپ میں یہ قانون بن چکا ہے کہ جس عمارت پر پرندوں نے انڈے دیئے ہوں، وہ عمارت گرائی نہیں جاسکتی، یا ان پرندوں کو نقصان پہنچانا قانوناً جرم ہے، لیکن آج ہم میں سے یہ اکثر کو معلوم نہیں کہ اسکی ابتداء مسلمانوں نے کی تھی۔

(انتخاب:......شیرین گل، پشاور)

☆......☆......☆

ایک عبرت انگیز خاکہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مربع شکل بنائی اور اس کے درمیان ایک لکیر کھینچی، جو اس مربع سے باہر نکل گئی اور ایک طرف سے چھوٹی چھوٹی لکیریں درمیانی لائن کی جانب کھینچیں، پھر فرمایا کہ یہ انسان ہے، جسے موت گھیرے ہوئے ہے اور درمیانی لمبی لکیر اس کی امید ہے، جو اس کی زندگی سے بھی زیادہ ہے اور چھوٹی چھوٹی لکیریں اسے پیش آنے والے حالات ہیں (بیماریاں، حوادثات) اگر وہ ایک سے بچ جاتا ہے تو دوسری اسے آلیتی ہے اور اگر دوسری سے بچ جاتا ہے تو تیسری اسے اچک لیتی ہے۔ (صحیح بخاری)

(انتخاب:......رومان جمیل، شان لنڈ)

☆......☆......☆

نقوش پائے مصطفیٰ

ہمارے استاد محترم، ہمارے دینی رہنما، سادگی کا پیکر اور عاجزی کا بہترین نمونہ، سنتوں کی اتباع کرنے والے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کی حد تک محبت کرنے والے، انتہائی نرم دل، مشفق ومربی "حضرت مولانا عبدالمالک دامت برکاتہم العالیہ"، جو مدرسہ دارالعلوم الصفہ سعید آباد میں دورۂ حدیث میں ترمذی شریف اول کا درس دیتے ہیں، ہزاروں طالب علم وطالبات استاد محترم کے درس سے فیضیاب ہوئے ہیں اور ہورہے ہیں، آپ کا درس دینے کا انداز اس قدر دلنشین اور سہل ہوتا ہے کہ انسان خود بخود عمل کی طرف راغب ہوتا ہے، استاد محترم آقائے دوجہاں سے والہانہ محبت رکھتے ہیں، جب بھی حدیث مبارکہ میں محبوب دوجہاں کا نام آتا تو بلند آواز میں درود پاک پڑھتے اور سب کو پڑھنے کی تلقین فرماتے، ایک دفعہ فرمایا کہ میرے محبوب کے نام میں کس قدر مٹھاس ہے اور لذت ہے کہ جب "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تو لب دومرتبہ ایک دوسرے کو چوم لیتے ہیں، اسی محبوب دوجہاں کی محبت اور عشق ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ نے سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف فرمائی، جس کو ابھی حال ہی میں صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ "نقوش پائے مصطفیٰ" صلی اللہ علیہ وسلم کو تصنیف کرنے میں استاد محترم کی انتھک محنت ہے اور ساتھ میں اللہ کا فضل اور رحمت بھی تھی کہ جس کے نتیجے میں یہ کتاب تصنیف ہوئی، حضرت نے تین ماہ کے لئے عرب کا دورہ کیا، فرماتے ہیں کہ یہ میری زندگی کا مبارک اور یادگار سفر ہے، جن راستوں پر میرے محبوب کے قدمین شریفین لگے، ان راستوں پر چلنا، سفر کرنا میری دیرینہ تمنا

تھی، اس تمنا کی تکمیل کے لئے خوب دعائیں کیں، اللہ تعالیٰ نے مجھ سیاہ کار پر اپنا فضل وکرم فرمایا اور تین ماہ حرمین شریفین کے مبارک بقعہ میں قیام کی سعادت سے نوازا، اس قیام کے دوران مختلف مقامات سیرت کی طرف اسفار ہوئے، جس کے نتیجے میں سیرت کے موضوع پر ایک کتاب ترتیب دی ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف اوقات میں جہاں جہاں قدم مبارک لگے، ان مقامات کا تعارف، قدیم وجدید پس منظر، محل وقوع اور تصاویر، یہ سفر اسی مناسبت سے تھا۔ استاد محترم کی کچھ تصانیف اور بھی ہیں جن میں "اسم محمد"، "آثار حبیب کی خوشبو" جو آپ کا سفرنامہ ہے اور حال ہی میں "ہجرت خیر البشر" کے نام سے کالم آتے رہے اور اب الحمدللہ وہ بھی کتابی شکل میں شائع ہوچکی ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کے واقعات کو انتہائی دلکش اور سہل انداز میں بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے کس قدر تکلیفیں برداشت کیں، کن کٹھن راستوں سے گزر کر مدینہ منورہ پہنچے، فرماتے ہیں کہ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ جب میں یہ کتاب لکھتا تو آنکھوں سے سیل رواں جاری ہوجاتا کہ میرے محبوب نے کس قدر مشقتیں اٹھائیں مگر آج امت کی بے راہ روی کا یہ حال ہے کہ ہر روز نہ جانے محبوب دوجہاں کی کتنی سنتوں کو توڑ دیتے ہیں مگر احساس نہیں ہوتا، جو نبی ہمارے لئے راتوں کو اٹھ اٹھ کر روتا اور دعائیں مانگتا تھا، آج اسی کی امت مغربی تہذیب کے راستوں پر چلنے پر فخر کرتے ہیں۔ اللہ پاک ہمارے استاد محترم کو اور ہمارے بڑے استاد جی کو اور مدرسے کی تمام معلمات ومعلمین کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور ہمارے استاد محترم سے یوں ہی دین کا کام لیتے رہیں، ان کا سایہ تادم حیات ہم پر قائم رہے، آمین ثم آمین

(انتخاب:......حفصہ محمد اکرم، جامعہ دارالعلوم الصفہ للبنات کراچی)

☆......☆......☆

باتیں اللہ والوں کی

ایک دفعہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی انگلی میں کوئی معمولی پھانس لگ گئی، اتفاق سے اس انگلی میں قلم تھامے کچھ لکھ رہے تھے، بار بار قلم زمین پر رکھ کر پھانس ٹٹولتے، پھر لکھنے میں محو ہوجاتے، آخر پھانس نکل گئی تو فرمایا: سارے بدن کی جسامت دیکھو اور اس پھانس کی حقیقت دیکھو، جس کا وزن ایک رتی کے سوحصہ کے برابر بھی نہ ہوگا، لیکن بدن کو کسی غیر شے کی مداخلت اپنے اندر برداشت نہیں۔ پھر خدا کی یاد اس دل میں کیسے آسکتی ہے، یہاں سینکڑوں یادوں نے دل کو گھیر رکھا ہو، اگر ہم خدا کی یاد سے دل کو آباد نہیں رکھ سکتے تو کم از کم غیر اللہ کی یاد سے خالی رکھنا تو ہمارے اختیار میں ہے، اگر ہم اس دل کو خالی رکھیں گے تو کبھی نہ کبھی تو خدا کی یاد دل میں گھر کر ہی لے گی۔

☆......☆......☆

آنکھ، بہت بڑی نعمت

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندے! میں نے تجھے دو آنکھیں دی ہیں، اس میں دو پردے لگائے ہیں کہ جن چیزوں سے تجھے روکا، جب وہ تیرے سامنے آجائیں تو آنکھیں جھکالیا کر اور جن چیزوں کو دیکھنے کا کہا ہے، ان کو دیکھا کر، میری دوستو! لاکھوں آدمیوں نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو توڑا، پھر بھی اللہ تعالیٰ

نے ان کی تاروں کو نہیں کاٹا اور فرشتوں کو حکم نہیں دیا کہ ان کی آنکھوں کو اندھا کردو۔

(انتخاب:.....نازیہ اقبال، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور شیطان

عیسیٰ علیہ السلام مٹی کی اینٹ پر سر رکھ کر سو گئے، جب بیدار ہوئے تو شیطان کو اپنے سر کے پاس دیکھا، فرمایا کہ میرے پاس کیوں آیا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ میں وسوسہ ڈالنے کی طمع مجھ کو لاحق ہوئی، آپ نے فرمایا کہ اے ملعون! میں تو روح اللہ ہوں، تیری طمع میرے بارے میں کس طرح صحیح ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کے متعلق مجھ کو طمع اس لئے پیدا ہوئی کہ میری متاع آپ کے پاس موجود ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ کیا؟ اس نے کہا کہ یہی اینٹ جو آپ کے سر کے نیچے ہے۔ پس عیسیٰ علیہ السلام نے اس اینٹ کو دور پھینک دیا، اس وقت شیطان بھی بھاگ گیا، خدا ہم کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

☆.....☆.....☆

اللہ کی محبت اس وقت ملتی ہے جب دل میں کوئی اور محبت نہ رہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی اور فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں دیکھتا ہوں کہ جب کسی بندے کا دل دنیا و آخرت کی محبت سے پاک و صاف ہو جائے تو میں اسے اپنی محبت سے بھر دیتا ہوں۔ یعنی اللہ کی محبت انسان کے دل میں اس وقت تک داخل نہیں ہوتی ہے جب تک بندہ اپنے دل سے دنیا و آخرت کی تمام انعام و اکرام کے حصول کی محبتیں نکال نہ دے اور جب ہر محبت سے دل خالی ہو جائے تو اللہ اپنی محبت سے دل کو بھر دیتا ہے، پھر اس بندے کی نظر میں نہ دنیا کی کوئی خوشی اور نعمت جچی ہے اور نہ جنت کی کوئی اور نعمت اس کے لئے باعث کشش ہوتی ہے۔

(انتخاب:.....رخسانہ صابر، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

بری صحبت کا انجام

بری صحبت زہر سے زیادہ مہلک ہوتی ہے، جس کا انجام ذلت و رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، اسی طرح نیک صحبت تریاق ہوتی ہے جو سینکڑوں برائیوں سے حفاظت کا ذریعہ بنتی ہے، عقل مند انسان کو جیسے نیکی کی تلاش رہتی ہے، ویسے ہی بدی سے اجتناب (پرہیز) رہتا ہے، انسان کو جس طرح نیکی کی ضرورت ہے، اس سے کہیں زیادہ نیک صحبت کی ضرورت ہے اور جس طرح بدی سے بچنا ضروری ہے، اس سے کہیں زیادہ بروں کی صحبت سے بچنا ضروری ہے، حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا جس نے آغوش نبوت میں پرورش پائی اور بیوی جو زندگی بھر رفیقہ حیات رہی، دونوں کا کافروں کی صحبت سے کفر پر خاتمہ ہوا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو اپنی رباعی میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس طرح ادا کیا ہے۔

پسر نوح بابداں بہ نشست خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد
صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

(۱).....حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بروں کے ساتھ بیٹھا تو اس سے نبوت کا خاندان چھوٹ گیا۔
(۲).....اصحاب کہف کے کتے نے چند روز نیکوں کی صحبت اختیار کی تو آدمی بن گیا۔
(۳).....نیکیوں کی صحبت تجھ کو نیک بنا دیتی ہے، بروں کی صحبت تجھے برا بنا دیتی ہے۔

(انتخاب:.....آمنہ لیاقت علی، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

صبر کی قسمیں اور اس کے درجات عالیہ

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ صبر کی تین قسمیں ہیں:

(۱).....سب سے پہلے فرمانبرداری پر صبر
(۲).....دوسرے مصیبت پر صبر
(۳).....تیسرے گناہ پر صبر

جو آدمی مصیبت پر صبر کرتا ہے، یہاں تک کہ اعلیٰ حوصلہ کے ساتھ اور پورے استقلال کے ساتھ، اس کو برداشت کرتا ہے، تو خداوند قدوس اس شخص کے چھ سو مقامات تحریر فرما دیتے ہیں اور جو آدمی گناہ پر صبر کرے تو اس کے واسطے نو سو مقامات تحریر کر دیئے جاتے ہیں۔

(انتخاب:.....اقصیٰ جاوید، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

ماں کی شان میں گستاخی کرنے والے کی سزا

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب المفرد میں لکھا ہے کہ ایک قبرستان میں مغرب کے بعد ایک قبر پھٹتی تھی، اس میں سے ایک شخص نکلتا، جس کا سر گدھے کے مانند تھا، گدھے کی آواز نکال کر چند لمحے بعد قبر میں چلا جاتا تھا، کسی نے لوگوں سے پوچھا کہ آخر اس قبر والے کے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہو رہا ہے؟ کیا وجہ ہے؟ بتانے والے نے بتایا کہ یہ آدمی شراب پیتا تھا، جب اس کی ماں اسے ڈانٹتی تو کہتا تھا، کیوں گدھے کی طرح چلاتی ہے۔

(انتخاب:.....رمیصاء رباب، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

چہرہ پر آنسو ملنے کی فضیلت

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جب کوئی دعا مانگتے اور آنکھ سے کوئی آنسو آتا تو حضرت اقدس ان

آنسوؤں کو اپنے چہرے پر مل لیا کرتے۔ ایک طالب علم نے دیکھ لیا، اس نے کہا کہ حضرت! آپ کا یہ عمل کس بناء پر؟ فرمایا: میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان آنسوؤں کی برکت سے میرے چہرے کو جہنم کی آگ سے محفوظ فرمائیں گے، وہ بھی طالب علم تھا، کہنے لگا حضرت! کسی کا چہرہ بچ بھی گیا اور باقی جسم کے اعضاء نہ بچے تو پھر کیا فائدہ، اس پر حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت بیان فرمائی، فرمایا کہ اورنگ زیب عالمگیر کے وقت میں ایک وزیر فوت ہوا، اس وزیر کا ایک بیٹا چھوٹی عمر کا تھا، مگر بڑا سمجھدار تھا، بادشاہ نے اس بچے کو دل لگی کی خاطر بلایا، جب وہ بچہ حاضر ہوا تو اورنگزیب عالمگیر اس وقت ایک تالاب میں جو اپنے محل میں بنوایا تھا، نہا رہے تھے، اسے دیکھ کر آپ کنارے پر آئے، وہ بچہ قریب ہوا، سلام کیا، جب اس نے مصافحہ کیا تو آپ نے اس کی انگلیاں مضبوطی سے پکڑلیں اور اسے کہا کہ میں تمہیں کھینچ کر پانی میں نہ ڈال لوں، وہ بچہ مسکرا پڑا، اورنگ زیب بڑے حیران ہوئے کہ بچے کو تو گھبرانا چاہئے تھا اور کہتے بھی ہیں کہ بڑا سمجھدار ہے، چنانچہ آپ نے پوچھا کہ تو کیوں ہنس رہا ہے؟ وہ بچہ کہنے لگا، بادشاہ سلامت! میرے ہاتھوں کی چند انگلیاں آپ کے ہاتھوں میں ہیں، بھلا مجھے ڈوبنے کا کیا ڈر ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے کھینچ کر اس پانی میں ڈبو دیں گے۔ یہ حکایت سنا کر حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر اس بچے کو بادشاہ کی انگلیاں پکڑنے پر اتنا اعتماد ہے تو کیا اللہ کی رحمت پر ہمیں اتنا بھی اعتماد نہ ہو کہ اگر وہ چہرے کو جہنم کی آگ سے بچائے گا تو پورے جسم کو بھی جہنم کی آگ سے آزاد فرمادے گا، ہر دینے والا اپنی حیثیت کے مطابق دیتا ہے، بادشاہوں کی دین تو بادشاہوں کی سواریاں ہی اٹھایا کرتی ہیں، اللہ رب العزت سے بہترین حسن ظن رکھیں گے تو وہ اپنی شان کے مطابق معاملہ فرمائیں گے، ان شاء اللہ

(انتخاب:......اقراء یونس، کمالیہ)

☆......☆......☆

نو باتوں کا حکم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے رب نے مجھ کو ”نو“ باتوں کا حکم دیا ہے:

(۱)......ظاہر اور پوشیدہ ہر حالت میں اللہ سے ڈرنے کا۔

(۲)......غصہ اور ناراضگی کی حالت میں راست و درست بات کہنے کا۔

(۳)......غریبی اور مالداری کی حالت میں میانہ روی اختیار کرنے کا۔

(۴)......اور جو میرے ساتھ بدسلوکی کرے، اس کے ساتھ میں نیک سلوک کروں۔

(۵)......جو مجھے محروم رکھے، اس کو میں داد و دہش سے نوازوں۔

(۶)......جو شخص مجھ پر ظلم کرے، اس سے درگزر کروں۔

(۷)......اور میری خاموشی فکر ہو۔

(۸)......میرا بولنا ذکر ہو۔

(۹)......اور میرا دیکھنا عبرت ہو، نیز میرے رب نے مجھے یہ بھی حکم دیا ہے کہ میں نیکی کی تلقین کرتا رہوں۔

زبان کی لغزش پاؤں کی لغزش سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے

خاموش رہنا تدبر کی علامت ہوتی ہے، عقلمندی کی علامت ہوتی ہے اور ... ن کے سمجھدار ہونے کی علامت ہوتی ہے جبکہ ہر وقت ٹر ٹر کرتے رہنا یہ انسان کی بیوقوفی کی علامت ہوتی ہے۔ ... رکھئے گا کہ زبان کی لغزش پاؤں کی لغزش سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے، پاؤں پھسل گیا تو بندہ پھر اٹھ سکتا ہے، لیکن اگر زبان پھسل گئی تو وہ لفظ پھر واپس نہیں آسکتا، اس لئے جس بندے کی زبان بے قابو ہو تو اس بندے کی موت کا فیصلہ وہی کرتی ہے۔

کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

(انتخاب:......قرۃ العین، نور النساء، کمالیہ)

☆......☆......☆

مفلس کون؟

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو، مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: مفلس وہ ہے جس کے پاس مال و متاع اور درہم و دنانیر نہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن اپنے ساتھ نماز، روزہ، زکوٰۃ کا وافر مقدار میں ذخیرہ لائے گا، مگر ساتھ ہی ایک آدمی ہوگا، جس کا اس نے دنیا میں حق مارا ہوگا، مثلاً گالی بکی ہوگی، پھر ایک اور آدمی آئے گا، جس کو اس نے دنیا میں تہمت لگائی ہوگی، پھر ایک اور آدمی آئے گا، جس کو اس نے قتل کیا ہوگا، پھر ایک اور آدمی آئے گا، جس کا اس نے مال کھایا ہوگا، پھر ایک اور آدمی آئے گا، جس کا اس نے حق مارا ہوگا، غرض اسی طرح بہت سارے ایسے لوگ آئیں گے، جن جن کے اس نے حقوق غصب کیے ہوں گے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی نیکیوں میں سے ایک ایک نیکی ان سب کو دی جائے گی، جن کے حق اس نے مارے ہوں گے، ایک ایسے وقت آئے گا، اس کی ساری نیکیاں ختم ہوجائیں گی، جو وافر ذخیرہ کی صورت تھیں، مگر اپنا حق مانگنے والے ابھی باقی ہوں گے اور پھر فیصلہ ہوگا، اب ان مطالبہ کرنے والوں کی خطائیں اس پر لاد دی جائیں اور وہ سب راضی ہوجائیں گے، جب خطائیں اس پر لاد دی جائیں گی، تو ان کے بوجھ تلے اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(انتخاب:......شافعہ مقدس، ساہیوال)

☆......☆......☆

اچھی باتیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا خاص ورد:

خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے مجرب ورد جمعہ کی شب کو صاف لباس پہننے، خوشبو لگائے اور بعد نماز عشاء دو نفل پڑھے اور اس کے بعد ایک ہزار بار سورۃ الکوثر اور ایک ہزار بار درود شریف پڑھے۔

سورۂ اخلاص روزانہ ۲۰۰ دفعہ باوضو پڑھنے سے ۹ فائدے حاصل ہوتے ہیں:

(۱)......اللہ رب العزت ۳۰۰ دروازے غضب کے بند کردے گا، مثلاً دشمنی، قحط، قہر، فتنہ۔

(۲)......۳۰۰ دروازے رحمت کے کھولے گا۔

(۳)......۳۰۰ دروازے رزق کے کھولے گا، اللہ تعالیٰ اپنے غیب سے رزق دے گا۔

(۴)......بغیر محنت کے اللہ اپنے علم سے علم دے گا، اپنے صبر سے صبر دے گا اور اپنی سمجھ سے سمجھ دے گا۔

(۵)......۶۶ مرتبہ قرآن ختم کرنے کا ثواب دے گا۔

(۶)......پچاس سال کے گناہ معاف ہوں گے۔

(۷)......اللہ تعالیٰ جنت میں ۲۰ بنگلے دے گا، یاقوت، مرجان، زمرد کے بنے ہوں گے، ہر بنگلے میں ۷۰،۰۰۰ دروازے ہوں گے۔

(۸)......۲۰۰۰ رکعات نفل پڑھنے کا ثواب ملے گا۔

(۹)......جب بھی مریں گے تو جنازے میں ایک لاکھ دس ہزار فرشتے شمولیت کریں گے۔

☆......☆......☆

جو بندہ دن میں ۱۰۰ مرتبہ اللھم صل علی محمد عبدک ورسولک وصل علی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات پڑھے گا، اللہ اس کے مال میں زیادتی فرمائے گا اور عشاء کے بعد پڑھنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوگی۔

☆......☆......☆

اگر کوئی روزانہ گیارہ مرتبہ صلی اللہ علیٰ سیدنا محمد پڑھے گا، تو اللہ اس کو مرنے سے پہلے دنیا میں جنت میں اس کا مقام دکھا دیں گے۔

(انتخاب:......ہادیہ حبیب الرحمان، باغ آزاد کشمیر)

☆......☆......☆

ایک سو دس سچے موتی

(۱)......اللہ کے نیک بندوں کے اقوال سچے موتی ہیں۔

(۲)......خیر کا ہر لفظ مرد مومن کی میراث ہے، جہاں سے ملے، اٹھالے۔

(۳)......جب کسی قوم کا بزرگ تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت کرو۔

(۴)......شریر کی بدکاریاں اس کو پکڑ لیں گی اور وہ اپنی ہی گناہ کی رسیوں سے جکڑا جائے گا۔

(۵)......کلام کی کثرت میں کچھ نہ کچھ گناہ ہوگا، مگر وہ جو اپنے لبوں کو روکے رہتا ہے، بڑا دانا ہے۔

(۶)......خداوند تعالیٰ کی راہ سیدھے لوگوں کے لئے توانائی اور بدکرداروں کے لئے ہلاکت ہے۔

(۷)......کوئی انسان شرارت سے پائیدار نہیں رہ سکتا، لیکن صادقوں کی بنیاد کو کبھی جنبش نہ ہوگی۔

(۸)......تھوڑا جو خداوند کے خوف کے ساتھ ہو، اس بڑے گنج (خزانہ) سے جو رنج کے ساتھ ہو بہتر ہے۔

(۹)......بیٹے کی تادیب سے دستبردار نہ ہو، چھڑی مارنے سے وہ مر نہ جائے گا لیکن تو جہنم سے اس کی جان

بچالے گا۔

(۱۰)......جو کی روٹی کھانا، صاف پانی پینا اور کھلے میدان میں سو رہنا مرنے والوں کے لئے بہت ہے۔

(۱۱)......سفر دو قسم کا ہے دنیا اور آخرت کا، دونوں کے واسطے توشہ درکار ہے، دنیا کے سفر میں توشہ ہمراہ رکھنا چاہئے اور سفر آخرت میں روانگی سے پہلے بھیج دینا چاہئے۔

(۱۲)......دنیا میں دو چیزیں پسندیدہ ہے، سخت دل پذیر، دل سخت پذیر۔

(۱۳)......دنیاداروں کے مکانوں، مالوں اور باغوں کو دیکھنا حرص دنیا کی تحریک دلاتا ہے اور تقویٰ سے بعید ہے۔

(۱۴)......نہیں حاصل ہوتی دولت ساتھ آرزو کے نہیں حاصل ہوتی صحت ساتھ دواؤں کے۔

(۱۵)......عبادت ایک پیشہ ہے دکان اس کی خلوت ہے، راس المال اس کا تقویٰ ہے اور نفع اس کا جنت ہے۔

(۱۶)......عورتوں کو سونے کی سرخی اور زعفران کی زردی نے ہلاک کر رکھا ہے۔

(۱۷)......کم بولنا حکمت، کم کھانا صحت، کم سونا عبادت اور عوام سے کم ملنا عافیت ہے۔

(۱۸)......عمدہ لباس کے حریص کفن کو یاد رکھ، عمدہ مکان کے شیدائی، قبر کا گڑھا مت بھول، عمدہ غذاؤں کے دل دادہ کیڑے مکوڑوں کی غذا بننا یاد رکھ۔

(۱۹)......جو کام لوگوں کے سامنے کرنا مناسب نہیں، مناسب ہے کہ اس کو چھپ کر بھی نہ کیا جائے۔

(۲۰)......شریر عورتوں سے بالکل برکنار رہو اور جو جعلی نسب ہوں، ان سے بھی ہوشیار رہو۔

(۲۱)......بدبخت ہے وہ شخص جو خود تو مر جائے اور اس کا گناہ نہ مرے، یعنی کوئی بری بات جاری کر جائے، مثلاً کھوٹا سکہ بنانا، برا کھیل جاری کرنا، بری کتاب کی اشاعت کرنا وغیرہ۔

(۲۲)......مقدمات کا جلد تصفیہ کرنا چاہئے تاکہ دعویٰ کرنے والا دیر کے سبب سے کہیں اپنے دعوے سے مجبوراً دستبردار نہ ہو جائے۔

(۲۳)......بدخو کی دوستی سے احتراز لازم ہے، کیونکہ وہ اگر بھلائی بھی کرنا چاہتا ہے تو بھی اس برائی سرزد ہو جاتی ہے۔

(۲۴)......بیشک زمین کا پیٹ مردہ اور اس کی پشت بیمار ہے (یعنی پیٹ میں مردے دفن ہے اور پشت پر جو زندہ ہے وہ گرفتار مصیبت ہے)

(۲۵)......بیشک دنیا اور آخرت کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کی دو بیویاں ہوں کہ جب ایک کو راضی کرتا ہے تو دوسری ناخوش ہو جاتی ہے۔

(۲۶)......قدرت کا انتقام پیش نظر رکھتے ہوئے غصہ کو پی جانا افضل ترین جہاد ہے۔

(۲۷)......رہائش کے قابل گھر، بدن ڈھانپنے کے قدر کپڑا، پیٹ بھر روئی اور بیوی دنیا نہیں ہے بلکہ دنیا یہ ہے کہ دنیا کی طرف منہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف پشت۔

(۲۸)......مومن کو نیند کرنا زیبا نہیں، جب تک اپنا وصیت نامہ اپنے سرہانے نہ رکھ لے۔

(۲۹)......چھوڑ دو تکبر کو خالق پر اور مخلوق پر، اپنی حقیقت کو پہچانو اور تواضع اختیار کرو اپنے نفسوں میں، تمہاری ابتداء ایک نطفہ ہے جس سے گھن آئے، درمیانی حصہ زندگی غلاظت کی پوٹ اور انتہا ایک مردار ہے جس کو پھینک دیا جاتا ہے۔

(۳۰)......اگر انسان چالیس سال کی عمر تک پہنچ کر بھی گناہ نہ چھوڑے اور اپنی سرکشی سے تائب نہ ہو تو شیطان اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتا ہے کہ نجات نہ پانے والے چہرے پر میں فدا ہوں۔

(۳۱)......مومن درخت خرما لگاتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں اس کا پھل کانٹے نہ ہوں، منافق کانٹے بوتا ہے اور خواہش کرتا ہے کہ ان میں چھوہارے لگیں۔

(۳۲)......کسی بزرگ نے ہارون رشید سے فرمایا: اگر نجات چاہتا ہے تو رعایا کے ضعیف العمر مسلمانوں کو اپنا باپ، جوانوں کو اپنا بھائی، چھوٹوں کو اپنا فرزند اور عورتوں کو ماں بہن سمجھ اور ان سے اس طرح معاملہ کر، جیسے اپنے ماں باپ، بہن بھائی سے معاملہ کرتا ہے۔

(۳۴)......عورت کا نامحرم سے ملائم گفتگو کرنا بھی داخل بدکاری ہے اور اس کا باریک کپڑے پہننا ننگی ہونے کے حکم میں ہے۔

(۳۵)......جو شخص کثرت خواہشات سے اپنے دل کو مردہ بنائے، اس کو لعنت کے کفن میں لپیٹو اور ندامت کی زمین میں دفن کرو اور جو نفس کو خواہشات سے باز رکھتا ہو، اس کو نعمت کے کفن میں لپیٹو اور سلامتی کی زمین میں دفن کرو۔

(۳۶)......جو شخص عذاب قبر سے آزاد رہنا چاہتا ہے، وہ دنیا سے صرف اتنا تعلق رکھے، جتنا بیت الخلاء سے رفع حاجت کے وقت رکھتا ہے۔

(۳۷)......اکثر تاخیر نکاح بھی سبب زنا بن جاتی ہے اور وبال والدین پر ہوتا ہے۔

(۳۸)......بازار کے اندر ذکر الٰہی میں مصروف شخص مردوں میں زندہ کی مثل، مغروروں میں غازی کی مثل اور خشک درختوں میں سرسبز کی مثل ہے۔

(۳۹)......ہوا ایک کتب خانہ ہے جس میں ہر انسان کے الفاظ و اعمال لکھے رکھے ہیں۔

(۴۰)......خدا تعالیٰ رزاق ہے، بندہ قزاق ہے، مرد کا امتحان عورت سے، عورت کا روپے پیسے سے اور روپے کا امتحان آگ سے ہوتا ہے۔

(۴۱)......دردسر کا علاج تاج سے نہیں ہوتا۔

(۴۲)......برنگ اطاعت سے، ہمسر خلق سے، خرد لطف و کرم سے اور حاسد رواں نعمت سے خوش ہوتے ہیں۔

(۴۳)......اتنا نرم نہ بن کہ نچوڑ لیا جائے اور نہ اتنا خشک کہ توڑ لیا جائے۔

(۴۴)......کم گو، کم خور اور بے آزار ہمیشہ سلامت، خوش اور مصیبتوں سے محفوظ رہتا ہے۔

(۴۵)......حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ آخری زمانہ میں علماء قرب امراء پر لڑیں گے جس طرح کہ مرد عورتوں پر لڑتے ہیں، یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔

(۴۶)......حضرت ضحاکؒ بن مزاحم فرماتے ہیں کہ میں ایک رات کامل ایسا لفظ تلاش کرتا رہا جس سے بادشاہ راضی ہو اور اللہ تعالیٰ خفا نہ ہو لیکن نہ ملا۔

(۴۷)......مسلم نحاثؒ فرماتے ہیں، جب درہم و دینار پر مہر لگائی جاتی ہے تو شیطان اس کو بوسہ دیتا ہے اور کہتا ہے جو تجھ سے محبت کرے، وہ میرا سچا غلام ہے۔

(۴۸)......ظاہر صورت پر اعتبار کرنا بسا اوقات باعث پشیمانی ہوتا ہے، کیونکہ بعض گندم نما جو فروش اپنے چلن پر پردہ ڈالنے کے لئے زہر ہلاہل کی بوتل پر جوہر حیات لکھ دیتے ہیں۔

(۴۹)......بوڑھے خاوند کو جوان بیوی قبر تک پہنچانے میں گھوڑے کی ڈاک ہے۔

(۵۰)......دروازہ جو غریبوں کے لئے نہیں کھلتا، ڈاکٹر کے لئے کھلتا ہے۔

(۵۱)......ایک حسین اور باعصمت خاتون خدائے قدوس کی صفت کاملہ کا نمونہ، فرشتوں کی حقیقی شان و شوکت، زمین کا نادر معجزہ اور دنیا کی عجیب ترین چیز ہے۔

(۵۲)......ضرورت سے خواہش، خواہش سے کوشش، کوشش سے حصول اور حصول سے نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔

(۵۳)......موجودہ نسل فضا میں پرواز کر سکتی ہے، وائرلیس کے ذریعے سے گفتگو کر سکتی ہے، ایٹمی طاقت سے فائدہ اٹھا سکتی ہے، لیکن بچوں کی پرورش اور تربیت سے عاری ہے۔

(۵۴)......امن دو جنگوں کے درمیانی وقفے میں ایک دوسرے کو فریب دینے کا نام ہے۔

(۵۵)......جنگ کے بعد ملک میں تین قسم کی فوج رہ جاتی ہے، زخمیوں اور اپاہجوں کی موج، ماتم کرنے والوں کی فوج اور چوروں کی فوج۔

(۵۶)......جب سے مرد نے عورت کا روپ دھارا، وہ اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔

(۵۷)......کوئی ملک ہرگز غلام نہیں بنایا جاسکتا تاوقتیکہ خود اس ملک کے باشندے حملہ آور کی معاونت نہ کریں، حکیم لقمان کا قول ہے کہ لوہے کا کلہاڑا لکڑی کے جنگل سے ایک چھلکا تک نہیں اتار سکتا، جب تک خود اس کے ساتھ لکڑی کا دستہ شامل نہ ہو۔

(۵۸)......دو شخصوں کو کمر میں پتھر باندھ کر دریا میں غرق کر دینا چاہئے، ایک تو ایسے دولت مند کو جو اپنی دولت میں مستحق لوگوں کو شریک نہ کرے اور دوسرے ایسے مفلس کو جو باوجود افلاس کے خدا تعالیٰ کی عبادت نہ کرے۔

(۵۹)......راستی سے نیکی کی، مطالعہ سے علم کی، نیک روی سے حسن کی، نیک طریق سے خاندان کی، ناپ تول سے غلہ، پھیرنے سے گھوڑے کی، غور و پرداخت سے جانوروں کی اور سادہ لباس سے عورت کی عصمت کی حفاظت ہوتی ہے۔

(۶۰)......سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں: اگر کسی نے تیری ایذا کے لئے راستے میں کانٹے رکھے ہیں تو تو نہیں راستے سے ہٹا دے اور اگر تو نے بھی اس کے جواب میں اس کے راستے میں کانٹے رکھے تو پھر تمام دنیا میں کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔

(۶۱)......حضرت ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں: مچھر جب تک بھوکا ہے زندہ رہتا ہے، سیر ہو جائے تو موٹا ہو جاتا ہے اور جب موٹا ہو جائے تو مر جاتا ہے، ایسا ہی انسان کہ جب موٹا ہو جاتا ہے تو اس کا دل مر جاتا ہے۔

(۶۲)......حضرت حاتم اصمؒ فرماتے ہیں: شیطان مجھ سے سوال کرتا ہے، تیرا کھانا کیا ہے، لباس کیا ہے اور سکونت کیا ہے؟ میں جواب دیتا ہوں کہ میری غذا موت ہے، میرا لباس کفن ہے اور میرا مسکن قبر ہے۔

(۶۳)......نماز میں قلب کی، مجلس میں زبان کی، غضب میں ہاتھ کی اور دسترخوان پر شکم کی حفاظت کر۔

(۶۴)......وہ زندگی حاصل کرنا چاہئے جس کو تغیر نہ ہو، وہ ملک جو بے زوال ہو، وہ بقا جس میں اضمحلال ہو۔

(۶۵)......خوش خلقی فائدہ مند تجارت ہے، قناعت خزانہ ہے، دنیا کی محبت میں گرفتار نہ رہنا آبرو ہے، توکل پناہ اور عقل کشتی نجات ہے۔

(۶۶)......انصاف راحت ہے، کاہلی اضاعت، راستی امانت اور دروغ گوئی خیانت ہے۔

(۶۷)......علم کا دشمن تکبر، عقل کا دشمن غصہ، صبر کا دشمن لالچ اور راستی کی دشمن دروغ گوئی ہے۔

(۶۸)......دولت بمقابلہ عزت، شوکت بمقابلہ حکمت، سلطنت بمقابلہ عبادت، صورت بمقابلہ سیرت اور شجاعت بمقابلہ سخاوت ہیچ ہے۔

(۶۹)...... تورات کا ماحصل یہ ہے کہ جو کوئی راضی ہوا، اللہ کے دیئے پر آرام پایا اس نے دنیا و آخرت میں، زبور کا ماحصل یہ ہے کہ جس نے کنارہ کشی کی آدمیوں سے اس نے نجات پائی دنیا و آخرت میں، انجیل کا ماحصل یہ ہے کہ جس نے ڈھایا خواہشوں کو، عزت پائی اس نے دنیا و آخرت میں، قرآن شریف کا ماحصل یہ ہے کہ جس نے زبان کو وہ سلامت رہا دنیا و آخرت میں۔

(۷۰)...... دولت ایک معشوق ہے بے وفا، عمر ایک حریف ہے، نہ اس کو قیام نہ اس کو دوام۔

(۷۱)...... وہ شخص جس کا ستارہ اقبال پر نہ ہو اس کے تمام ہنر خلق میں نامقبول ہوتے ہیں، اس کی شجاعت دیوانگی کہلاتی، اس کی فصاحت حشو، اس کی کریمی فساد و نمود، اس کا فضل فضول اور اس کا ہر کام بے اصول شمار ہوتا ہے۔

(۷۲)...... زبان اگرچہ تلوار نہیں مگر تلوار سے زیادہ تیز ہے، بات اگرچہ تیر نہیں مگر تیر سے زیادہ زخمی کرتی ہے، غصہ اگرچہ تیر نہیں مگر تیر سے زیادہ خوفناک ہے، نشہ اگرچہ سانپ نہیں مگر سانپ سے زیادہ خطرناک ہے، گناہ اگرچہ زہر نہیں مگر زہر سے زیادہ مہلک ہے۔

(۷۳)...... عالم بے عمل، موم بے عسل، سخی بے زر، درخت بے ثمر، ہرزہ گو آدمی، بولتا ہوا جانور، احمق انسان، ناطق حیوان، تیغ بے جوہر، مصرف وناچیز، عالم بدکار، سوتا ہوا سوار، جاہل پرہیزگار، پیادہ تیز رفتار، حاکم بے عدل، اندھا کنواں، جائیداد بخیل، ابر بے باراں، منعم بے کرم، دونوں جہاں میں روسیاں۔

(۷۴)...... بے لطف ہے سیر دوستان بغیر دوستان، عمر بے شباب، شربت بے گلاب، زین بے رکاب، طبیعت بے جودت، بخت بے حکمت، مال بے تجارت، دل بے سخاوت، مرد بے جراءت، زن بے عصمت، زور بے حکم، دوائے بے پرہیز، زندگی بے عمل، عمل بے علم اور علم بے عمل۔

(۷۵)...... عورت سے خلوت کرنا ہی معصیت ہے، اگرچہ زنا نہ کرے بلکہ ایسی جگہ کھڑا ہونا بھی گناہ ہے جو عورتوں کی گزرگاہ ہے۔

(۷۶)...... دنیا میں شعر ایک نوحہ ماتم، موسیقی ایک فغان یاس، پھول ایک منجمد قطرہ گریاں، روشنی ایک امید گریزاں کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

(۷۷)...... نیک دل انسان دشمنوں کے ساتھ بھی نیکی کرنے سے نہیں چوکتے، صندل اس کلہاڑے کا منہ بھی خوشبودار کر دیتا ہے جو اسے کاٹتا ہے۔

(۷۸)...... دنیا پرستو! تم کو دنیا کی کس چیز نے مغرور بنا رکھا ہے؟ حالانکہ یہ ایسا گھر ہے کہ اس میں بھلائی بہت قلیل، اس میں طرح طرح کے شر موجود، اس کی نعمتیں سریع الزوال اور مسلوب، اس سے صلح رکھنے والا مغلوب، اس کا مالک درحقیقت مملوک اور اس کا سامان آخر کار متروک ہے (حضرت علی رضی اللہ عنہ)

(۷۹)...... ایک شخص کسی نامی قزاق کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے نوکر رکھ لو، قزاق نے پوچھا، پہلے تم نے کہاں کہاں نوکری کی ہے؟ اس نے کہا: دو برس ایک وکیل کے پاس اور ایک برس پولیس میں رہا ہوں، قزاق نے اسے نوکر رکھ لیا۔

(۸۰)...... وقت روئی کی گالوں کے مانند ہے، عقل و حکمت کے چرخے میں کات کر اس کے قیمتی پارچات بنالو، ورنہ جہالت کی آندھیاں اسے اڑا کر کہیں کا کہیں پھینک دیں گی۔

(۸۱)...... صوفی زمین کی مانند ہے، جس پر ناپاک چیزیں پھینکی جاتی ہے لیکن جتنی چیزیں اس میں سے نکلتی ہے، نفیس و پاک ہوتی ہے۔

(۸۲)...... مبارک ہے وہ جو دل کے غریب ہے کیونکہ وہ بہشت کے حقدار ہوں گے، مبارک ہے وہ جو دل کے غمگین ہے کیونکہ وہ تسلی پائیں گے، مبارک ہے وہ جو رحم دل ہے، کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا، مبارک ہے وہ جو راستبازی کے سبب ستائے گئے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت انہی کی ہے لوگوں نے ان نبیوں کو جو تم سے پہلے ہے، اس طرح ستایا تھا۔

(۸۳)...... ضائع ہے وہ عالم جس سے علم کی بات نہ پوچھیں، وہ ہتھیار جس کو استعمال نہ کیا جائے، وہ مال جو کار خیر میں خرچ نہ کیا جائے، وہ علم جس پر عمل نہ کیا جائے، وہ مسجد جس میں نماز نہ پڑھی جائے، وہ نماز جو مسجد میں نہ پڑھی جائے، وہ اچھی رائے جس کو قبول نہ کیا جائے، وہ مصحف جس کی تلاوت نہ کی جائے، وہ زاہد جو خواہش دنیا دل میں رکھے، وہ لمبی عمر جس میں توشہ نہ لیا جائے، اگر آنکھیں روشن ہے تو ہر روز روز حشر ہے۔

(۸۴)...... فرمایا، سب سے زیادہ وہ دل روشن ہے کہ اس میں خلق ہو اور سب سے زیادہ سیاہ دل وہ ہے جس میں خلق نہ ہو اور سب سے بہتر کام وہ ہے کہ اس میں اندیشہ مخلوق کا نہ ہو اور سب سے حلال لقمہ وہ ہے جو اپنی کوشش سے ہو۔

(۸۵)...... خاموشی عبادت ہے، بغیر محنت کے ہیبت ہے، بغیر سلطنت کے، قلعہ ہے بغیر دیوار کے، فتحیابی ہے بغیر ہتھیار کے، آرام ہے کراماً کاتبین کا، قلعہ ہے مومنین کا، شیوہ ہے عاجزوں کا، دبدبہ ہے حاکموں کا، مخزن ہے حکمتوں کا، جواب ہے جاہلوں کا۔

(۸۶)...... تو اس دنیا میں دار آخرت کی طرف چلنے والا ایک مسافر ہے، تیرے سفر کی ابتدا مہد اور انتہا لحد ہے، تیری عمر کا ہر برس منزل، ہر مہینہ فرسنگ، ہر دن میل اور ہر سانس قدم ہے۔

(۸۷)...... وہ بنیاد جو کبھی ویران نہ ہو، عدل ہے، وہ تلخی کہ جس کا آخر شیرینی ہو صبر ہے، وہ شیرینی جس کا آخر تلخ ہو شہوت ہے، بیماری جو کہ علاج پذیر نہ ہو۔

(۸۸)...... ایمان کا دشمن جھوٹ، عزت کا دشمن سوال، عقل کا دشمن غصہ اور دولت کی دشمن بددیانتی ہے۔

(۸۹)...... حضرت شفیق بلخیؒ سے ایک شخص نے وصیت چاہی، فرمایا: اگر یار چاہتا ہے تو تجھے خدائے عزوجل کافی ہے، اگر ہمراہ چاہتا ہے تو کراماً کاتبین کافی ہے، اگر مونس چاہتا ہے تو قرآن پاک کافی ہے، اگر کام چاہتا ہے تو عبادت کافی ہے، اگر وعظ چاہتا ہے تو مرگ کافی ہے، جو کچھ کہا گیا، اگر پسند نہیں ہے تو تجھے دوزخ کافی ہے۔

(۹۰)...... بندگی کر اللہ تعالیٰ کی بقدر اپنی حاجت کے، لے دنیا سے بقدر اپنی عمر کے، گناہ کر اللہ تعالیٰ کا بقدر طاقت عذاب سہنے کے، توشہ لے دنیا سے بقدر قبر میں ٹھہرنے کے، عمل نیک کر بقدر جنت میں رہنے کی خواہش کے۔

(۹۱)...... سلطان غیر عادل پر، اس متمول پر جو حسن تدبیر نہ رکھتا ہو، اس وزیر پر جس کا صدق کلام معلوم نہ ہو، اس بخشش کرنے والے پر جو مال کو بے موقع صرف کرتا ہو، اس صاحب فضیلت پر جو رائے صائب نہ رکھتا ہو، تاسف کرنا چاہیے کہ عنقریب ان کا کام تباہ ہو جائے گا۔

(۹۲)...... ہر ایک بات جو ذکر سے خالی ہو، لغو ہے، ہر ایک خاموشی جو فکر سے خالی ہو سہو ہے اور ہر ایک نظر جو عبرت سے خالی ہو، ہو ہے۔

(۹۳)...... حضرت ابو حازمؒ فرماتے ہیں کہ تیرا کیا ضرر ہے اگر تجھے کوئی نہ پہچانے جبکہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مصروف و مقبول ہے؟ تیرا کیا نقصان ہے اگر تیری تعریف نہ کی جائے جبکہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محمود ہے؟ تجھے کیا خوف اگر تو دنیاوی حالات میں شکست کھاتا ہے جبکہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مظفر و منصور ہے، تیرا کیا بگاڑ ہے اگر تجھ سے

نفرت کی جاتی ہے جبکہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہے۔

(۹۴)......تم مشغول ہو ایسی چیز کے جمع کرنے میں جس کو کھا نہ سکو گے، آرزو رکھتے ہو ایسے چیزوں کی جن کو پا نہ سکو گے، تعمیر کرتے ہو ایسے مکانات جس میں بس نہ سکو گے، یہ ساری چیزیں تم کو تمہارے رب کے مقام سے محجوب کرتی ہے۔

(۹۵)......جو چیز باہر سے آدمی کے اندر جاتی ہے، وہ ناپاک نہیں کر سکتی، اس لئے کہ وہ اس کے دل میں نہیں بلکہ پیٹ میں جاتی ہے اور پاخانے میں نکل جاتی ہے۔ بلکہ جو آدمی سے نکلتا ہے وہی آدمی کو ناپاک کرتا ہے کیونکہ اندر سے یعنی آدمی کے دل سے برے خیال، حرام کاریاں، چوریاں، خونریزیاں، زنا کاریاں، لالچ، بدی مکر، شہوت پرستی، بدنظری، بدگوئی، شیخی اور بے وقوفی نکلتی ہے، یہ سب باتیں اندر سے نکل کر آدمی کو ناپاک کرتی ہے۔

(۹۶)......خداوند تعالیٰ ان چھ چیزوں کو ناپسند کرتا ہے۔ اونچی آنکھیں، جھوٹی زبان، وہ ہاتھ جو بے گناہ کو آزار پہنچائے، وہ دل جو برے منصوبے باندھتا ہے، وہ پاؤں جو جلد برائی کی طرف دوڑتے ہیں، وہ گواہ جو جھوٹ بولتا ہے اور وہ جو بھائیوں کے درمیان جھگڑے برپا کرتا ہے۔

(۹۷)......رحم کے زیادہ مستحق یہ تین شخص ہے، وہ عالم جس پر جاہل کا حکم چلے، وہ شریف جس پر کمینہ حاکم ہو، وہ نیکوکار جس پر کوئی بدکار مسلط ہو۔

(۹۸)......چار نیکیاں افضل ترین ہے، غصہ کے وقت درگزر، تنہائی میں پارسائی، تنگدستی میں سخاوت اور طاقت کے باوجود انکساری۔

(۹۹)......مال دار کو بخل، حاکم کو طمع، جوان کو سستی، عابد کو غرور اور سخی کو افسوس خراب کرتا ہے۔

(۱۰۰)......دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہے، نیکی بدی کو، تکبر علم کو، توبہ گناہ کو، جھوٹ رزق کو، عدل ظلم کو، غم عمر کو، صدقہ بلا کو، غصہ عقل کو، پشیمانی سخاوت کو، غیبت نیک اعمال کو۔

(۱۰۱)......دس خصلتیں دس شخصیتوں سے اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، بخل مالداروں سے، تکبر فقیروں سے، طمع عالموں سے، بے شرمی عورتوں سے، حب دنیا بوڑھوں سے، سستی جوانوں سے، ظلم بادشاہوں سے، نامردی غازیوں سے، خود پسندی زاہدوں سے، ریاکاری عابدوں سے۔

(۱۰۲)......پانچ چیزیں تکلیف دہ ہے، جذام کا مرض، برے کا قرض، بگڑا گنوار، جاہل عہدیدار اور ہمسایہ بدکار۔

(۱۰۳)......آٹھ چیزیں سیر نہیں ہوتی، آنکھ دیکھنے سے، زمین بارش سے، فاحشہ عورت مرد سے، عالم علم سے، سائل سوال سے، حریص جمع مال سے، دریا پانی سے، آگ لکڑیوں سے۔

(۱۰۴)......تین شخص سب سے زیادہ مغضوب ہیں، فقیر متکبر، بڈھا زانی، بدکار عالم۔

(۱۰۵)......عورت کی خوبی دو باتوں میں ہے۔ اس کو کوئی نامحرم نہ دیکھے، وہ کسی نامحرم کو نہ دیکھے۔

(۱۰۶)......عورت سے چار چیزیں چاہو، اس کے دل میں نیکی ہو، اس کے چہرے میں حیا ہو، اس کی زبان میں شیرینی ہو، اس کے ہاتھ کام میں لگے رہیں۔

(۱۰۷)......لوگوں سے کنارہ کش رہ کر تین برکتیں حاصل ہوں گی: راحت جسمانی، قوت روحانی، حفاظت ایمانی۔

(۱۰۸)......بادشاہوں کے جاہ و جلال و شان و شوکت، امراء کی دولت و مال و حشمت و ثروت اور حسینوں کے حسن و جمال اور زیب و زینت ہی کو نہ دیکھو بلکہ بنظر عبرت یہ دیکھو کہ کتنی جلدی جلدی چلے جاتے ہیں۔

(۱۰۹)......حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ خواہش نفس کی متابعت کرنے والا دنیا و آخرت دونوں میں گرفتار

عذاب رہتا ہے، دنیا میں بوجہ اس کی تلاش کے اور آخرت میں بوجہ حساب کے، یاد رہے جس کی خوراک زیادہ ہے، اس کے پیٹ کا گوشت بھی زیادہ ہوگا اور جس کے پیٹ کا گوشت زیادہ ہے، اس کی خواہشات بھی بہت زیادہ ہوں گی اور جس کی شہوات زیادہ ہوں گی اس کے گناہ زیادہ ہوں گے اور اس کا دل بھی سخت ہوگا اور جس کا دل سخت ہوگا، وہ معاصی و آفات میں غرق ہوگا، وہ آگ میں داخل ہوگا۔

(۱۱۰)......صوفی وہ ہے جس کو جانوروں کی آواز میں، ہر ایک سوز و ساز میں، چڑیوں کی چہک میں، پھولوں کی مہک میں، سبزے کی لہک میں، جواہرات کی دمک میں، سورج کی چمک میں، سما و سمک میں، درختوں کے رنگ میں، شیشہ و سنگ میں، آہنگ لباب و چنگ میں، زمزم و گنگ میں، پتھر کی سختی میں، خوشحالی و بدبختی میں، زمین کی نرمی میں، آتش کی گرمی میں، دریا کی روانی میں، کواکب آسمانی میں، پہاڑ کے ابھار میں، خزاں و بہار میں، ایک نادیدہ ہستی کا جلوہ نظر آتا ہے۔

☆......☆......☆

نادان دوست

ایک بزرگ کا ایک دوست تھا مگر نادان اس نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے اسم اعظم سکھا دیجئے۔ ہر چند انکار کیا اور سمجھایا کہ تو اس قابل نہیں ہے، نہ مانا اور نہایت اصرار کیا، ناچار بتا دیا اور امتحان بھی کرا دیا اور منع کیا کہ آئندہ اس کو کام میں نہ لانا، ورنہ تیرے لئے اچھا نہ ہوگا، یہ فرما کر آپ چل دیئے، اس کے دل میں خیال آیا کہ بھلا اب دیکھوں اسم اعظم اثر کرتا ہے کہ نہیں، کچھ ہڈیاں نظر آئیں، ان پر اسم اعظم پڑھا، فوراً ایک شیر زندہ ہو کر غراتا ہوا آیا اور اس کو پھاڑ کھایا، حضرت اس راہ سے واپس آئے تو دیکھا کہ وہ مرا پڑا ہے اور شیر اس کو کھا رہا ہے، شیر سے پوچھا تو نے اسے کیوں مارا؟ جواب دیا، یہ شخص میرا خالق تو بنا مگر رازق نہ بن سکا اور رزق کی فکر نہ کی اس لئے میں نے اس کو کھا لیا۔

☆......☆......☆

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا خوفِ آخرت

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس ایک کنیز تھی، ایک صبح اٹھنے کے بعد کہنے لگے کہ رات کو خواب میں دیکھا کہ دوزخ کی آگ روشن کی گئی اور پل صراط آراستہ کر کے خلفاء کو وہاں عبور کرنے کے لئے بلایا گیا، چنانچہ خلیفہ عبدالملک بن مروان پل صراط پر سے گزرا اور نیچے گر گیا، خلیفہ نے کہا، جلدی کہو، پھر کیا ہوا؟ کنیز نے کہا، پھر ولید بن عبدالملک کو پل صراط سے گزارا گیا، اس کا بھی یہ حشر ہوا، اس کے بعد سلیمان بن عبدالمالک کو لایا، وہ بھی اسی طرح گر گئے، اس کے بعد آپ کو لایا گیا، ابھی کنیز یہ کہہ رہی تھی کہ خلیفہ بے ہوش ہو کر گر گئے، کنیز چلائی کہ بخدا آپ پل صراط سے بہ سلامت گزر گئے، وہ چلا رہی تھی اور آپ زمین پر تڑپ رہے تھے۔

☆......☆......☆

ادب سے علم سمجھ آتا ہے، علم سے عمل صحیح ہوتا ہے، عمل سے حکمت ملتی ہے، حکمت سے زہد قائم ہوتا ہے، زہد سے دنیا متروک ہوتی ہے اور دنیا کے ترک سے آخرت کی رغبت حاصل ہوتی ہے اور آخرت کی رغبت حاصل ہونے سے اللہ

کے نزدیک رتبہ حاصل ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

برپا ہر روز ایک قیامت دیکھی

اے اہل دنیا! جان لو کہ تم کو بھی ایک دن مرنا ہے، موت کے بعد اٹھنا اور اپنے نیک و بد اعمال کی جزا اور سزا کو پہنچنا ہے، پس دنیا کے چند روز جینے پر مت پھولو اور موت کو کبھی نہ بھولو، دنیا مصیبت کا گھر ہے، فنا ہونا اس کا مشہور اور دھوکہ دینا اس کا شعار ہے، اس کی ہر ایک چیز کا انجام زوال ہے اور اس کا ہمیشہ کسی کے پاس رہنا محال ہے، جب آدمی کو اس میں تھوڑا آرام ملتا ہے تو اس کے عوض برسوں کا رنج اس کے سامنے آجاتا ہے، موت ہر ایک کے سر پر قائم ہے اور اس کا ذائقہ چکھنا سب کو لازم ہے، خدا تعالیٰ کے بندو، آج تمہارا دنیا میں ایسا حال ہے جیسا تم سے پہلے لوگوں کا تھا، جو تم سے عمر میں زیادہ، طاقت میں قوی، آبادی میں کثیر اور مکانات میں اعلیٰ تھے۔ مگر زمانہ کے انقلاب سے آج ان کی آواز بھی نہیں نکلتی، ان کے جسم قبروں میں سڑ گئے، شہر اجڑ گئے اور مکانات گر گئے، یا وہ محلات عالیشان گاؤ تکیے اور مخملی فرش تھے یا اب پتھر اور اینٹیں خاک گور اور گ وشہ لحد ہے کیا تمہیں کچھ شبہ ہے کہ جیسا ان کا حال ہوا، وہی تمہارا حال نہ ہوگا؟ وہی تنہائی نہ ہوگی اور وہی خاک میں یہ جسم کیڑوں کی خوراک نہ ہوگا۔

سنورتے تھے کہ اک عالم کی آنکھیں ہم کو دیکھیں گے
خبر کیا تھی ہماری مجلس ماتم کو دیکھیں گی
ستم ہے جامہ ہستی کا اس تن سے جدا ہونا
لباس تنگ ہے اترے گا آخر دھجیاں ہوکر
جتنی بڑھتی ہے اتنی گھٹتی ہے
زندگی آپ ہی آپ کٹتی ہے
نظر غور سے جو دنیا کی حالت دیکھی
ہم نے برپا یہیں ہر روز قیامت دیکھی

☆......☆......☆

دنیا میں اہل اللہ یوں رہتے ہیں

تواریخ میں مذکور ہے کہ ایک شہزادے نے اپنے باپ سے کہا، میں چاہتا ہوں کہ مجھے آخرت میں کامیابی نصیب ہو، باپ نے ہدایت کی کہ تم فلاں بادشاہ کے پاس جاؤ، چونکہ طالب صادق تھا، منازل طے کرکے بادشاہ کے دروازے تک پہنچ گیا اور دربانوں سے کہا کہ بادشاہ کو میرے آنے کی اطلاع دے دو کہ فلاں بادشاہ کا لڑکا آیا ہے، بادشاہ نے کہا، اچھا کھڑا رہنے دو، تین روز کے بعد پھر اطلاع کی تو کہا، اچھا دوسرے دروازے پر لاؤ، وہاں بھی تین روز کھڑا رہا، تیسری بار اطلاع کی تو کہا، آنے دو، شہزادہ اندر گیا تو دیکھا تمام ٹھاٹھ دنیاداری کا موجود ہے، دل میں خیال کیا، یہ تو خود جگتا بیوپاری ہے، مجھ کو کیا تعلیم کرے گا، بادشاہ کو یہ وسوسہ منکشف ہوگیا، اس کو ٹھہرایا اور دوسرے دن شہر کے تمام اطراف میں اور گلی کوچوں میں ناچ رنگ اور جابجا تماشا کرایا گیا، پھر شہزادے کو طلب کیا اور ایک کٹورا دودھ سے لبریز اس کے ہاتھ پر رکھا اور کہا، جاؤ شہر جنک کی پوری پوری سیر کرو، مگر خبردار، دودھ نہ گرنے پائے اور دو سپاہی شمشیر برہنہ اس کے ہمراہ کیے کہ اگر ایک قطرہ بھی اس میں سے گرے تو شہزادے کے پرزے اڑا دو، اسی طور سے جیسا اس کو حکم ہوا تھا، وہ دونوں سپاہی شہزادے کو شہر میں پھیرا کرلے آئے، بادشاہ نے پوچھا، دودھ تو نہیں گرا، سپاہیوں نے عرض کی کہ حضور اگر ایسا ہوتا

تو یہ آپ کے پاس سلامت کیسے پہنچتے، قتل نہ کردیئے جاتے، پھر بادشاہ شہزادے کی جانب متوجہ ہوا اور دریافت کیا کہ آج تم نے تماشا تو خوب دیکھا ہوگا، جابجا ناچ تماشے کی دھوم دھام تھی، اس نے جواب دیا کہ جناب مجھ کو اس کٹورے کی حفاظت بلائے جان ہورہی تھی، ہردم یہی خوف تھا، اگر دودھ کا قطرہ بھی گرا تو فوراً مارا جاؤں گا، بھلا اس حالت میں تماشا کیا دیکھتا، مجھ کو بجز دودھ کے اور کوئی شے نظر نہیں آئی، اس وقت بادشاہ نے فرمایا کہ جس طرح تم پر یہ دن گزرا، ہمارا ہر وقت یہی حال رہتا ہے، اس دولت و حشمت، طمطراق اور مال و جاہ کی کروفر ہماری نظر میں سب ہیچ ہے، ہماری توجہ کسی طرف نہیں، تم نے ظاہری سلطنت و حکومت اور دولت و ثروت کو دیکھ کر ہماری حالت کو قیاس کیا، اے شہزادے! اسی واقعے سے جو تم پر گزرا، سمجھ لو کہ سپاہی ملک الموت ہے، تن کٹورا من دودھ اور راگ رنگ جو راہ میں ہورہا تھا، وہ دنیائے فانی کا سیر و تماشا ہے، اسی طرح ہم نے بھی دنیا کے دھندے میں دل نہیں لگایا کہ ایسا نہ ہو، دودھ گر جائے اور دل یاد الٰہی سے چوکے اور مارا جائے، اس کے بعد بادشاہ نے شہزادے کو اس کے حوصلے کے موافق تعلیم دے کر رخصت کیا۔

☆......☆......☆

اقسام ندامت

ندامت چار قسم کی ہوتی ہے، ندامت ایک دن کی جب کوئی شخص گھر سے بلا کھانا کھائے چلا جائے، ندمت سال بھر کی جب زراعت کا وقت غفلت میں گزر جائے، ندامت عمر بھر کی جب بیوی سے موافقت نہ ہو، ندامت ابدی خدائے برتر ناخوش ہو۔

☆......☆......☆

صدقہ اور صلہ رحمی

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو خیرات کا حکم دیا اور فرمایا کہ اور کچھ نہ ہو تو زیور ہی کو خیرات کریں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ حکم سن کر اپنے خاوند حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا، تم جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو، اگر کچھ حرج نہ ہو تو جو کچھ مجھے خیرات کرنا ہے، وہ میں تمہیں کو دے دو، تم بھی محتاج ہو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خود تم جاکر پوچھو، یہ مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے دروازے پر حاضر ہوئیں، وہاں دیکھا کہ ایک بی بی اور کھڑی تھی اور وہ بھی اسی ضرورت سے آئی تھی، ہیبت کے مارے ان دونوں کی جرات نہ پڑتی تھی کہ اندر جاکر خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتیں، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نکلے تو ان دونوں نے کہا کہ حضرت سے جاکر کہو، دو عورتیں پوچھتیں ہیں کہ ہم لوگ اپنے خاوندوں اور یتیم بچوں پر جو ہماری گود میں ہوں، صدقہ کرسکتے ہیں، یا نہیں؟ بلال رضی اللہ عنہ سے چلتے چلتے یہ بھی کہہ دیا کہ تم یہ نہ کہنا کہ ہم کون ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کون پوچھتا ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا، ایک قبیلہ انصار کی بی بی ہے اور ایک زینب رضی اللہ عنہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون زینب؟ انہوں نے کہا، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہہ دو کہ ان کو دہرا ثواب ملے گا، قرابت کی پاسداری کا علیحدہ اور صدقہ کرنے کا علیحدہ۔

(ماہین، نورین، صفیہ بنت عمر خان، گنڈہ پور کلاچی)

مال کے چوکیدار

یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ کچھ لوگ مالدار ہوتے ہیں اور کچھ لوگ مال کے چوکیدار ہوتے ہیں، مالدار تو وہ ہوتے ہیں، جن کے پاس مال ہو اور اللہ کے راستے میں خوب مال لگا رہے ہوں اور مال کے چوکیدار وہ ہوتے ہیں جو روزانہ بینک بیلنس چیک کرتے ہیں، وہ گنتے رہتے ہیں کہ اب اتنے ہوگئے، وہ بیچارے چوکیداری کررہے ہوتے ہیں، خود تو چلے جائیں گے اور ان کی اولادیں عیاشیاں کریں گی۔

(ہانی دعا، کلاچی)

☆......☆......☆

☆......جب میں خدا کو پکارتی ہوں تو کبھی کبھی وہ اس قدر قریب سے آواز دیتا ہے کہ میں اپنی آواز پہ شرمندہ ہوجاتی ہوں۔

☆......ستاروں سے روشن رہنے کا سبق ضرور سیکھو مگر ستارہ بننے کی خواہش مت کرو۔ کیونکہ یہ صرف راستہ دکھا سکتے ہیں منزل نہیں۔

☆......اگر تم دیکھنا چاہتے ہو کہ تم کتنے امیر ہو تو اپنی پلکوں سے چند آنسو اپنی ہتھیلی پہ گرا کر دیکھو کتنے لوگ پونچھنے آتے ہیں۔

(حمنہ صدیقی، بنت مولانا محمد اختر صدیقی)

☆......☆......☆

پراسرار اندھا

ایک اندھا بھکاری تھا جو اپنی آنکھیں چھپائے رکھتا تھا، اس کا سوال کرنے کا انداز بڑا عجیب تھا، وہ لوگوں سے کہتا ”جو مجھے کچھ دے گا اس کو ایک عجیب بات سناؤں گا اور جو زیادہ دے گا اس کو ایک عجیب چیز بھی دکھاؤں گا۔“ ابو اسحاق ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کسی نے اس کو کچھ دیا تو میں اس کے پاس کھڑا ہوگیا، اس نے اپنی آنکھیں دکھائیں، میں یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا کہ اس کی آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے جس سے آرپار نظر آتا تھا، اب اس نے اپنی داستان حیرت نشان سنانی شروع کی کہ ”میں اپنے شہر کا نامی گرامی کفن چور تھا اور لوگ مجھ سے بے حد خوفزدہ رہتے تھے، اتفاق سے شہر کا قاضی بیمار پڑ گیا، اس کو جب اپنے بچنے کی امید نہ رہی تو اس نے مجھے سو دینار بھجوا کر کہلا بھیجا کہ میں ان سو دیناروں کے ذریعے اپنا کفن تجھ سے محفوظ کرنا چاہتا ہوں، میں نے ہامی بھرلی، اتفاقاً وہ درست ہوگیا، مگر کچھ عرصے کے بعد پھر بیمار ہوکر مرگیا، میں نے سوچا کہ وہ عطیہ تو پہلے مرض کا تھا، لہٰذا میں نے اس کی قبر کھود ڈالی، قبر میں عذاب کے آثار تھے، قاضی قبر میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں سرخ ہورہی تھیں، اچانک میں نے اپنے گھٹنوں میں درد محسوس کیا اور اچانک کسی نے میری آنکھوں میں انگلیاں گھونپ کر مجھے اندھا کردیا اور کہا ”اے دشمن خدا! اللہ عزوجل کے بھیدوں پر کیوں مطلع ہوتا ہے۔“ (بحوالہ: شرح الصدور)

انتخاب:......فاطمہ فیصل، شادمان ٹاؤن کراچی)



قارئین کرام کی خدمت میں السلام علیکم!

اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید قوی ہے کہ آپ سب خیر و عافیت سے ہوں گے اور زندگی کے شب و روز اللہ و رسول کے احکام کے مطابق گزار رہے ہوں گے۔

وقت کس قدر تیزی سے اپنی منازل طے کررہا ہے، سوچا بھی نہیں جاسکتا، ابھی کل ہی کی تو بات لگتی ہے کہ نیا سال شروع ہوا تھا اور آج وہ ختم ہونے کو ہے، مولانا رومی نے اس زندگی کو برف سے تشبیہ دی ہے، جس طرح ہر گزرنے والا لمحہ برف کو پگھلا کر ختم کررہا ہے، اسی طرح ہر گزرنے والا لمحہ انسان کی زندگی کو ختم کررہا ہے، جس طرح برف سے فائدہ اٹھانے کے لئے اس کو فوراً استعمال کرنا ضروری ہے، اسی طرح انسان کو بھی اپنی زندگی سے فائدہ اٹھانے کے لئے اس کے ایک ایک لمحہ کی قدر کرنا ضروری ہے، ورنہ یہ زندگی برف کی طرح پگھل پگھل کر ختم ہوجائے گی اور انسان کف افسوس ملتا رہ جائے گا۔

کسی نے خوب کہا ہے، ”گیا وقت ہاتھ آتا نہیں“، اپنی زندگی کے ان لمحات کی قدر کریں اور آنے والے لمحات کو اللہ و رسول کے احکام کے مطابق گزارنے کی کوشش کریں، اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

تمام قارئین حیا کو نیا ہجری سال مبارک ہو۔

آپ کے خطوط کی منتظر آپ کی باجی

مہر افروز مہر

☒ آمنہ بنت سفیر احمد کراچی سے لکھتی ہیں: محترمہ مہر آپی، السلام علیکم! امید ہے خیریت سے ہوں گی، دو ماہ سے میں نے خط نہیں لکھا، کیونکہ ہم کشمیر گئے ہوئے تھے، لیکن پھر بھی ہم نے ”حیا“ کو بخشا نہیں، جولائی اور

اگست کے شمارے واپس آکر پڑھ ڈالے، بہرحال ستمبر کا شمارہ 15 تاریخ کو ملا۔ ''ٹائٹل'' دلکش تھا، حسب عادت سب سے پہلے ''تیرے عشق کی انتہا چاہئے'' پڑھی۔ اس دفعہ کی قسط پڑھ کر تو سچ میں آنسو نکل گئے۔ ویسے اب اس کہانی کا ایک نیا موڑ شروع ہو رہا ہے۔ ''ممتا کے سائے'' کو بہت ڈھونڈا، لیکن وہ ملی ہی نہیں، اس کی بہت کمی محسوس ہوئی، اس کے علاوہ ''ایک زندگی ایک کہانی'' بھی نہیں تھی۔ عفراء محمد کی تحریر ''عزت کا انمول موتی'' سبق آموز تحریر تھی۔ ''تعزیت کا جوڑا'' آج کے زمانے کی عورتوں کی حالت کی عکاسی کرتی تحریر تھی۔ ''پتھروں کی بستی'' بھی بہت پسند آئی۔ بادیہ رحمان کی ''مشکل بہت ہے'' میں میڈم الماس کی خوراک پڑھ کر تو ہوش ہی اڑ گئے۔ ''کیا آپ کی ماں زندہ ہے؟'' جذباتی تحریر تھی۔ اس کے علاوہ ''مسکرانا منع ہے''، ''پچھتاوا''، ''بچت'' سب تحریریں زبردست تھیں۔ ''بہترین سودا'' ایمان میں ڈوبی تحریر تھی۔ پورا رسالہ زبردست تھا۔ آپی! میں نے ایک مضمون لکھا ہے، جو میں آپ کو ارسال کر رہی ہوں۔ امید ہے شائع کریں گی۔ تمام قاریات بہنوں کو بہت بہت سلام!

آمنہ بیٹا، آپ کی تحریر ہمیں موصول ہوگئی ہے اور اس ماہ کے شمارے میں شامل اشاعت ہے۔

☆......☆......☆

سکینہ محمد رمضان راجپوت میر پور خاص سے لکھتی ہیں: پیاری باجی جان، السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔ ''حیا رسالہ'' میں ہم ایک بار پھر حاضر ہیں، ویسے تو سوئٹ سے رسالے میں سوئٹ سی کہانیاں، سوئٹ سا مزہ دیتی ہیں، ہاں آپ ہمارا خط دیکھ کر حیران کیوں ہیں، اس لئے کہ ہم نے آپ کو بہت انتظار کروایا، اوہ ساری جی، سوری، بس باجی کچھ مصروفیت تھیں، جس کی وجہ سے ہم نہ لکھ سکے، آپ دعا کیجئے گا کہ ہماری مصروفیات دور ہو جائیں، اب ان شاء اللہ ہر ماہ اپنے پیارے رسالے میں نظر آئیں گے، ارے باجی، ہم نہیں، ہمارا سوئٹ سا خط، اب کیا کریں، ہم مصروفیت سے فارغ ہوئے ہیں تو دل کر رہا ہے آپ کو تنگ کرنے کا، بہت ماہ ہوگئے آپ کو تنگ نہیں کیا، ارے برا نہ مانئے گا، مذاق کر رہے ہیں، اوہ ہاں، میں اس سوئٹ سے ''حیا'' کے لئے سوئٹ سی تحریریں بھیج رہی ہوں، آپ اپنے سوئٹ سے ہاتھوں سے سوئٹ سا خط شائع کر کے ہمیں سوئٹ سا شکریہ ادا کرنے کا سوئٹ سا موقع دیں، تاکہ پھر ہم سوئٹ سی مسکراہٹ کے ساتھ آپ کو سوئٹ سا شکریہ کہہ کر پھر سوئٹ سا دوسرا خط لکھیں، اب سوئٹ سی مسکراہٹ کے ساتھ خدا حافظ کہہ رہے ہیں، ارے اتنی بھی کیا جلدی ہے؟؟......اوہ ہاں، باجی، آنٹی سوئٹ گل اوہ معذرت شیریں گل باجی کو میرا سوئٹ سا سلام، ان کے خط میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں، چلیں اب آپ کے لئے سوئٹ سی دعا، اللہ رب العزت آپ کو ہر خوشی عطا فرمائیں، اللہ رب العزت آپ کی ہر جائز خواہش پوری کرے اور آپ ہمیشہ خوش رہیں۔ آمین......اب آپ بتائیں ہمارا سوئٹ سا خط اور سوئٹ سی دعائیں کیسی لگیں، چلیں آپ بھی سوئٹ سی دعاؤں میں یاد رکھئے گا، سب سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

ارے سکینہ، لگتا ہے خط لکھنے سے پہلے کسی مٹھائی کی دکان سے ہو کر آئی تھی جو اس قدر ''سوئٹ، سوئٹ'' کی گردان پڑھ رہی ہو، تمہارا خط پڑھ کر تو میری شوگر ہائی ہوگئی۔

☆......☆......☆

پروین بنت خلیل احمد میر پور خاص سے لکھتی ہیں: باجی مہر افروز مہر صاحبہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امید ہے آپ اور آپ کا پورا اسٹاف اللہ کی رحمت سے ٹھیک ہوگا، مہر باجی! میں اس رسالے کی خاموش قاریہ ہوں، لیکن آج میں نے اپنی خاموشی توڑ دی ہے، ہاں! ماشاء اللہ ''حیا'' رسالہ بہت اچھا اور اسلامی رسالہ ہے، اس کے پڑھنے سے ہمیں بہت فائدہ ہوتا ہے، مہر باجی! ''حیا'' کی تمام کہانیاں زبردست ہے اور ہمیں قسط وار کہانیاں تو بہت پسند ہیں، لیکن ہمیں بنت مولانا عبدالمجید صاحبہ سے شکایت ہے، انہوں نے ''سنو میں ایک راز کہتی ہوں'' کی آخری قسط اتنی جلدی کر دی، انہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا اور مہر باجی! ہم نے ایک کہانی لکھی ہے، اس پر بہت محنت کی ہے، اگر اشاعت کے قابل ہو تو شائع کر کے شکریہ کا موقع دیجئے اور اس خط کا جواب ضرور دیجئے گا۔ آخر میں رسالے کے لئے دعا گو ہوں، اللہ تعالیٰ اس رسالے کو قیامت تک قائم رکھے۔ آمین

پروین صاحبہ، آپ کو ''حیا کی محفل'' میں خوش آمدید، حیا کی پسندیدگی اور دعاؤں کا بہت شکریہ، آئندہ بھی حیا کی محفل میں آپ کا انتظار رہے گا۔

☆......☆......☆

بنت عبدالحق جناح پور رحیم یار خان سے لکھتی ہیں: محترمہ ومکرمہ مدیرہ باجی راحت ارشد صاحبہ، السلام علیکم! امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے، بندی ''حیا'' رسالے کی مستقل قاریہ ہے، اللہ کریم آپ کا یہ قلمی جہاد قبول فرمائے، دیگر احوال یہ ہے کہ میں ایک ''سفر نامہ حج وعمرہ'' پر مشتمل بھجوانا چاہتی ہوں، یہ سفر نامہ میرے ماموں نے اپنی ذاتی شوق کی وجہ سے اپنی سفری ڈائری میں لکھا تھا، ان کے مختلف دوستوں نے پڑھا تو انہوں نے ان کو شائع کرانے پر اصرار کیا، مگر میرے خشک صوفی مزاج ماموں نہ مانتے، اب میں نے بڑی مشکل سے ان کو اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ اس تحریر کو قابل اشاعت بنایا جائے، شاید کسی کے دل میں اللہ کی محبت بڑھانے کا ذریعہ ہو جائے اور محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی تعلق قائم ہو جائے، مصنف جب تخیلاتی طور پر دربار نبوی میں پرواز کرتے ہوئے اپنے جذبات کو فریاد کی شکل دیتا ہے تو ایسے محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم اس زمانے میں حاضر ہیں، نمونے کے طور پر چند اوراق کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں ارسال ہیں، اگر پسند آجائے تو پھر سلسلہ وار اقساط خوش خط تحریر میں ارسال کی جاسکتی ہیں، میرے ماموں کا ایک ہی مطالبہ ہے کہ ان کا اصل نام نہ شائع کیا جائے، قلمی نام سے شائع کیا جائے، کیونکہ یہ سفر نامہ انہوں نے اپنی ذلت کے لئے اور اپنی کیفیات کو برقرار رکھنے کے لئے لکھا تھا، امید ہے حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے مناسب جواب سے سرفراز فرمائیں گی۔

آپ یہ پورا سفر نامہ ایک ساتھ بھجوا دیں۔ ہم اسے قسط وار شائع کرتے رہیں گے۔

☆......☆......☆

اقراء یونس کمالیہ سے لکھتی ہیں: محترمہ ومکرمہ مہر افروز مہر آپی اور پیاری راحت آپی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ آپ ہمیشہ صحت وتندرستی وایمان کے ساتھ ہوں اور امید کرتی ہوں کہ باقی ''حیا'' کا پورا اسٹاف ٹھیک ٹھاک ہوگا، اپنے کام میں مگن ہوگا، اللہ رب العزت آپ کی نیک تمناؤں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر آپ کے درجات کو بلند فرمائیں، پیاری آپی جان! کچھ عرصہ پہلے ''حیا'' میں لکھنے کا بھوت ہم پر بھی سوار ہوا تھا اور کچھ عرصہ تک تو ''حیا'' میں حاضر ہوتے رہے، لیکن مصروفیت نے جلد ہی اس

بھوت کو اتار دیا، اب جب ''حیا'' کے سلسلہ ''گلدستہ حیا'' میں کمالیہ والیوں کا قبضہ دیکھا تو دل چاہا کہ ہم بھی دوبارہ شرکت کریں، لہٰذا اپنی مصروفیت سے وقت نکال کر شرکت کر رہی ہوں تو امید ہے کہ آپ اس پیارے رسالے میں ہمیں بھی جگہ دیں گی، اب ہو جائے کچھ ''حیا'' پر تبصرہ، ہم دو تین معلمات ''اقراء، رفیعہ، رخسانہ'' باہم گفتگو کر رہی تھیں اور ہمارا موضوع ''حیا'' رسالہ تھا، میں نے کہا کہ آج ستمبر کی سولہ تاریخ ہو چکی ہے اور ابھی تک ''حیا'' نے اپنا دیدار نہیں کروایا، رخسانہ کہنے لگی کہ آج شام تک آجائے گا، انہوں نے تو بے اختیار ہی کہا، لیکن وہ شاید بلکہ یقیناً قبولیت کی گھڑی تھی اور اللہ نے ان کے کہے کی لاج رکھ لی اور اسی شام رسالہ ہمارے ہاتھ آگیا، جب پیارا رسالہ ہاتھ آیا پھر تو خوشی سے باچھیں ہی کھل گئیں۔ ''فہرست'' پر نظر دوڑائی، قسط وار کہانیوں میں سے ''فداک ابی وامی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم''، ''تیرے عشق کی انتہا چاہئے'' تو موجود تھیں، لیکن ''ممتا کے سائے'' کہاں گئی، ارے صبا یونس صاحبہ، آپ نے بھی ان لکھاری بہنوں کی نقل اتارنا شروع کر دی ہے، جو ہمارے صبر کا امتحان لئے ہوئے کبھی ایک دو اقساط کو لے کر رفو چکر ہو جاتی ہیں، پلیز بہنا، آپ تو ایسا نہ کیجئے، بھئی یہ قسط وار کہانیاں تو رسالے کی جان ہیں تو آپ ناغہ کر کے رسالے کی جان نکالنے کی کوشش کرتی ہیں، اپنی حرکت سے باز آجائیں اور آپ کو سزا سنائی جاتی ہے کہ غیر حاضری کی وجہ سے ایک دو اور کہانیاں لکھ کر ''حیا'' کو روانہ کر دیں، ورنہ کیا ہوگا؟ کچھ بھی تو نہیں، بھلا ہم جیسے نالائق اتنی پیاری سی لکھاری بہنا کو کچھ کہہ سکتے ہیں، نہیں نا، میری بات کا برا مت مانئے گا اور اگر سزا لینا چاہتی ہیں تو پھر انتظار کس بات کا، جلدی سے کہانیاں لکھنے کے لئے کاغذ قلم سنبھالیں، اللہ تعالیٰ جو بہترین مددگار ہے، آپ کی مدد فرمائے، ساری فہرست کو دیکھ لیا، بلکہ دوبارہ دو تین بار دیکھا تو دوسرا حیرت انگیز انکشاف یہ ہوا، یہ ''ایک زندگی ایک کہانی'' بھی غائب ہے۔ ام حیات ہنگورا صاحبہ، کہیں آپ نے اور صبا یونس صاحبہ نے پلان بنا کر غیر حاضری تو نہیں کی، لگتا ہے دال میں کچھ کالا ضرور ہے، چلیں آپ بھی جلدی سے تلافی کے طور پر دو کہانیاں اکٹھی لکھ کر بھیجیں، تاکہ ہمیں اس رسالے میں آپ کی غیر حاضری زیادہ محسوس نہ ہو، بہرحال مزاح ایک طرف دیکھیں نا، اللہ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے، اللہ کو جو منظور تھا، وہ ہو گیا، بھئی لکھاری بہنیں بہت مصروف ہوتی ہیں، ہر ایک کی اپنی مصروفیات ہوتی ہیں، ہو سکتا ہے کہ آپ کو کوئی ایسی مصروفیت، پریشانی یا کوئی خدانخواستہ بیماری لاحق ہو گئی ہو، جس وجہ سے آپ کہانی نہیں لکھ پائی، اس لئے آپ اپنی درخواست لکھ بھیجیں، تاکہ ہمیں آپ کی غیر حاضری کی وجہ تو معلوم ہو، اللہ تعالیٰ آپ کے لئے آسانی کا معاملہ فرمائیں۔ آمین...... اس کے علاوہ اس دفعہ تو ''حیا'' میں کہانیوں کی بھرمار تھی، ساری کہانیاں ہی اچھی تھیں، سب نے محنت کی ہے، اللہ سب کو اجر عظیم عطا فرمائیں، آمین...... آپ نے نئے سلسلے ''خوابوں کی تعبیر'' اور ''آپ کے مسائل کا حل'' جو شروع کئے ہیں، دونوں اچھے سلسلے ہیں، آپی جان! اب بس اسی پر اکتفا کرتی ہوں، کیونکہ عام دنوں میں، میں عشاء کی نماز پڑھتے ہی تقریباً آٹھ ساڑھے آٹھ بجے بستر پر جا کر خواب خرگوش کے مزے لوٹنا شروع کر دیتی ہوں اور آج خط لکھتے لکھتے پونے دس ہو چکے ہیں، ان شاء اللہ اگلی دفعہ بھرپور تبصرے کے لئے حاضر ہوں گی، تب تک کے لئے اجازت اور آپ سے اور راحت آپی جو کہ اتنی پیاری سرزمین پر مقیم ہیں اور سب قاریات سے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے، اللہ تعالیٰ اس رسالے کو دن دگنی رات چوگنی

ترقی نصیب فرمائیں اور ہم سب کے علم وعمل، صحت وتندرستی وقت میں برکت عطا فرما کر ہمیں اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں۔ آمین

✍ اقراء صاحبہ، کمال کر دیا آپ نے تو......!! جنہوں نے ایک بار غیر حاضری کی ان کے لئے تو سزا اور خود جو اتنے ماہ سے غیر حاضر رہی، اس کی کیا سزا ہوگی......؟؟

☆......☆......☆

✉ شافعہ مقدس ساہیوال سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہے خیریت سے ہوں گی اور میرا ہی خط پڑھ رہی ہوں گی اور فکر میں ہوں گی کہ لگاؤں یا نہ لگاؤں، اب میں آپ سے کیا کہوں، لگا ہی دیں، ویسے ہم نے بھی پہلی مرتبہ جسارت کی ہے ''حیا'' کے لئے لکھنے کی، امید ہے حوصلہ افزائی کریں گی، میں ''حیا'' کی خاموش ترین قاریہ ہوں، ہمارے گھر میں میری امی جی، میری بہن اور میں ہی ''حیا'' پڑھتے ہیں، ''حیا'' رسالہ ماشاء اللہ بہت اچھا ہے، اس دور میں تو خاص کر مجھے ''حیا'' کے تمام سلسلے ہی پسند ہیں۔ ''فداک ابی وامی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم''، ''تیرے عشق کی انتہا چاہئے''، ''ممتا کے سائے'' اور ''سنو میں ایک راز کہتی ہوں'' بھی بہت اچھے طرز کے ہیں، ساہیوال سے پہلے رسالہ مل جاتا تھا، پھر پتہ نہیں آنا بند ہو گیا، ہم نے کچھ عرصہ تو صبر کیا، مگر جب صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو ہم نے دوبارہ ''حیا'' رسالہ لگوانے کی درخواست کی، اب رسالہ لاہور آتا ہے، پھر ہمیں ملتا ہے، لیکن پھر بھی صبر وشکر کر کے پڑھ لیتی ہوں، کیونکہ لیٹ ملتا ہے، چلو پھر بھی ٹھیک ہے، ملتا تو ہے، اگر نہ ملتا، پھر بھی صبر کرنا تھا، ''حیا کی محفل'' بہت شوق سے پڑھتی ہوں، کافی عرصے سے شوق تھا ''حیا کی محفل'' میں شریک ہونے کا، مگر اس ڈر سے کہ کہیں خط شائع نہ ہو، لکھا ہی نہیں، مگر اب لکھ ہی دیا، مجھے لکھنے کا بہت شوق ہے، مگر کیا کروں، کسی کہانی کا خاکہ ذہن میں آتا ہے جب لکھنے بیٹھوں تو ختم، لیکن ان شاء اللہ ہمت نہیں ہاروں گی، اپنی کوئی نہ کوئی کہانی ''حیا'' کی زینت ضرور بناؤں گی، خدا مجھے ہمت دے اور میری تمام لکھنے والی اور پڑھنے والی بہنوں سے گزارش ہے کہ اگر کسی کو رس گلے اور گلاب جامن کی ترکیب آتی ہو تو پلیز ضرور لکھیں، میں شکر گزار ہوں گی۔ ''ایک زندگی ایک کہانی'' ایک اچھا سلسلہ ہے، ام حیات صاحبہ بہت اچھا لکھ رہی ہیں، ساجدہ بتول سے گزارش ہے کہ وہ لکھتی رہا کریں، ہمیں ان کی کہانیاں بہت پسند ہیں، بنت مولانا عبدالمجید جلدی سے اپنا کوئی قسط وار ناول شروع کریں، دوسروں سے ہی گزارش کر سکتے ہیں، خود اس قابل جو نہیں، تمام قارئین سے گزارش ہے کہ ہر نماز کے بعد ہمارے ملک کی سلامتی اور خوشحالی کے لئے ضرور دعا گو رہا کریں، ''حیا'' کے توسط سے تمام بہنوں کو سلام، خصوصاً صبا یونس، ساجدہ بتول اور تمام لکھنے والی بہنوں کو بھی سلام...... تمام بہنوں سے گزارش ہے کہ ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں، کیونکہ ماہ دولت کا بارہویں کا رزلٹ بھی آنے والا ہے، دعا ہے خدا ہم سب کو دنیا اور آخرت کے تمام امتحانات میں کامیاب وکامران کرے، خدا ہماری آخرت سنوار دے اور ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ رکھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق دے، ایک اور گزارش جو میری سب بہنوں سے ہے کہ اگر کسی کے پاس کوئی ایسا ٹوٹکہ یا نسخہ ہے کہ بال لمبے ہو جائیں تو پلیز پلیز ضرور ارسال کر دیں، مجھے بال لمبے کرنے کا بہت شوق ہے، خدا ہم سب کا حامی وناصر ہو، امید ہے میری اس ادنیٰ سی کاوش کو ''حیا کی محفل'' میں جگہ ضرور ملے گی، چلو بھئی جہاں جگہ ملے بیٹھ جائیں، کسی کے کندھے پھلانگ کر مت جائیں، محفل میں آرام سے بیٹھنا ہے اور دنیاوی باتوں سے پرہیز کرنا ہے، مہر آنٹی، آپ نے بتانا ہے اس نے کوئی غیر

مناسب حرکت تو نہیں، اگر کی ہے تو میں کچھ کر نہیں سکتی، کیونکہ پاگل ہے، بے زبان ہے اور بے زبان پر تشدد نہیں کرنا چاہئے، تشدد جو بھی کرتا ہے میں نے، آپ نے نہیں، کیونکہ آپ کی روی کی بالٹی بڑی ظالم ہے، بے قصور کو کچھ نہیں کہتی اور قصوروار کو ہڑپ کر جاتی ہے، میں بھی عجیب ہوں، جاتے جاتے آجاتی ہوں، خط زیادہ لمبا تو نہیں ہے، ایک بھی صفحہ پورا نہیں ہوگا، مجھے تو ساجدہ اور دیگر جتنی باتیں نہیں آتی کہ دو صفحوں کا خط لکھ ماروں، چلئے سکھ کا سانس لیں، ہم تو چلے، ارے یہ کیا، ہارن ہے ارے ہماری گاڑی کا، چلو بھئی اللہ حافظ، آپ جانیں اور آپ کا کام، ہم فارغ۔ والسلام

شافعہ بیٹی کو حیا کی محفل میں خوش آمدید کہتے ہیں...... بیٹی، ہر کام کی ابتداء تھوڑے سے کرنی چاہئے، آپ اپنی چھوٹی چھوٹی تحریر، جیسے "سہانا بچپن" یا "گلدستہ حیا" وغیرہ کے لئے لکھیں، آہستہ آہستہ ہمت بڑھائیں، ان شاء اللہ بہت جلد آپ کے قلم سے بڑی بڑی کہانیاں اور افسانوں کا سلسلہ جاری ہوجائے گا۔

☆......☆......☆

بنت حافظ محمد اسلم پنجوڑیاں کھاریاں سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! امید کرتی ہوں آپ بخیر وعافیت ہوں گی اور "حیا" کا پورا اسٹاف بھی ٹھیک ٹھاک ہوگا اور اپنے کام میں مگن ہوگا، اللہ پاک سدا نیک کام لیتا رہے، آمین...... ہم "حیا" کی 2005ء سے قاریہ ہیں، ماشاء اللہ سے بہت خوب صورت رسالہ ہے، اس جیسا دنیا میں کوئی بھی رسالہ نہیں ہے، لیکن "حیا" میں پہلی دفعہ قلم اٹھا رہی ہوں، "حیا" کے لئے میں کچھ چیزیں ارسال کر رہی ہوں، امید کرتی ہوں، جلد ہی "حیا" کی زینت بنیں گی، آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ایمان پر قائم رہنے کی توفیق دیں۔ آمین

بنت حافظ محمد اسلم کو "حیا کی محفل" میں خوش آمدید۔ حیا کی پسندیدگی اور دعاؤں کا بہت شکریہ۔

☆......☆......☆

اہلیہ بلال بہادر آباد کراچی سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! امید ہے کہ "حیا" کا پورا عملہ خیر وعافیت سے ہوگا، نیز "حیا" رسالے کے پڑھنے والے اور لکھنے والے اور آگے اس رسالے کو عام کرنے والے بھی بخیر وعافیت ہوں گے اور اپنے کام میں بڑھوتری کے خواہشمند ہوں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کے جملہ مساعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں۔ آمین...... ستمبر کا "حیا" ہاتھوں میں جگمگا رہا ہے اور الحمدللہ، وقت پر مل رہا ہے، سب سے پہلے "فداک ابی وامی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" ماشاء اللہ بہت عمدہ ہے، سیرت پر تفصیلی واقفیت ہو رہی ہے، ہم میں سے بہت سے لوگ ہیں جن کو نبی علیہ السلام کی تاریخ وسیرت کے بارے میں کچھ پتہ ہی نہیں، لازمی بات ہے کہ ہم خود بھی سیرت پڑھیں اور اپنے بچوں کو بھی سیرت سے آگاہ کریں، مولانا محمد یوسف لدھیانوی کا مضمون "حفاظت کا خاص عمل" بہت عمدہ مضمون ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے والا بنائے۔ "خواتین اور دین کی خدمت" بھی خواتین کے پڑھنے کے لائق مضمون ہے، کہتے ہیں کہ "جب مرد دین پر لگتا ہے تو دین گھر کی چوکھٹ تک آتا ہے اور جب عورت دین پر لگتی ہے تو دین گھر کے اندر آتا ہے اور جب عورتیں دین کو سیکھیں گی اور دین کو سمجھیں گی تو بچوں کی تربیت بھی دین کے طریقوں پر کریں گی اور عورتوں کو بھی دین کی سمجھ دیں گی"۔ "انبیاء کے دیس میں" کا تو انتظار رہتا ہے ہر ماہ، ماشاء اللہ بنت مولانا عبدالمجید نے وقت وقت اور لمحہ لمحہ کی باتوں کو قلمبند کیا اور بہت سی نئی باتوں کی طرف رہنمائی ہوئی، اللہ ہم سب کو بھی ہر سال حج مبرور وعمرہ مقبولہ

نصیب فرمائے۔ آمین مریم غازی کی تحریر "تیرے عشق کی انتہا چاہئے" لاجواب تحریر ہے، مصطفیٰ صاحب کا انتقال ہوگیا اور بے چاری آمنہ اکیلی رہ گئی، اب اللہ خیر کرے، بے چاری بچی کے ساتھ آگے کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ مصطفیٰ صاحب کی زوجہ محترمہ کو ہدایت دے۔ "کیا آپ کی ماں زندہ ہے" دلوں کو جھنجھوڑنے والی تحریر تھی، آج کی اولاد کے لئے لاجواب تحریر تھی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھ عطا کرے، ایسے بھی لوگ دنیا میں ابھی موجود ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے والدین کا فرمانبردار بنائے اور ہماری اولاد کو ہمارا فرمانبردار بنائے۔ "بچت" والی تحریر میں صدقہ کی اہمیت کو اجاگر کیا، واقعی صدقہ بلاؤں کو ٹالتا ہے، صدقہ سے بظاہر مال کم ہوتا نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں مال اللہ کے بینک بیلنس میں جمع ہو رہا ہوتا ہے، ان شاء اللہ ہم اس بات کا عزم کریں کہ اپنی ماہانہ آمدنی، جیب خرچ کا پہلے ڈھائی فیصد اللہ کے راستے میں صدقہ کریں گے، ان شاء اللہ جب اس پر ہم پختہ ہوجائیں تو مال کا تیسرا حصہ اللہ کو دیں گے، زکوٰۃ اس میں شامل نہیں ہے وہ تو سالانہ کل مال کا ڈھائی فیصد نکالنا ہے، وہ تو الگ ہے، پھر ہم سب "حیا" رسالے کے توسط سے اپنی دینی بہنوں کو بتائیں گے کہ صدقہ دینے کے ہم نے کیا فوائد دیکھے اور ہمارا یہ صدقہ جاریہ بھی ہوجائے گا، اس کے علاوہ تمام سلسلے اپنی جگہ آپ تھے، ماشاء اللہ "حیا" رسالہ مہینہ بہ مہینہ ترقی کا سفر کر رہا ہے، گزارش ہے کہ کوئی خاص نمبر نکالا جائے اور انٹرویو ہر ماہ شائع کیا جائے۔ نیز چند ماہ قبل میں نے خواب کی تعبیر پوچھی تھی اور ساتھ ہی جوابی لفافہ بھی بھیجا تھا، لیکن ابھی تک اس کا کچھ پتہ نہ چلا، کیا وہ آپ تک پہنچا بھی تھا کہ نہیں؟ وقت کی کمی کے باعث سب تحریروں پر تبصرہ نہ ہوسکا۔ آئندہ آدھی ملاقات تک کے لئے فی امان اللہ

اہلیہ بلال صاحبہ، حیا کے تمام سلسلوں پر خوب صورت سا تبصرہ بہت اچھا لگا، آئندہ بھی انتظار رہے گا، آپ کا خواب ہم تک پہنچا نہیں، دوبارہ ارسال کردیں اور خواب والے صفحہ پر بھی اپنا ایڈریس لکھیں۔

☆......☆......☆

سامعہ خالد شکر گڑھ سے لکھتی ہیں: پیاری آپی مہر افروز مہر، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! "حیا" پڑھتے ہوئے تقریباً ڈیڑھ سال ہوگیا ہے، مگر آج تک خط نہ لکھا، اب فروری 2013ء کے شمارے پر تبصرہ پیش خدمت ہے۔ "ایک زندگی ایک کہانی" (بچے ہمارے عہد کے) پڑھ کر بہت تشویش ہوئی کہ اشتیاق احمد اور رمشاء 007 کے قصے تو میں بھی بہت شوق سے پڑھتی ہوں، لیکن میں بھی جاسوس نا بن جاؤں، اللہ بچائے۔ "سنو میں اک راز کہتی ہوں" بہت خوب ہے۔ "تیرے عشق کی انتہا چاہئے" بھی پسند آرہی ہے۔ "امہات المومنین کے بھائی اور بہن" پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ لیکن اس کے اوپر لکھا گیا تھا۔ "وہ خوش نصیب جن کی بہنوں کو امہات المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔" یہ نہیں لکھنا چاہئے تھا، کیونکہ ان میں کچھ مشرک بہن بھائی بھی تھے، شارفہ طاہر کا "سہانا بچپن" پڑھ کر ہنسی آئی۔ "میری پسند" میں مدینے کی گلی میں، صدیقہ عائشہؓ اور غازی علم الدین شہید اچھی لگیں۔ "تبسم" میں میمونہ بنات عبدالخالق کا لطیفہ پسند آیا۔ "حیا کی محفل" میں آپ نے خط لکھنے کو کہا ہے تاکہ خطوط کی روشنی میں "حیا" کو مزید بہتر بنایا جاسکے، ویسے عجیب بات ہے نیچے نام "راحت آپی" کا تھا اور خط ہم نے مہر افروز مہر آپی کو لکھ دیا ہے، خیر چھوڑیئے...... کچھ تجاویز پیش کرنے کی گستاخی چاہتے ہیں۔ قسط وار کہانیاں زیادہ سے زیادہ رکھیں، مضامین تھوڑے کم رکھیں، کیونکہ نئی نسل کہانیوں پر توجہ دیتی ہے، ویسے بھی کہانی کی شکل میں بات ذرا جلدی اثر کرتی ہے، "روشن چراغ" اور "آرائش جمال" والے سلسلے ختم کردیں، "روشن چراغ" کی بجائے کوئی مخصوص عنوان دیا کریں، جیسے میری والدہ، میرے والد وغیرہ...... اشتیاق احمد اور بینا رانی

ملتان کی تحاریر، بہت پر اثر ہوتی ہیں، شامل کیا کریں، مہربانی کر کے رسالہ ذرا جلدی شائع کیا کریں، مجھے بہت دیر سے ملتا ہے، اس دفعہ 21 فروری کو فروری کا شمارہ ملا تھا، شاید خط زیادہ لمبا ہو گیا ہے، میں نے پہلی دفعہ آپ کو خط لکھا ہے، بتائیے طریقہ درست ہے؟ یا دیگر رسالوں کی طرح ایک سطر اور ایک جانب لکھنا ہو گا، مطلب یہ کہ سطر چھوڑ کر اور صفحے کے ایک طرف، مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے گا، میرے نام کے بارے میں بتائیے گا، اسلامی ہے یا غیر اسلامی؟

لیجئے جناب، دیکھ لیجئے ڈاک والوں کی مہربانی، ماہ فروری 2013ء کے حیا پر لکھا جانے والا تبصرہ آج آٹھ ماہ بعد موصول ہو رہا ہے..... سامعہ، اپنے نام کے بارے میں تو آپ کسی عالم یا مفتی سے معلوم کریں کہ صحیح ہے یا غلط، باقی خط لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک لائن چھوڑ کر لکھیں۔

☆.....☆.....☆

حلیمہ بنت نور محمد لکھتی ہیں: السلام علیکم، باجی جان! آپ کا رسالہ بے حد اچھا جا رہا ہے، خیر سے 17 ستمبر کو ستمبر کا شمارہ ہاتھ لگا، واہ واہ، کیا رسالہ تھا، صبح ابو نے اٹھایا کہ اٹھو تمہارا وہ ''حیا'' آگیا، میں ویسے نہیں اٹھ رہی تھی، جیسے ہی یہ سنا، جلدی سے اٹھی، چارپائی پر لیٹے لیٹے ہی میں نے ''تیرے عشق کی انتہا چاہتے'' (میری پسندیدہ کہانی) پڑھی، پھر خیر سے اٹھ گئی، پھر دوسری مرتبہ منہ ہاتھ دھونے کے بعد پڑھا، ناشتہ واشتہ تو یاد نہیں تھا، ماشاء اللہ بہت بہت بہت پیارا رسالہ ہے، اللہ اس ''حیا'' کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے، ہاں وہ تو بھول ہی گئی، مجھے سارے رسالے میں ''اماں جی'' کے بارے میں مولانا عبدالقیوم حقانی نے اچھی اچھی باتیں لکھی ہیں، پسند آیا۔ ''ایک فرانسیسی دوشیزہ'' بقلم بشریٰ امیر بہت ہی زیادہ پیارا تھا، آنکھوں سے آنسو نکل پڑے کہ ہمارے پاکستانی اتنے برے ہو گئے۔ ''دل کے دروازے پر یہ دستک کیسی'' بہت پیاری تھی۔ ''اسلام تمام مسائل کا حل'' بڑا پیارا قصہ ہے، سارے قصے ایک دوسرے سے اچھے ہیں، اللہ آپ کو اپنی خوشی اور اپنی عبادت اور ''حیا'' کی ترقی کے لئے لمبی زندگی عطا فرمائے۔ آمین

حلیمہ جی، حیا کی پسندیدگی اور دعاؤں کا بہت بہت شکریہ۔

☆.....☆.....☆

رضوانہ فردوس رضوی باغ سے لکھتی ہیں: محترمہ مکرمہ مہر آپی صاحبہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! ایمان اور صحت کی امید و دعا کے ساتھ آپ کی پروقار محفل میں پہلی بار شرکت کی سعادت حاصل کر رہی ہوں، میں ماہنامہ ''حیا'' کی ریگولر قاریہ ہوں، یہ میگزین اندھیروں میں اجالا، دھوپ میں ٹھنڈی چھاؤں، پیاس میں ٹھنڈا پانی، دشمنوں میں مخلص، دوست اور کانٹوں میں خوشبوؤں بھرا پھول ہے، اللہ پاک اس کو ہمیشہ جاری و ساری رکھے اور اس کو ہماری تمام ماؤں بہنوں کے لئے اور ان کے ذریعے تمام بھائیوں کے لئے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین..... میں نے اپنی ہی لکھی ہوئی نعت ارسال کی ہے، امید ہے شائع کی جائے گی، تمام قارئین و قاریات حیا سے درخواست ہے کہ میرے استاد محترم عرصہ سے علیل ہیں، ان کی صحت کے لئے دعا فرمائیں۔

رضوانہ صاحبہ، حیا کی محفل میں خوش آمدید، حیا کی پسندیدگی اور دعاؤں کا بہت شکریہ، اللہ تعالیٰ آپ کے استاذ محترم کو صحت عطا فرمائیں۔

☆.....☆.....☆